کلیاتِ داغ دہلوی

جناب نواب مرزا خان داغ دہلوی کا مجموعہ کلام
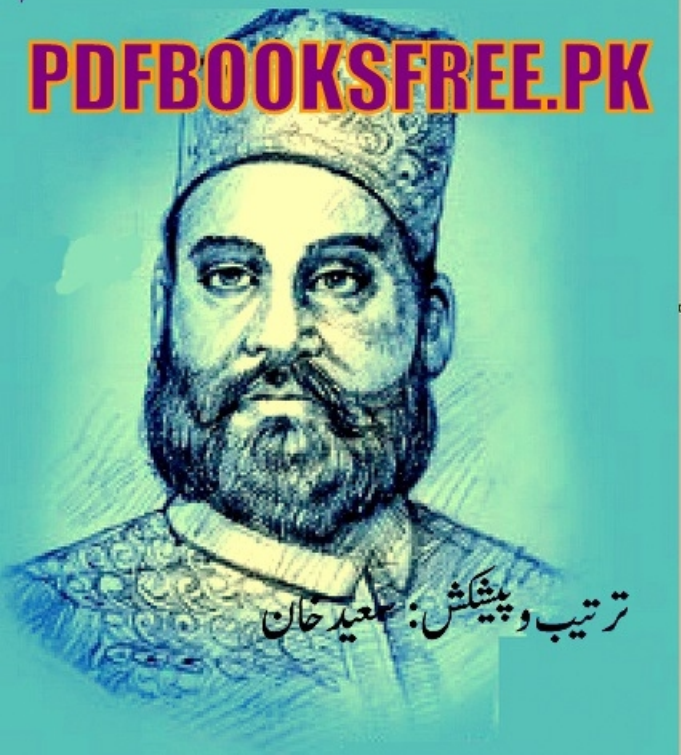
ترتیب و پیشکش: سعید خان

مَاشَاءَ اللّٰہُ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ

دریں ایام فرخندہ فرجام مجموعہ عشق و محبت گنجینہ

اسرارِ الفت موسوم

کُلیاتِ داغ

تصنیف لطیف

خاقانِ زمن اُستاد نظام دکن جناب نواب مرزا خان داغ دہلوی

شائقین علم و فن کی ضیافت طبع کے لئے زیور طبع سے

آراستہ کیا

ترتیب و پیشکش سعید خان

حیات داغ

تاریخ ولادت

داغ 12 ذی الحجہ 1246ھ مطابق 25 مئی 1831ء کو چہار شنبہ کے روز دن کے دو بجے چاندنی چوک دہلی میں پیدا ہوئے۔

خاندانی حالات

والد کا نام شمس الدین خاں تھا جو فیروز پور جھرکہ کے رئیس اور احمد بخش خاں کے بیٹے تھے یہ خاندان دہلی کا مشہور و معروف خاندان تھا، غالب کے خسر الٰہی بخش خاں انہیں شمس الدین خاں کے چچا اور امین الدین خاں وضیاء الدین خاں نیر ورخشاں ان کے چھوٹے بھائی تھے۔

شمس الدین خاں نے ایک انگریز عہدہ دار ولیم فریزر کے قتل کے الزام میں پھانسی پائی۔ انہوں نے فریزر کو کیوں قتل کرایا؟ اس کے متعلق دو روایتیں مشہور ہیں ایک تو یہ کہ شمس الدین خاں کی یک بہت جہانگیرا نامی تھیں جنہیں فریزر نے کسی طرح دیکھ لیا اور شمس الدین خاں سے ان کی بہن کا ذکر واہانہ انداز میں کیا جسے سن کر انہیں سخت تکلیف ہوئی اور انہوں نے فریزر کے قتل کے لئے کریم خاں عرف بھامارو کو آمادہ کیا جس نے فریزر کو قتل کیا۔

دوسری یہ روایت مشہور ہے کہ شمس الدین خاں کے والد احمد بخش خاں نے اپنی زندگی ہی میں جائیداد کی تقسیم کر دی تھی مگر شمس الدین خاں ہٹ دھرمی سے اپنے علاتی بھائیوں کا حق بھی چھین لینا چاہتے تھے چونکہ فریزر احمد بخش خاں کے گہرے دوست تھے اس لئے انہوں نے شمس الدین خاں کو روکا اور جب انہوں نے اعتنا نہ کی تو پھر اعلانیہ ان کے چھوٹے بھائیوں کی تائید کی اور ان کی زیادتیوں کا حال کلکتہ کو بھی لکھ دیا جس کی وجہ سے خفا ہو کر شمس الدین خاں نے فریزر کو قتل کرا دیا۔

چاہے پہلی روایت صحیح ہو یا دوسری مگر یہ ثابت ہے کہ شمس الدین خاں نے اپنے ملازم کریم خاں سے ولیم فریزر کو قتل کرا دیا اور اسی الزام میں انگریزوں نے ان پر سرسری مقدمہ چلا کر 3 اکتوبر 1835ء کو کشمیری دروازے کے قریب فوج کی نگرانی میں پھانسی دے دی اور ان کے سوتیلے بھائیوں نے فیروز پور جھرکہ اور ان کی ساری جائیداد پر قبضہ کر لیا۔

1260ھ / 1844ء میں یعنی نو سال بعد ان کی والدہ نے مرزا فخرو خلف بہادر شاہ ظفر وولی عہد دلی سے نکاح کر لیا اور قلعہ معلیٰ میں پہنچ گئیں تو انہوں نے داغ کو بھی اپنے پاس بلا لیا اس وقت داغ کی عمر بارہ یا تیرہ سال کی تھی۔

تعلیم

ابھی داغ چار سال چار مہینے نو روز کے تھے اور آپ کی تسمیہ خوانی (بسم اللہ) کی تیاریاں ہو رہی تھیں کہ آپ کے والد صاحب کو پھانسی دی گئی، اس حادثے کے بعد داغ کی والدہ بہت پریشان ہو گئیں اور انہوں نے داغ کو اپنی بڑی بہن عمدہ خانم کے پاس بھجوا دیا جو رام پور میں تھیں۔ رامپور پہنچ کر داغ نے مولوی غیاث الدین (صاحب غیاث اللغات) سے فارسی پڑھنی شروع کی عمدہ خانم چونکہ نواب رام پور کی متوسل تھیں اس لئے وہ کبھی دلی اور کبھی رام پور میں رہتی تھیں اور داغ بھی ان کے ساتھ ہی ساتھ رہتے تھے جب داغ کی والدہ نے مرزا فخرو ولی عہد دلی سے عقد کر لیا اور قلعہ معلی میں پہنچ گئیں تو انہوں نے داغ کو بھی اپنے پاس بلوا لیا قلعہ میں پہنچنے کے بعد داغ کی تعلیم باقاعدہ شروع ہوئی مولوی سید احمد حسین ابن میر غلام حسین شکیبا نے درسی کتابیں پڑھائیں سید امیر پنجہ کس نے خطاطی سکھائی۔

مختلف فنون کی تعلیم

احسن صاحب لکھتے ہیں: اجمالاً فن سپہ گری کے کل اصول اور تمام باتیں قلعے میں رہ کر آپ نے سیکھی ہیں، چنانچہ عند الذکرہ ایک مرتبہ فرماتے تھے کہ مرزا عباد اللہ بیگ

صاحب (مرزا عبید اللہ بیگ) جن سے میں نے لکھنے کی مشق کی، انہیں سے ''بانک بھی سیکھی اور مرزا ستگی بیگ سے جو خاندان میر حامد علی میں مشہور پھکیتی باز تھے، پھکیتی علی مدکی سیکھی اور گھوڑے کی سواری کا طریقہ بجن خاں اور بندو خاں چابک سواران شاہی سے حاصل کیا اور بندوق لگانی اور تیر لگانا اور چورنگ لگانا اور سینا کاٹنا صاحب عالم مرزا فتح الملک بہادر سے سیکھا۔''

ابتدائے شاعری

ان دنوں قلعہ میں شعر و شاعری کا چرچا تھا داغ کی طبیعت بھی اس طرف مائل ہو گئی اور انہوں نے بھی شعر کہنا شروع کیا مرزا فخرو نے داغ کی موزوں طبعی دیکھی تو استاد ذوق سے رجوع کرا دیا اور داغ نے باقاعدہ شاعری شروع کر دی ان دنوں قلعہ سے باہر شہر میں مسلسل مشاعرے ہوا کرتے تھے ذوق نے داغ کو بھی مشاعروں میں لے جانا شروع کیا چنانچہ پہلا مشاعرہ جس میں داغ نے شرکت کی نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کا مشاعرہ تھا جس میں داغ نے پہلی اور بڑی ہی دھوم کی غزل پڑھی ۔

جس کا مطلع تھا

شرر و برق نہیں شعلہ و سیماب نہیں
کس لئے پھر یہ ٹھہرتا دل بیتاب نہیں

دوسرا مشاعرہ ''زینت باڑی'' کا تھا مرزا صاحب فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ محلّہ زینت باڑی میں مشاعرہ ہوا'' گیسو اپنا جادو اپنا'' اسی ردیف و قافیہ میں مصرع طرح دیا گیا مولوی امام بخش صہبائی کا زمانہ تھا، میں بھی غزل کہہ کر لے گیا، جب میں نے مقطع پڑھا۔

لگ گئی چپ تجھے اے داغ حزیں کیوں ایسی
مجھ کو کچھ حال تو کم بخت بتا تو اپنا

اس کے سنتے ہی آفرین صد آفرین کہتے ہوئے حضرت صہبائی اٹھے اور مجھے

گلے سے لگالیا۔

غالب کی غزل ''دم نکلے'' بہت مشہور ہوئی تو اسی طرح میں قلعہ میں بھی مشاعرہ ہوا، داغ نے عین مشاعرے کے وقت غزل کہی اور سرسری طور پر ذوق کو دکھالیا اور مشاعرے میں پڑھی جب اس شعر پر پہنچے۔

ہوئے مغرور جب آہ میری بے اثر دیکھی
کسی کا اس طرح یا رب نہ دنیا میں بھر انکلے

تو شاہ ظفر نے داغ کو پاس بلایا اور پیشانی چوم لی

حالی یادگار غالب میں لکھتے ہیں

''مرزا غالب ضعیف ہو چکے ہیں گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے گھر ہی میں بیٹھے شطرنج کھیل رہے ہیں حاضرین محفل میں سے کوئی مذکورہ نوجوان کا یہ شعر پڑھنے لگتا ہے۔''

رخ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
ادھر جاتا ہے دیکھیں یا ادھر پروانہ آتا ہے

کھیل کے شائق و رسیا غالب شطرنج کی بازی چھوڑ دیتے ہیں ان پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے بار بار شعر پڑھتے ہیں اور وجد کرتے ہیں۔

قلعہ شاہی کی جدائی

1856ء تک داغ قلعہ میں رنگ رلیاں کرتے رہے اس سال مرزا فخرو کو زہر دیا گیا یا ہیضہ ہوا بہر حال بیچارے ولی عہد اللہ کو پیارے ہوئے اور داغ کو قلعہ سے نکلنا پڑا۔

رام پور جانا

قلعہ سے نکل کر چند روز دلی میں رہے اور پھر رام پور چلے گئے چنانچہ 27 اپریل 1858ء کو جب ظہیر دہلوی مع اپنے بھائی کے رام پور پہنچے تو داغ نے ان کی

آمد کی اطلاع پا کر ان سے ملاقات کی اور صاحبزادہ رضا محمد خاں (داماد یوسف علی خاں بہادر) سے سفارش کر کے انہیں نوکر بھی رکھا دیا۔ اس طرح داغ نے آٹھ سال گزارے رام پور سے انہیں مالی امداد ملتی رہتی تھی اور وہ کبھی دہلی اور کبھی رام پور میں رہتے تھے 14 اپریل 1866ء کو داغ کا تقرر زمرہ مصاحبین میں ہوا اور کارخانہ جات (فراموش خانہ اصطبل وغیرہ) تفویض ہوئے۔

داغ پیدائشی شاعر تھے اور خدا نے انہیں شاعری ہی کے لئے پیدا کیا تھا یوں ان میں دوسرے کاموں کی بھی خاصی صلاحیت تھی اس لئے انہوں نے اپنی ملازمت کے لحاظ سے فرائض منصبی کو نہایت ہی محنت اور جاں فشانی سے انجام دینا شروع کیا اور ساتھ ہی ساتھ شاعری بھی جاری رہی۔

شادی

1845ء میں جبکہ داغ پندرہویں سال میں تھے، ان کی شادی خالہ زاد بہن فاطمہ بیگم کے ساتھ ہوگئی۔ اس واقعے کا ذکر اس مارہروی نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

''15 برس کی عمر میں آپ کی شادی ہوئی، حیدر آباد میں تشریف لائے ہوئے آپ کو چودہ پندرہ سال ہو چکے ہیں 1315ء میں آپ کی اہلیہ نے وفات پائی اور سید یوسف شریف صاحب کی درگاہ میں مدفون ہوئیں۔''

داغ کا عشق

داغ کے قیام رام پور کا اہم واقع منی جائی حجاب سے محبت کا ہے۔ 1879ء میں بے نظیر باغ کے میلے میں حجاب آئی اور داغ اس کی حلقہ زلف میں اسیر ہو گئے چند دن ملاقاتوں میں گزرے اس کے بعد حجاب کلکتے چلی گئی اور داغ کف افسوس ملتے رہ گئے لیکن دوسرے سال داغ نے حجاب کو میلے میں بلا ہی لیا (1880) ''فریاد داغ'' میں کہتے ہیں

جا کے عہد شباب کا آنا تھا دوبارہ حجاب کا آنا

پھر وہی ساعت عید آئی کہ برس دن کے بعد عید آئی

نواب حیدر علی خاں (برادر نواب کلب علی خاں) نے حجاب کو اپنے یہاں ٹھہرایا داغ کی حالت ماہی بے آب کی سی ہوگئی آخر ہزار کوششوں سے وہ داغ کے یہاں آ کر مقیم ہوئی اور پھر ملاقاتیں ہونے لگیں لیکن قیام کی مدت اصرار کے باوجود بھی طویل نہ ہوسکی اور حجاب چلی گئی 1881ء کے میلے میں داغ کی کوششوں کے باوجود حجاب نہ آئی اور دوسرے سال بھی کوئی صورت آنے کی نہ ہوسکی۔ نامہ و کتابت میں حجاب نے کچھ اس طرح الجھایا کہ داغ اس کے دم میں آ گئے اور اپریل 1882ء میں کلکتے کے ارادے سے ریاست سے رخصت حاصل کر کے روانہ ہوگئے۔ کلکتے پہنچے اور مقصد دلی حاصل ہوا۔ حجاب سے ملاقاتیں رہیں۔ جی تو یہ چاہتا تھا کہ یا تو حجاب کو ساتھ لے آئیں یا خود ہی رہ پڑیں لیکن یہ دونوں مقصد پورے نہ ہوسکے اور آخر نواب خلد آشیاں کے تقاضوں سے مجبور ہوکر باصد حسرت و یاس رام پور واپس آئے جون 1882ء میں واپسی ہوئی، رامپور آ کر داغ نے اپنی داستان محبت کی یادگار قلمبند کی جو "فریاد داغ" سے مشہور ہوئی۔

سفر حیدر آباد

نواب کلب علی خاں کے انتقال کے بعد داغ کو رامپور چھوڑنا پڑا اور وہ حیدر آباد چلے گئے جو ان دنوں نواب محبوب علی خاں مرحوم کی علم پروری و ادب نوازی کی بنا پر سارے ہندوستان کے اہل کمال کا مرجع بنا ہوا تھا کئی برس امیدواری میں گزر گئے آخر کار ستارہ اقبال چمکا ساڑھے چار سو روپے ماہوار پر داغ کا تقرر ہوگیا اور روز بروز سے اس وقت کی تنخواہ انہیں مل گئی اور کچھ دن کے بعد سے ایک ہزار روپیہ ماہانہ ملنے لگا۔ اس دن سے مرتے دم تک داغ میر محبوب علی خاں مرحوم کی مصاحبت میں رہے اور بیش قرار صلہ و انعام کے علاوہ متعدد خطابات سے بھی معزز مفتخر کئے گئے۔

سفر حج و پرہیز گاری

داغ صوم وصلوۃ کے پابند تھے رامپور رہو یا حیدر آباد ہر جگہ وہ نماز کی ادائیگی کا خیال رکھتے اور ماہ رمضان میں روزے سے رہتے۔ جن لوگوں نے انہیں قریب سے دیکھا ہے وہ گواہ ہیں کہ نہ تو ان سے نماز ہی قضا ہوئی اور نہ روزہ۔

داغ قلعہ معلٰی کی درباداریاں برتے ہوئے تھے اسی لئے نواب خلد آشیاں باہر جاتے تو انہیں ہمراہ لے جاتے چنانچہ سفر حج میں بھی داغ ساتھ تھے اس سفر حج میں داغ نے اپنی مشہور ترین غزل کہی جس کے کچھ اشعار یہ ہیں۔

سبق ایسا پڑھا دیا تو نے
دل سے سب کچھ بھلا دیا تو نے

لاکھ دینے کا ایک دینا ہے
دل بے مدعا دیا تو نے

بے طلب جو ملا ملا مجھ کو
بے غرض جو دیا دیا تو نے

اہلیہ داغ کی وفات:

حیدر آباد میں آپ کو یہ صدمہ اٹھانا پڑا کہ آپ کی رفیقہ حیات 1897ء میں رحلت کرگئی۔ اگرچہ داغ بذلہ سنج اور لطیفہ گو تھے۔ لیکن رفیقہ حیات کی جدائی نے ستایا تو غم غلط کرنے کی کوشش کی اور پھر حجاب کی یاد ہوگئی حجاب آئی لیکن دونوں کے نظریات بدل چکے تھے وہ آئی لیکن داغ کی بن نہ سکی جس میں لاڈلی بیگم (ان کی آغوشی بیٹی) کے اختلاف کو بھی دخل تھا اس لئے حجاب پھر کلکتہ واپس ہوگئی۔

داغ کی وفات

داغ زیادہ عرصے نہ جی سکے اور ان کے متعلقین نے بھی ان کی زندگی عذاب کر رکھی تھی صحت خراب تھی اور خراب ہوگئی۔

وجع مفاصل اور دوران سر کی شکایت پہلے سے تھی، فالج کا دورہ پڑا، اطباء کی

تدابیر ناکام رہیں اور داغ 14 فروری 1905ء بمطابق 9 ذی الحج 1322ھ کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اور 10 ذی الحج 1322ھ کو عید کی نماز کے بعد نماز جنازہ حیدر آباد کی شاہی مسجد (مکہ مسجد) میں پڑھائی گئی اور درگاہ یوسفین میں سپرد خاک ہوئے اپنے بارے میں خود کہہ چکے تھے۔

آج راہی جہاں سے داغ ہوا
خانہ عشق بے چراغ ہوا
داغ تجھ کو باغ جنت ہو نصیب!

☆☆☆☆

تفصیل کلام داغ

چار دیوان ان سے یادگار ہیں یعنی گلزار داغ، آفتاب داغ، مہتاب داغ اور یادگار داغ ایک مثنوی فریاد داغ بھی لکھی، ان سب میں سے دو دیوان گلزار داغ، آفتاب داغ اور مثنوی فریاد داغ رام پور کی اور باقی دو دیوان حیدر آباد کے زمانہ قیام کی یادگار ہیں۔

گلزار داغ

یہ داغ کے کلام کا پہلا مجموعہ ہے جو مطبع تاج المطابع رام پور میں 1879ء میں چھپا تھا۔اس میں 389 غزلیں ہیں جن کے اشعار کی مجموعی تعداد 4943 ہے۔

آفتاب داغ

یہ داغ کے کلام کا دوسرا مجموعہ ہے پہلی بار 1884ء میں مطبع انوارالاخبار لکھنو میں چھپ کر شائع ہوا تھا اس میں 129 غزلیں ہیں جن کے اشعار کی مجموعی تعداد 1752 ہے۔

☆☆☆☆
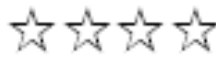
مہتاب داغ

یہ داغ کے کلام کا تیسرا مجموعہ ہے 1892ء میں مطبع عزیز دکن حیدر آباد میں شائع ہوا تھا اس میں 292 غزلیں ہیں جن کے اشعار کی مجموعی تعداد 4176 ہے۔

یادگار داغ

یہ داغ کے کلام کا چوتھا مجموعہ ہے جو ان کے انتقال کے بعد 1905ء میں اسلامیہ اسٹیم پریس لاہور میں چھپا تھا بعد میں اس دیوان کا تتمہ بھی شائع ہوا تھا اس دیوان میں 156 غزلیں ہیں جن کے اشعار کی مجموعی تعداد 1776 ہے۔

مثنوی فریاد داغ

یہ مثنوی زمانہ قیام رامپور میں کہی گئی تھی اور پہلی بار 1884 میں شائع ہوئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

داغ

اب کہاں وہ بانکپن وہ شوخی طرز بیاں
آگ تھی کافور پیری میں جوانی کی نہاں

تھی زبان داغ پر جو آرزو ہر دل میں ہے
لیلی معنی وہاں بے پردہ یاں محمل میں ہے

اب صبا سے کون پوچھے گا سکوت گل کا راز
کون سمجھے گا چمن میں نالہ بلبل کا راز

تھی حقیقت سے نہ غفلت فکر کی پرواز میں
آنکھ طائر کی نشیمن پر رہی پرواز میں

اور دکھلائیں گے مضمون کی ہمیں باریکیاں
اپنے فکر نکتہ آرا کی فلک پیمائیاں

تلخی دوراں کے نقشے کھینچ کر رلوائیں گے
یا تخیل کی نئی دنیا ہمیں دکھلائیں گے

اس چمن میں ہوں گے پیدا بلبل شیراز بھی
سینکڑوں ساحر بھی ہوں گے صاحب اعجاز بھی

اٹھیں گے آزر ہزاروں شعر کے بت خانے سے
مے پلائیں گے نئے ساقی نئے پیمانے سے

لکھی جائیں گی کتاب دل کی تفسیریں بہت
ہوں گی اے خواب جوانی تیری تعبیریں بہت

ہو بہو کھینچے گا لیکن عشق کی تصویر کون
اٹھ گیا ناوک فگن مارے گا دل پر تیر کون

(شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبال)

داغ

''داغ کی اردو ایسی عمدہ ہے کہ کسی کی کیا ہوگی ذوق نے اردو کو اپنی گود میں پالا تھا داغ اس کو نہ فقط پال رہا ہے بلکہ اس کو تعلیم دے رہا ہے۔''

غالب

''خاص کر داغ نے غزل کی زبان میں نہایت وسعت اور صفائی اور بانکپن پیدا کر دیا ہے۔''

حالی

''کیوں میاں داغ! کیا تمہارے شعر میرے شعر سے اچھے ہوتے ہیں مگر اس کا کیا سبب ہے کہ تمہارے شعر لوگوں کی زبان پر رہ جاتے ہیں اور میرے شعروں پر لوگوں کی خاص توجہ نہ ہوتی ہے نہ کوئی یاد رکھتا ہے''

منیر شکوہ آباد

''میرے سامنے جو داغ کو برا کہتا ہے میرا جی چاہتا ہے کہ میں اس کا منہ نوچ لوں ایسا مطلع کون کہہ سکتا ہے کوئی کہہ کر تو دکھائے''

خار حسرت بیان سے نکلا

دل کا کانٹا زبان سے نکلا

امیر مینائی

''نواب مرزا داغ جیسا برجستہ گو شاعر پیدا ہوا جس کی ذات پر اردو شاعری کے آخری دور میں ولی کو ناز تھا۔''

مولانا عبدالسلام ندوی

''داغ کا کلام مطبوع عام و پسندیدہ انام ہے جس طرح اس سے عالم و فاضل اور شاعر محظوظ ہو سکتے ہیں اسی طرح اس کو پڑھ کر یا دوسرے سے سن کر ایک عامی بھی اس سے لطف اٹھاتا ہے۔''

رام بابو سکسینہ

''جس حد تک زبان کی صفائی و بیان کی سلاست، محاورات کی برجستگی اور بے تکلفانہ اظہار خیال کا تعلق ہے، بہت کم شاعر ایسے ہیں جو داغ کے مقابلے میں پیش کئے جا سکیں اور یہ داغ کا اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ ادب اردو کا کوئی مورخ اس کو نظر انداز کر کے آگے نہیں بڑھ سکتا۔''

نیاز فتح پوری

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کلامِ داغ

غزل اردو شاعری کی جاں ہے اور داغ اردو غزل کی آبرو ہیں ذوق، غالب، مومن، شیفتہ اور ظفر نے اس صنفِ سخن کو جو تاب و توانائی عطا کی تھی اسے برقرار رکھنے میں داغ کی سعی کو خاصا دخل رہا ہے داغ ہی نے اردو زبان کو ایک نیا اسلوب اور غزل کو ایک نیا لہجہ عطا کیا۔

داغ کی شاعری کا سب سے بڑا کمال زبان کی صفائی، محاورے کی برجستگی اور اسلوب کا تیکھا پن ہے ایک معمولی سی بات کو وہ محض اپنے بیان کی شوخی اور لطف ادا سے دل پذیر بنا دیتے تھے۔

داغ کی شاعری صرف اسی توصیف کی حق دار نہیں کہ ان کا کلام ثقیل اور غیر مانوس فارسی اور عربی الفاظ سے پاک ہے۔ پیچیدہ استعارات اور بعید از کار خیالات کا یہاں گزر نہیں اس میں غضب کی سادگی ہے، بلا کی برجستگی ہے انتہا کی روانی ہے، روز مرہ اور محاورات کی چاشنی ہے زبانِ قلعہ معلّٰی کی جلوہ گری ہے۔ فصاحت و بلاغت کی تابنا کی ہے اور اندازِ بیاں کی عمدگی ہے۔

داغ معاملات محبت کو بڑی چابک دستی سے شعر کے قالب میں ڈھالتے تھے اور حق تو یہ ہے کہ ان کے دور میں اس کے بعد بھی اردو کا کوئی شاعر ان کے سے تیور اپنے شعر میں پیدا نہ کر سکا۔

معاملہ بندی اور وقوع گوئی

داغ کی ہزار شیوہ شاعری کی تمام خصوصیات کو سمیٹ کر کوزے میں دریا بند کر دینے کی کوشش کی گئی۔ کہا گیا کہ داغ جرات کی طرح وقوع گوئی اور معاملہ بندی کا ترجمان یا مفسر ہے ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ پروفیسر شبلی نے معاملہ بندی اور وقوع گوئی کی تعریف بھی کر دی جو کچھ شبلی نے لکھا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ معاملات حسن و عشق میں جو واقعات عامتہ الورود پیش آتے ہیں ان کا (شاعرانہ) بیان وقوع گوئی اور

معاملہ بندی ہے۔

نیاز عاشقی داغ کے ہاں بے معنی ہے، اس کے اسلوب معاملہ بندی میں جو تیور اور تیکھا پن ہے وہ اسی رنگ طبیعت کا نتیجہ ہے وہ جب محبوبہ سے بات کرتا ہے تو اس طرح کرتا ہے جیسے چٹکی لے لی ہو جو عورت اس کے اشعار میں ہمیں نظر آئی صرف یہی کہ وہ عفیف نہیں ہے، بلکہ یہ بھی ہے کہ وہ لذات جنسی سے کاملاً آگاہ ہے اس روش کے برخلاف جو شعر داغ نے کہے ہیں وہ بر سبیل تصادف و اتفاق ہیں محبوبہ سے جو معاملات پیش آتے ہیں ان کی بھی صورت یہ ہے کہ عشق کی بجائے جنس کارفرما نظر آتی ہے، ترفع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، پھر یہ کہ داغ کے اسلوب وقوع گوئی میں رقیب ایک سنگین اور تلخ حقیقت ہے، وہ رقیب کا ذکر رسا نہیں کرتا۔ جس عورت سے یا جن عورتوں سے داغ نے خطاب کیا ہے، وہ رقیبوں سے گھری ہوئی ہیں، ان تک رسائی واقعی داغ کے لئے مشکل ہے اس مرحلہ پر داغ کی وقوع گوئی اور معاملہ بندی کی کچھ مثالیں دیکھیں۔

تم کو آشفتہ مزاجوں کی خبر سے کیا کام
تم سنوارا کرو بیٹھے ہوئے گیسو اپنا
لگ گئی چپ تجھے اے داغ حزیں، کیوں ایسی
مجھ کو کچھ حال تو کم بخت بتا تو اپنا

☆☆☆☆☆☆

مرے پاس وفا کی کاش تم مقدار ٹھہرا لو
کہ اتنا مجھ سے ہو سکتا ہے اتنا ہو نہیں سکتا
شکایت دوست کر سکتے ہیں تیری، کر نہیں سکتے
کہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے، ایسا ہو نہیں سکتا

☆☆☆☆

اس نے صبح شب وصال مجھے
جاتے جاتے بھی آ کے دیکھ لیا
ادھر آئینہ ہے ادھر دل ہے
جس کو چاہا اٹھا کے دیکھ لیا

☆☆☆☆☆

کیا رہیں ہم کہ ترا چال چلن
پاس رہ کر نہیں دیکھا جاتا
خط مرا پھینک دیا یہ کہہ کر
"ہم سے دفتر نہیں دیکھا جاتا"

☆☆☆☆☆☆☆

کچھ ہمیں بھی خیال ہو ہی گیا
آخر ان سے ملال ہو ہی گیا
گو کیا خط ذکر دشمن پر
رخ سے ظاہر ملال ہو ہی گیا

☆☆☆☆☆☆

تمہارے خط میں نیا اک سلام کس کا تھا؟
نہ تھا رقیب تو آخر وہ نام کس کا تھا؟
"وفا کریں گے، بناہیں گے، بات مانیں گے"
تمہیں بھی یاد ہے کچھ، یہ کلام کس کا تھا؟

آخری شعر کی تدریج دیدنی ہے! ہر ٹکڑا دوسرے سے گویا بلند تر ہے۔ اصطلاحاً دوسری سرتی پہلی سے چڑھی ہوئی ہے پہلے عہد وفا ہوتا ہے، پھر نباہنے کا مرحلہ آتا ہے اور اس کے بعد ہر بات ماننے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔

داغ کی معاملہ بندی کا ثقافتی رنگ

اگر چہ داغ کے زمانے میں معاشرتی زندگی بالکل کھوکھلی ہو چکی تھی نخل حیات کے ثمر میں رس باقی نہ رہا تھا۔ لیکن نظر بظاہر آداب محفل سے یوں معلوم تھا گویا ابھی تہذیب بے جان نہیں ہوئی یوں کہہ لیجئے کہ طوائفوں کے ہاں زندگی کا ثقافتی رنگ مٹی کے خوشنما رنگ پھلوں کی طرح جاذب نظر تھا۔ ظاہر ہے کہ زوال آمادہ ثقافتی کوائف میں دکھاوا، تصنع اور تکلف بہت ہوتا ہے۔ طوائفوں کے ہاں جن سے داغ کم و بیش ہمیشہ خطاب کرتا تھا، یہ دکھاوا اور تصنع ایسا نکھارا اور اجالا جاتا تھا کہ تکلف پہ بے تکلفی کا گمان ہوتا تھا اس طرح طوائفوں کے ہاں بھی دکھاوے اور تکلف کو ایسا رنگ روپ بخشا گیا تھا کہ ان کی محفلیں اور ان کی تقریبات جیتی جاگتی اور جان دار تہذیب کی ترجمان معلوم ہوتی تھیں۔ یہ حقیقت تلخ ہو یا شیریں، بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ آداب محفل اور متعلقہ کوائف کے سلسلے میں پرانی تہذیبی اقدار کا جو ورثہ ہم تک پہنچا ہے وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ طوائفوں کے ذریعے پہنچا ہے۔

اب اس سلسلے میں کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں:

میں وہ بشر کہ مجھ سے ہر آدمی کو نفرت
تم شمع وہ کہ تم پر پروانے آدمی ہیں
کیا چور ہیں جو ہم کو دربان در پہ روکے
کہہ دو کہ یہ تو جانے پہچانے آدمی ہیں

☆☆☆☆☆☆

سب لوگ، جدھر وہ ہیں، ادھر دیکھ رہے ہیں
ہم دیکھنے والوں کی نظر دیکھ رہے ہیں
خط غیر کا پڑھتے تھے جو ٹوکا تو وہ بولے
اخبار کا پرچہ ہے، خبر دیکھ رہے ہیں

☆☆☆☆☆

جو دیکھتے ہیں دیکھنے والے تیرے انداز
تو نے وہ تماشاہی ہی مری جاں نہیں دیکھا
کیا عیش سے معمور تھی وہ انجمن ناز
ہم نے تو وہاں شمع کو گریاں نہیں دیکھا

☆☆☆☆☆☆☆

شوخی میں تمکنت ہے تو ہے ناز میں نیاز
تعلیم تو نے پائی ہے اچھے ادیب سے
مانند برق، مثل ہوا، صورت نگاہ
اکثر نکل گئے ہیں وہ میرے قریب سے

☆☆☆☆☆

موضوعات کا تنوع

داغ کو محض یہ کہہ کر بھی نہیں ٹالا جا سکتا کہ معاملہ بندی وہ بے نظیر ہیں، محبت کے ترجمان ہیں۔ وارفتگی عشق کے عکاس ہیں، رعنائی حسن کے جلوہ گر ہیں، شباب و سر مستیوں کے مصور ہیں، کیف و نشاط کے پیامبر ہیں اور دل عشاق کے بناض ہیں۔

اشعار داغ کی تعریف میں فقط ان امور پر ہی قناعت تو نہیں کی جا سکتی کہ ان میں تیور کی دلکشی ہے لب و لہجے کا حسن ہے، الفاظ کی نشست ہے، اظہار خیال کی بے تکلفی ہے زاویہ نگاہ کا تنوع ہے، تکلف و تصنع سے گریز ہے۔

اس پر تو اکتفا نہیں کیا جا سکتا کہ شوخی و بانکپن، طنز و تشنیع، غصہ و برہمی، بیزاری و نفرت، ہزلی و استہزا، جھنجھلاہٹ، جلی کٹی، چوما چاٹی اور چھیڑ چھاڑ کلام داغ کے عناصر ترکیبی ہیں۔

اس حقیقت سے تو انکار نہیں کہ درج بالا خصوصیات ہی داغ کی شاعری کا محصور

ہیں اور لکھنے والوں نے اس سلسلے میں بہت کچھ لکھا ہے مگر قطعیت کے ساتھ یہ کہہ دینا سراسر ناانصافی ہے کہ مذکورہ عناصر شاعری کے ماسوا، ان کے یہاں اور کچھ نہیں، نہ بلندی مضمون ہے، نہ ہی قول حکیمانہ!'' نہ ہی اخلاقی پہلو ہے نہ ہی درس زندگی! نہ مشاہدہ حیات ہے نہ مطالعہ کائنات! دیکھنے والوں کو یہ صفات اس لئے نظر نہ آئیں کہ چونکہ داغ کی شخصیت و شاعری پر جو غلاف چڑھا دیا گیا وہ اس قدر بھڑکیلا، رنگین اور شوخ ہے کہ ان کے کلام کے دوسرے پہلو اس کی دبیز تہوں میں ہمیشہ کے لئے چھپ گئے۔''

داغ جہانیاں جہاں گشت تھے۔ گھاٹ گھاٹ کا پانی پئے ہوئے تھے بچپن سے ہی سیر و سفر میں رہے۔ وہ اس سفر و حضر میں مختلف طبع کے سینکڑوں انسان سے ملے تھے۔ قلعہ دہلی کا آخری مشاہدہ کیا تھا۔ دشمنوں کے نرغے میں بھی رہے تھے۔ حاسدوں کے تیر نظر کا شکار بھی ہوئے تھے اس ہمہ گیر مشاہدے اور وسیع تجربے نے انہیں پختہ کار بنا دیا تھا۔ وہ زندگی کو پرکھنے میں مشاق ہو گئے تھے اسی وسعت و جلا نے ان کے کلام میں بھی تنوع پیدا کیا وہ محض زبان و بیان، لب و لہجے، محاورات و معاملہ بندی اور شوخی و طنازی کے شاعر نہیں ہیں بلکہ ان کے کلام کا افق بے کنار ہے۔ اس میں فلسفہ زندگی بھی ہے پند و موعظت کی باتیں بھی ہیں، زندہ دلی کے کرشمے بھی ہیں، اور انسانی نفسیات کے پہلو بھی ہیں، موضوعات کا تنوع اس جہاں دیدہ شخص کے یہاں نہ ملے گا تو اور کہاں ملے گا؟

آدمی ہونا بہت دشوار ہے
پھر فرشتے حرص آدمی کیا کریں
جو ہو سکتا ہے اس سے وہ کسی سے ہو نہیں سکتا
مگر دیکھو تو پھر کچھ آدمی سے ہو نہیں سکتا
سہل ہونا میری مشکل کا بہت مشکل ہے

کام دشوار وہ نکلا جسے آساں سمجھا

یہ خرابہ خراب کرتا ہے

نہ کرے کوئی سیم و ذر کی تلاش

اے داغ جو کیا ہے اسے کر دکھائیں گے

انسان کہا وہ جس کو نہ ہو ہر بات کا خیال

کبھی جینے کی تدبیریں کبھی مرنے کے ساماں ہیں

کبھی اپنا مسیحا ہوں کبھی میں اپنا قاتل ہوں

گر قناعت نہیں انسان کو

کبھی حاصل اسے فراغ نہیں

اپنی نظر میں ہیچ ہے سارے جہاں کی سیر

دل خوش نہ ہو تو کہاں کا تماشا کہاں کی سیر

بے جستجو جو ملے گا نہ اے دل سراغ دوست

تو کچھ تو قصد کر تری ہمت کو کیا ہوا

کس کس کی چاہ کیجئے کس کس کی آرزو

اک دل ہزار غم میں گرفتار ہو گیا

نہ اترائیے دیر لگتی ہے کیا

زمانے کو کروٹ بدلتے ہوئے

اے داغ صدمہ غم ہجراں بجا درست

یہ سب سہی مگر تمہیں جینا ضرور تھا

پورا ہوا نہ ایک بھی دل کا مسودہ

فرسودہ لاکھ بار قلم ہو کے رہ گیا

مبارک خضر کو ہو عمر جاوید

یہ تھوڑی سی گزر جائے تو اچھا

اڑ گئی یوں وفا زمانے سے

کبھی گویا کسی میں تھی ہی نہیں

آدمی کو ہے یہی گوشتہ راحت کافی

گھر کرے دل میں جو انسان تو جنت کیا ہے

کسی شاعر کی بے پناہ مقبولیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے کس قدر اشعار ضرب المثل ہو کر زبان زد خاص و عام ہیں۔ یہ اعزاز صرف داغ کو ہی حاصل ہے کہ ان کے بیسیوں اشعار گزشتہ اسی نوے سال سے قبول عام کا درجہ حاصل کیے ہوئے ہیں ہموقع ومحل کے لحاظ سے درج مصرعے یا اشعار خود بخود زبان پر آ جاتے ہیں۔

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں

صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

رہرو راہ محبت کا خدا حافظ ہے

اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں

نہیں کھیل اے داغ یاروں سے کہہ دو

کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے

راہ پر ان کو لگا لائے تو ہیں باتوں میں

اور کھل جائیں گے دو چار ملاقاتوں میں

ع کس قیامت کے یہ نامے مرے نام آتے ہیں

ع بہت دیر کی مہرباں آتے آتے

ع بڑا مزا اس ملاپ میں ہے جو صلح ہو جائے جنگ ہو کر

ع ہائے کم بخت تو نے پی ہی نہیں

ع خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

ع جہاں بجتے ہیں نقارو ہاں ماتم بھی ہوتے ہیں

ع اللہ کرے حسن رقم اور زیادہ

داغ کا اسلاب ابلاغ و اظہار

داغ کے مطالب و معانی کی بلندی اور پستی سے قطع نظر اس امر پر تمام نقاد متفق ہیں کہ وہ ابلاغ معانی اور اظہار مطالب کا ایک منفرد اسلوب رکھتے ہیں جس کی نظیر موجودہ حالات میں ملنی محال ہے داغ نے ذوق کی شاگردی اختیار کی جو اردو محاورے اور روزمرے کے ماہر خصوصی تصور کیے جاتے تھے۔ خود ذوق شاہ نصیر کے شاگرد تھے جن کی قدرت طبع کا یہ عالم تھا کہ نہایت سنگ لاخ زمینوں میں شعر کہتے تھے اور تصنع کے باوصف اچھے شعر بھی کہہ جاتے تھے۔ ان سنگ لاخ زمینوں سے قع نظر کر لیجئے تو نصیر کے کلام میں وہی رکھ رکھاؤ، اعتدال اور کچھ اپنے آپ کو لئے دیئے رہنے کی روش ملتی ہے جو کلاسیکی غزل گوئی کا خاصہ ہے۔ حسرت موہانی نے شاہ نصیر کے دیوان کا جو انتخاب کیا ہے، اس میں ایک دو غزلہ ہے، بلکہ شاید سہ غزلہ ہے جس کا یہ شعر مجھ نہیں بھولتا:

جوں کاغذ آتش زدہ ہم بہر تماشا

کیا خوب جلے رات جلائے سے کسی کے

نصیر نے ذوق کی شعری تربیت یوں کی کہ فراق کے قول کے مطابق اس کے کلام میں وہ صف خاص پیدا ہو گئی جسے ''اردو پن'' کہتے ہیں اور وہ شعری روایات کا ایسا مصدر و ماخذ بن گیا کہ کسی کیفیت کے معانی اس سے پوشیدہ نہ رہے۔ داغ نے ذوق کے اردو پن ہی کو زیادہ تیکھا اور شوخ کیا ہے۔

داغ کا اردو

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، داغ نے ذوق کے رنگ کو اور تیکھا کر دیا۔ جس

چیز کو فراق ''اردو پن'' کہتے ہیں، داغ اس کا بہترین ترجمان اور شارح ہے۔ ذوق کے ہاں بھی کہیں کہیں فارسی اور عربی الفاظ کی اکھاڑ پچھاڑ نظر آتی ہے۔ داغ کے ہاں اردو محاورے اور روزمرہ کی یہ کیفیت ہے کہ فارسی الفاظ اور تراکیب کے باوصف شعر کا آہنگ خالصتاً اردو رہتا ہے اور یہ رنگ بھی اتنا چوکھا رہتا ہے کہ دوسرے سخن گو اس کا تتبع نہیں کر سکتے۔ داغ کے بعض اشعار تو ایسے ہیں کہ تلمیح کی نوعیت مذہبی ہے جس کا تعلق عربی افکار و تصورات سے ہے لیکن شعر میں وہ تلمیح ترکیب کی صورت میں اس طرح استعمال ہوئی ہے کہ داغ کا اردو پن اور بھی تیکھا اور شوخ ہو گیا ہے۔

داغ کو خود بھی یہ دعویٰ ہے:

کہتے ہیں اسے زبان اردو

جس میں نہ ہو رنگ فارسی کا

واضح رہے کہ داغ نے یہ نہیں کہا کہ فارسی کلمات و الفاظ موجود نہ ہوں، ہاں یہ ضرور کہا ہے کہ فارسی کا رنگ اور آہنگ نہ ہو۔ شعر کی ساخت، اس کی نحوی صورت، روز مرے کے استعمال کی شکل، بول چال کی زبان کی نوعیت ایسی ہو کہ عربی تلمیح اردو ادب کا جزو بن جائے اس سلسلے میں داغ کی یہ غزل بہت معنی خیز ہے۔

ابھی ہماری محبت کسی کو کیا معلوم

کسی کے دل کی حقیقت کسی کو کیا معلوم

یقین تو یہ ہے وہ خط کا جواب لکھیں گے

مگر نوشتہ قسمت کسی کو کیا معلوم

بہ ظاہر ان کو حیا دار لوگ سمجھیں ہیں

حیات میں ہے جو شرارت کسی کو کیا معلوم

دوسرے شعر میں ''نوشتہ قسمت'' خالص مذہبی تلمیح ہے کہ ازل میں جو کچھ لوح پر منقوش ہو گیا، وہ مقدرات امور میں داخل ہو گیا، اس سے مفر ممکن نہیں، لیکن شعر میں

یہ تلمیح اس طرح برتی گئی ہے کہ مذہبی رنگ کچھ پھیکا پڑ گیا ہے اور یہ تصور ابھر آیا ہے کہ ان کی تحریر میں تقدیر ہے اور میں نہیں جانتا وہ میرے خط کا جواب کیا لکھیں گے، یہ جانتا ہوں کہ لکھیں گے ضرور۔

ایک غزل میں داغ لکھتا ہے:

اک خدائی آفتیں دیکھیں
ہائے صدمہ تری جدائی کا
کسی بندے کو درد عشق نہ دے
واسطہ اپنی کبریائی کا
نہ رہا لطف اس زمانے میں
میرزا داغ میرزائی کا

تینوں شعروں میں فارسی کلمات اور الفاظ موجود ہیں لیکن اشعار کی ساخت، ان کی رفتار اور آہنگ کا رنگ ڈھنگ صاف بتاتا ہے کہ یہ اردوئے معلی کا روزمرہ ہے، فارسی زبان سے مستعار کوئی چیز نہیں پھر مزے کی بات یہ ہے کہ ان اشعار میں صنعت گری بھی ایرانی انداز کی نظر آتی ہے، مثلاً دوسرے شعر میں بندے اور کبریائی میں تضاد کس خوبصورتی سے نظر آتا ہے، مقطع میں یہ بات دیدنی ہے کہ داغ نوابوں اور شہزادوں کے قرابت دار ہونے کی وجہ سے داغ میرزا کہلا سکتے ہیں اصول یہ ہے کہ "میرزا" نام سے پہلے تو ذات کی طرف اشارہ کرتا ہے اور نام کے بعد آئے تو شہزادگی کی دلیل قاطع بن کر آتا ہے مقطع میں داغ اپنے آپ کو داغ میرزا نہیں کہتے لیکن یہ کہہ کر کہ "میرزائی کا لطف نہ رہا" یہ واضح کر دیتے ہیں کہ ان میں مقام شہزادگی کا تھا لیکن گردش روزگار نے میرزائی کا لطف کھو دیا، اب شہزادگی میں وہ بات نہ رہی شہزادگان تیموری اپنے نام کے بعد میرزا کا اضافہ کرتے تھے، ماسوائے اس کے کہ کوئی پروانہ کرتا ہو اور سمجھ کر کہ شہزادہ ہے ہی، نام سے پہلے بھی میرزا کا کلمہ برداشت کر لیتا ہو۔

ایک مشہور غزل میں جس کا مطلع ہے:

لذت سیر دگر چشم تمنا لے گی

ایک بار اور بھی دنیا ابھی پلٹا لے گی

داغ نے اردو پن کا بڑا تیکھا انداز قائم رکھا ہے، مثلاً:

نہ کریں میرے لئے حضرت ناصح تکلف

خود طبیعت دل بے تاب کو سمجھا لے گی

ایک مدت سے ہے برباد ہماری مٹی

دیکھئے کب ترے دامن کا سہارا لے گی

آخری شعر میں خاک کی جگہ مٹی کے لفظ نے شعر کے آہنگ میں حیرت انگیز تبدیلی پیدا کر دی ہے۔ مٹی ''برباد ہونا'' محاورہ بھی استعمال کر دیا گیا ہے اور دامن سے اس کا سہارا بھی واضح کر دیا گیا ہے۔ مٹی اور ''باد'' کا تعلق بھی ملحوظ رہے (کہ ''برباد'' کا جزو ہے)

داغ کی شعری تربیت

ہم لوگ تو اب شعری روایت سے، بالخصوص غزل کی روایت سے، اتنے ناواقف ہو گئے ہیں کہ غزل کے مخصوص الفاظ، مترادف الفاظ کے معانی کا اختلاف اور ان کی دلالتوں کی پرچھائیاں ہماری نظروں سے بالکل اوجھل ہو گئی ہیں۔ آج ادا، ناز، انداز، غمزہ، عشوہ، جلوہ کا شمار ایسے الفاظ میں ہوتا ہے جن کے معانی کچھ غیر متعین سے ہو گئے یا بہ امتداد زماں دھندلا گئے ہیں داغ کے ہاں یہ بات نہیں، محبوب کے روپ کی تصویر کشی ہو گی تو انداز اور ادا، غمزہ اور عشوہ کے کلمات بالکل برمحل استعمال ہوں گے۔

اردو کی شعری روایت میں ''دل'' اور ''جی'' کا فرق مسلم چلا آتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا اردو شعرا ''جی'' سے مراد وہ وجدانی مبہم سی کیفیت لیتے ہیں جہاں عقل کی کارفرمائی یا تو نظر ہی نہیں آتی یا بہت کم نظر آتی ہے اس کے قابلے میں ''دل'' کا کلمہ

اگر چہ دماغ کے معانی میں مستعمل نہیں ہوتا لیکن ''جی'' کی نسبت ''دل'' کے اعمال کسی حد تک عقل کے تابع ہوتے ہیں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ شاعر اپنے آپ کو تو صاحب ہوش تصور کرتا ہے لیکن دل کہہ کر اپنی ذات کا وہ حصہ مراد لیتا ہے جسے ہوش مندی سے کوئی علاقہ نہیں بہرحال یہ مسلم ہے کہ اردو کے شاعر اس بات سے آگاہ ہیں کہ فن کار کی شخصیت اکثر و بیش تر دولخت (Split Personality) ہوتی ہے اور اس دوئی کی وجہ سے شاعر اکثر متذبذب، پریشان اور آشفتہ رہتا ہے، ظفر کہتا ہے

تم کو اس بن اگر آرام نہیں، تم جانو
حضرت دل! ہمیں کچھ کام نہیں، تم جانو

مومن کہتا ہے

ٹھان تھی دل میں اب نہ ملیں گے کسی سے ہم
پر کیا کریں کہ ہو گئے ناچار جی سے ہم

داغ نے کلمہ ''جی'' کا مفہوم واضح کرنے کے لئے ایک پوری غزل لکھی ہے، دو شعر سن لیجئے:

لطف وہ عشق میں پائے ہیں کہ جی جانتا ہے
رنج بھی اتنے اٹھائے ہیں کہ جی جانتا ہے
حرم و دیر میں پتھرا گئیں دونوں آنکھیں
اتنے جلوے نظر آئے ہیں کہ جی جانتا ہے

اسی طرح مندرجہ ذیل اشعار میں ''دل'' اور ''جی'' کا استعمال دیکھئے:

کیا سبب شاد ہے بشاش ہے جی آپ ہی آپ
چلی آتی ہے مجھے آج ہنسی آپ ہی آپ
ابھی آئی بھی نہیں کوچہ دل بر سے صبا
کھل گئی آج مری دل کی کلی آپ ہی آپ

انداز کے معانی کے جو سلسلے ہیں وہ ان اشعار میں دیکھئے کس طرح واضح ہوئے ہیں

کیا جان کسی کی ہے نظر بھر کے جو دیکھے
انداز، پھر اس دل پر طنار کا انداز
کیا جھوم کے مستانہ چلا جانب مقتل
دیکھو تو ذرا عاشق جاں باز کا انداز

شعری تربیت کے نتائج صنعت گری

(الف) ڈرامائی اسلوب

داغ کے کلام کا یہ وصف خاص کہ وہ کبھی کبھی یوں بات کرتے ہیں کہ شعر ڈرامے کے کم وبیش سارے عناصر موجود معلوم ہوتے ہیں واقعات کا پھیلاؤ، ان کا چڑھاؤ، کشمکش، نقطہ عروج، مسئلے کا حل، واقعات کا سمٹنا اور انجام، سبھی کچھ داغ کے اشعار میں پایا جاتا ہے یہ شعر تو مشہور ہے:

تم کو ہے وصل غیر سے انکار
اور جو ہم نے آ کے دیکھ لیا؟

لیکن اس کے علاوہ بھی خاصی تعداد میں اشعار موجود ہیں جن کا ڈرامائی لہجہ خاصے کی چیز ہے اور غالباً اردو میں بے نظیر ہے۔

مثلاً

اپنی تصویر پہ نازاں ہو، تمہارا کیا ہے!
آنکھ نرگس کی، دہن غنچے کا، حیرت میری

اسی طرح ان اشعار پہ غور کیجئے

شکل یوسف کی جو تعریف سنی، فرمایا
"منصفی شرط ہے، دیکھو، ادھر، ایسی تو نہ تھی"

☆☆☆☆☆

نگہ نکلی نہ دل کی چور زلف عنبریں نکلی
ادھر لا ہاتھ، مٹھی کھول، یہ چوری یہیں نکلی

بجا اے حضرت واعظ! کہاں دنیا کہاں جنت!
نرالی آن، بانکی وضع جب نکلی یہیں نکلی

☆☆☆☆☆

(ب) مطلع کی یک آہنگی

شعری تربیت کا کمال یہ ہے کہ غزل گو شاعر مطلع کی اہمیت سے آگاہ ہو جائے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اچھے اچھے استادوں کے مطلعے دو لخت ہوتے ہیں ایک مصرع دوسرے میں یوں پیوست نہیں ہوتا جیسے دونوں آپس میں گتھ گئے ہیں، اور اگر ایسا ہو بھی جائے تو ردیف اکثر اوقات ایک مصرع میں فالتو ہو جاتی ہے مطلع یوں کہنا کہ دونوں مصرعوں میں ردیف کے معانی نہ صرف متعین ہوں بلکہ ظاہر ہو کہ ہر مصرع میں ردیف ضروری تھی، بہت مشکل ہے جو مطلع اچھا کہہ لے، میں سمجھتا ہوں اسے غزل گوئی کی معراج حاصل ہو گئی۔ اکثر اچھے شعراء کی غزلیں مطلعوں سے محروم ہوتی ہیں جہاں مطلع میں ردیف نہ ہو، وہاں تو فن کار گزارا کر لیتا ہے لیکن جہاں ردیف موجود ہو لیکن ذرا ٹیڑھی ہو، وہاں مطلع کہنا بہت مشکل ہے۔

مطلع کی خوبی خانوادہ نصیر کے فرزند جلیل استاد ذوق سے مخصوص ہے، ایسا مطلع کہتا ہے کہ بلاغت منہ دیکھتی رہ جاتی ہے، مثلاً

جس جگہ بیٹھے ہیں با دیدہ نم اٹھے ہیں
آج کس شخص کا منہ دیکھ کے ہم اٹھے ہیں

☆☆☆☆☆

مذکورہ تری بزم میں کس کا نہیں آتا

پر ذکر ہمارا نہیں آتا، نہیں آتا

☆☆☆☆☆☆

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

داغ بھی ذوق ہی کی طرح مطلع بہت اچھا کہتے ہیں مضمون دونوں مصرعوں میں اس طرح بٹ جاتا ہے کہ ہر مصرع میں ردیف کا استعمال ضروری ہو جاتا ہے دہلی اور رام پور میں داغ نے جو شعری تربیت حاصل کی ہے، اس کے نتیجے کے طور پر مطلع کا برجستہ، بے ساختہ اور یک آہنگ ہونا ضروریات میں سے تھا، ورنہ رام پور میں جو عالم اور شاعر جمع تھے، وہ داغ کو جینے نہ دیتے آج کل کہ کوئی مطلع کی اس خصوصیت پر کم ہی غور کرتا ہے، داغ کے مطلعوں کا مطالعہ زیادہ اہمیت اختیار کر گیا ہے مندرجہ ذیل مطلعوں میں ردیف کی صورت اور نوعیت پر غور کیجئے:

لذت سیر دگر چشم تقاضا لے گی
ایک بار اور بھی دنیا ابھی پلٹا لے گی

☆☆☆☆☆☆☆

لو محتسب کا مشرب رندانہ کھل گیا
پہلے ہی عید سے درمے خانہ کھل گیا

پہلے شعر کے پہلے مصرع میں ردیف لذت کے ساتھ مربوط ہے، یعنی لذت لے گی۔ دوسرے مصرع میں ایک محاورہ بندھ گیا ہے، یعنی دنیا ابھی پلٹا لے گی، چنانچہ ردیف دونوں مصرعوں میں بہ اختلاف معنی آتی ہے اور ظاہر ہے کہ نہایت برمحل اور ضروری ہے۔ دوسرے مطلع میں بھی کم وبیش اسی قسم کا کھیل کھیلا گیا ہے، پہلے مصرع میں محاورہ بندھا ہے، یعنی کسی کا مشرب کھل جانا، اور دوسرے میں ایک واقعہ بیان ہوا ہے، یعنی درمے خانہ کھل گیا ہے ایک اور مطلع ملاحظہ ہو:

جمع ہیں پاک اک زمانے کے
ہائے جلسے شراب خانے کے!

یہاں دوسرے مصرع میں ردیف ''کے'' کے بعد ''کیا ہوئے'' اور ''یاد آتے ہیں'' وغیرہ کلمات محذوف ہیں۔ انہی کی وجہ سے مطلع دولخت نہیں ہوا، ردیف کا استعمال صحیح اور برمحل رہا، اسی طرح:

تجھے نامہ بر قسم ہے وہیں دن سے رات کرنا
کوئی ایک بات پوچھے تو ہزار بات کرنا

میں بھی مذکورہ بالا قبیل کا کھیل نظر آتا ہے

اب تبصرے کے بغیر بھی دو تین مطلع سن لیجئے

دل کا کانٹا زبان سے نکلا
خار حسرت بیان سے نکلا

خط میں لکھے ہوئے رنجش کے کلام آتے ہیں
بس قیامت کے یہ نامے مرے نام آتے ہیں

دم نہیں، دل نہیں، دماغ نہیں
کوئی پوچھے تو اب وہ داغ نہیں

(ج) مقدرات ومحذوفات

جو لوگ معانی سے ذرا دل بستگی رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اختصار کلام کی جان ہوتا ہے انگریزی میں بھی محاورہ ہے ''اختصار جان بذلہ سنجی ہے'' یوں تو اختصار کئی طرح پیدا ہوتا ہے (اصطلاح میں اسے ایجاز کہتے ہیں) لیکن صنعت گری کے سلسلے میں حصول اختصار کا بہترین طریقہ مقدرات ومحذفات کا استعمال ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ فن کار، یعنی شاعر بات اس طرح کرتا ہے کہ معانی اور مطالب کے کچھ ٹکڑے ہر چند لفظوں کا جامہ نہیں پہنتے لیکن ان کی موجودگی کا شعور ہوتا ہے اور نہ صرف

شعور ہوتا ہے بلکہ دل کو عجب طرح کی فرحت ہوتی ہے اصطلاح میں ایسے محذوف ٹکڑوں کو مقدر کہتے ہیں، غالب کہتا ہے:

وعدہ سیر گلستاں ہے، خوشا طالع شوق

مژدہ قتل مقدر ہے جو مذکور نہیں

داغ کے ہاں حصول اختصار کے لئے کہ جان کلام ہے، اکثر مقدرات و محذوفات کا استعمال نہایت خوبی سے کیا جاتا ہے اس سلسلے میں اس کا ایک مشہور مطلع نقل کیا جاتا ہے:

دلبر سے جدا ہونا یا دل کو جدا کرنا

اس سوچ میں بیٹھا ہوں، آخر مجھے کیا کرنا!

ظاہر ہے کہ اس مطلع میں ''چاہئے'' محذوف ہے لیکن مقدر و محذوف کا مزا تب ہے کہ کئی سطحوں پر معانی کے احتمالات پیدا ہوں اور شعری تجربہ بھرپور معلوم ہو، مثلاً داغ ہی کا یہ شعر ہے:

اٹھنا ہی تیری بزم سے دشوار تھا مجھے

اس پر سنبھالنا دل بے اختیار کا

یعنی یہ اور قیامت ہوگئی جس نے دشواریوں میں اضافہ کر دیا، اٹھنا ناممکن بنا دیا، احتمالات کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور ہر شخص اپنی ذہنی استعداد کے مطابق خلا کو پر کرتا ہے:

گلہ کیسا! کہاں کا رنج!

کس کا جاں بہ لب ہونا!

جب اس نے پیار سے پوچھا

''تمہارا دم نکلتا ہے؟''

یہاں پہلے مصرع میں معانی و مطالب کا ایک سلسلہ محذوف ہے کہ گلہ جاتا رہا،

رنج مٹ گیا، جاں بہ لب تو کیا ہوتے، اچھے بھلے ہو گئے۔

(د) صنائع وبدائع لفظی ومعنوی کا فن کارانہ استعمال

یہ مسلم ہے کہ بیان میں صنعتوں کے استعمال کا مقام یہ ہے کہ شاعر اظہار مطلب میں عجلت سے کام نہ لے جو کچھ کہنا چاہتا ہے اس کے لئے بہترین الفاظ موزوں ترین کلمات اور تشبیہات و استعارات کی جستجو میں نکلے۔ اس طرح نہ صرف شاعر کا ذوق انتخاب الفاظ روشن ہوتا ہے بلکہ بعض صنعتوں کے ذریعے ایسے الفاظ برتے جاتے ہیں جو قانون ائتلاف افکار کے ماتحت خیالات کا ایک سلسلہ پیدا کر دیتے ہیں بعض چیزوں میں گزشتہ مربوط واقعات یاد دلانے کی بڑی قوت مخفی ہوتی ہے، مثلاً رنگ اور خوشبو، یہی وجہ ہے کہ فن کار شاعر نکہت و رنگ سے بہت سلیقے سے کام لیتے ہیں، حسرت کہتے ہیں۔

نکہت گیسوئے یار آنے لگی
آرزو کو بوئے یار آنے لگی

صنعت مراعات النظیر میں یہ خوبی ہے کہ ملتے جلتے لفظوں کا سلسلہ جمع جو ہو جاتا ہے تو کئی باتیں خواہ مخواہ یاد آ جاتی ہیں، اسی طرح اور صنعتوں کا قیاس کر لیجئے تضاد میں بھی یاد دلانے کی قوت مخفی ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ صنعتوں کا استعمال بے تکلف، برجستہ اور بے ساختہ ہونا چاہئے بعض شعرا تو صنعتیں ایسے سلیقے سے برتتے ہیں کہ جب تک خاص طور پر جتایا نہ جائے، معلوم نہیں ہوتا کہ صنعت برتی گئی ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، داغ صنعتوں کو ایضاح مطلب اور جلائے معانی کے لئے استعمال کرتے ہیں صنعتوں کو ملحوظ خاطر رکھنے کے لئے اسے انتخاب الفاظ کے لئے رکنا پڑتا ہے، نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایک تو داغ مطابقت الفاظ و معانی میں ایک مقام بلند حاصل کرتے ہیں، دوسرے صنعتوں کے برمحل اور خوب صورت استعمال سے شعر کی مختلف سطحیں افق ذہن پر ابھرتی ہیں داغ کے ہاں صنعتوں کا

استعمال بہت زیادہ نہیں لیکن جتنا بھی ہے، فن کارانہ ہے۔ ایک صنعت کا ذکر میں خاص طور پر کرنا چاہتا ہوں، اسے اصطلاح میں ''حشو ملیح'' کہتے ہیں اس صنعت کے استعمال میں داغ کو مہارت تامہ حاصل ہے۔ حشو کی تین قسمیں ہیں۔

1 حشو اوسط:

جس میں الفاظ اور معانی مساوی ہوں: فالتو الفاظ استعمال نہ کیے جائیں۔

2 حشو قبیح:

جہاں فالتو الفاظ استعمال کر کے معانی پر ستم ڈھایا جائے فارسی کا مشہور مصرع

ہے:

زیرا کہ رمد چشم و صداع سراع است

ظاہر ہے کہ صداع کے معنی ہی دردِ سر ہیں، تو صداع سر حشو قبیح ہے۔

3 حشو ملیح:

یہاں الفاظ نظر بہ ظاہر کچھ فالتو استعمال کیے جاتے ہیں لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے استعمال سے شعر کہیں کا کہیں جا پہنچا داغ حشو ملیح کے استعمال میں، جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے مہارت تامہ رکھتا ہے، مثلاً

نہیں معلوم اک مدت سے قاصد حال کچھ واں کا

مزاج اچھا تو ہے؟ (یا دش بخیر) اس آفت جاں کا

یہاں الفاظ ''یا دش بخیر'' حشو ملیح ہیں۔ اس غزل کا دوسرا مطلع بھی شنیدنی ہے:

ہوا ہے جب سے شہرہ اس عدوئے دین و ایماں کا

خدا حافظ نہیں ہوتا کسی مرد مسلماں کا

ایک اور شعر ملاحظہ ہو:

ہماری شکل تیرے غم میں پہچانی نہیں جاتی

(بگڑتی جاتی ہے صورت بھی) مصیبت ایسی ہوتی ہے

☆☆☆☆☆

غیر جاتا تھا وہاں میں نے یہ کہہ کر روکا

(مجھ سے کچھ جان نہ پہچان) کہاں جاتا ہے؟

آخر میں صرف یہ کہنا مقصود ہے کہ داغ موسیقی سے کاملاً آگاہ تھے، اس لئے اس کے کلام میں انداز کی صفات جمالی، ترنم اور موسیقی کا استعمال بہت فن کارانہ ملتا ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ مصرعوں کی سج دھج شعوری طور پر ایسی رکھی گئی ہے کہ موسیقی اور ترنم کا رنگ پیدا کرے۔ ظاہر ہے کہ جس نے ساری عمر ایسے ماحول میں گزاری ہو جہاں موسیقی معمولات زندگی میں سے ہے، اس کے کلام میں ترنم اور موسیقی نہ ہو گی تو کس کے کلام میں ہو گی۔

خاتمہ کلام کے طور پر کچھ ایسے اشعار نقل کرتا ہوں جن میں یہ دو صفات پائی جاتی ہیں۔ ترنم تو اصوات یا حروف کی شیرینی اور دل آویز تکرار کا نام ہے کہ انگریزی میں اسے میلوڈی کہتے ہیں۔ نغمہ یا موسیقی زیادہ پیچ دار اور پر اسرار صفت ہے کہ مختلف حروف کے اتار چڑھاؤں اور ان کی مناسب نشست کے ساتھ حروف علت کے جھلانے سے پیدا ہوتی ہے جہاں ایک ہی حروف کی تکرار ہوتی ہے وہاں ترنم کا رنگ نکھرتا ہے۔ جہاں حروف علت اور حروف صحیح کے تال میل سے آہنگ اور ایک خاص لے پیدا کی جاتی ہے، اسے نغمہ یا موسیقی کہتے ہیں مثالیں ملاحظہ ہوں:

اجل روز جدائی کیوں نہ آئی

کسی کی مجھ کو آئی کیوں نہ آئی

شکایت دوست کر سکتے ہیں تیری؟ کر نہیں سکتے

کہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے؟ ایسا ہو نہیں سکتا

☆☆☆☆☆☆
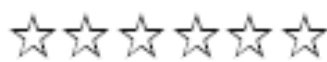
یہ حسیں، یہ مہ جبیں، یہ شہر، ایسی لہر بھر

داغ کلکتے سے لاکھوں داغ دل پر لے چلا

☆☆☆☆☆

نہ دلاسا، نہ تسلی، نہ تشفی، نہ وفا

دوستی اس بت بد خو سے نبھائیں کیوں کر

جب وہ آنکھوں میں سمائے مرے دل میں آئے

بند ہوں ناصح نا فہم یہ راہیں کیوں کر

☆☆☆☆☆☆☆

دیکھے جو تیرے قد کو قیامت تو یہ کہے

سج دھج ہی اور ہے، یہ سراپا ہی اور ہے

کیسا نیاز، کس کی وفا، کس کی عاشقی؟

تم جانتے نہیں، مجھے دعویٰ ہی اور ہے

☆☆☆☆☆☆

تلامذہ داغ

تلامذہ داغ کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے مشہور و معروف نام درج ذیل ہیں۔

1 شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبال

2 مولانا محمد علی جوہر

3 جگر مراد آبادی

4 جوش ملسیانی

5 میر محبوب علی خاں آصف نظام دکن

6 جالب دہلوی

7 آغا شاعر دہلوی

8 سیماب اکبر آبادی

9 سائل دہلوی

10 بیخود دہلوی

11 نسیم بھرت پوری

12 نوح ناروی

13 احسن مارہروی

14 حسن رضا خاں حسن بریلوی

15 ناطق گلاؤٹھوی

16 وجاہت جھنجھانوی

17 محمود رام پوری

18 متین مچھلی شہری

19 بیباک شاہ جہاں پوری

20 مہر گوالیاری

21 بیخود بدایوانی

☆☆☆☆☆☆
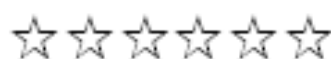
گلزار داغ

ردیف الف

1

عدوے سامری فن دیکھے اعجاز رقم میرا
عصائے موسوی ہے حمد خالق میں قلم میرا
تک بوئے گل ہے ہر نفس یاد الٰہی میں
قیامت تک بھرے گی دم نسیم صبح دم میرا
سلامت منزل مقصود تک اللہ پہنچا دے
مجھے آنکھیں دکھاتا ہے ہر اک نقش قدم میرا
یہ دود شمع دل راتوں کو لیتا ہے تجلی کی
خجل کرتا ہے زلف حور کو بھی پیچ و خم میرا
کہیں دودائیاں عشق کی تفریح ہوتی ہے
بہت چھانا ہوا ہے باغ فردوس و ارم میرا
الٰہی کعبہ تسلیم میں یوں باریابی ہو
بڑھے لبیک کہہ کر پیشتر سب سے قدم میرا
مجھے آباد کرتا ہے مجھے برباد کرتا ہے
خدایا دین و دنیا میں کرم تیرا ستم میرا
تری بندہ نوازی ہفت کشور بخش دیتی ہے
جو تو میرا جہاں میرا عرب میرا عجم میرا
فنا فی اللہ ہو کر پاؤں عمر جاوداں ایسی

مسیح و خضر کی ہستی سے بڑھ کر ہو عدم میرا

سنا جب سے یہ دولت آدمی کو تو نے بخشی ہے

نہیں پھولا سماتا خاطر غمگین میں غم میرا

الٰہی نقش ہو کلمہ رسول اللہ کا دل پر

چلے کونین میں نام محمدؐ سے درم میرا

جلوں گا حشر تک اے داغ میں سوز محبت سے

نہ دے گی ساتھ تا روز جزا شمع حرم میرا

☆☆☆☆☆☆☆

2

یہاں بھی تو وہاں بھی تو زمیں تیری فلک تیرا

کہیں ہم نے پتا پایا نہ ہر گز آج تک تیرا

صفات و ذات میں یکتا ہے تو اے واحد مطلق

نہ کوئی تیرا ثانی ہے نہ کوئی مشترک تیرا

جمال احمدؐ و یوسف کو رونق تو نے بخشی ہے

ملاحت تجھ سے شیریں حسن شیریں میں نمک تیرا

ترے فیض کرم سے نار و نور آپس میں یک دل ہیں

ثنا گر یک زباں ہر ایک ہے جن و ملک تیرا

کسی کو کیا خبر کیوں خیر و شر پیدا کیے تو نے

کہ جو کچھ ہے خدائی میں وہ ہے بے ریب و شک تیرا

نہ جلتا طور کیونکر کس طرح موسی نہ غش کھاتے

کہاں یہ تاب و طاقت جلوہ دیکھے مردمک تیرا

دعا یہ ہے کہ وقت مرگ اس کی مشکل آسان ہو

زبان پر داغ کے نام آئے یا رب یک بیک تیرا

☆☆☆☆☆

3

اللہ شوق دے مجھے نعت شریف کا

شہرہ ہو خوب میرے کلام لطیف کا

سر سبز کشت دل ہے محمدؐ کے عشق میں

کیا اس زمیں میں کام ربیع و خریف کا

اللہ رے اس کے علم لدنی کا معجزہ

امی سبق پڑھائے کتاب شریف کا

حسرت جس آبرو کی سلیمان کو رہی

یثرت میں ہے وہ مرتبہ مور ضعیف کا

شیطان بھاگتا ہے محمدؐ کے نام سے

کیا خوف اس پلید و خبیث و کثیف کا

مداح مصطفیٰؐ سے کرے کوئی بحث کیا

سبحان ہے خوشہ چیں مری طبع ظریف کا

ادنیٰ شجاعت احمد مرسل کی دیکھنا

کیا حال جنگ بدر میں تھا ہر حریف کا

ہے ناتواں عشق محمدؐ میں پہلوان

رستم سے ہو مقابلہ کب اس نحیف کا

صبر جمیل تھا کہ ستم پر ستم سہا

بوجہل و بو لہب سے ذلیل و خفیف کا

اے داغ شعر ڈھل گئے لغت شریف میں

ہے فکر قافیہ نہ تردد ردیف کا

☆☆☆☆☆

4

صبر لے زاہد نا فہم نہ میخواروں کا

بخشنے والا بھی دیکھا ہے گنہگاروں کا

سر شوریدہ کو تسکین وہیں ہوتی ہے

مجھ پہ احسان ہے اس کوچے کی دیواروں کا

ڈر گئی نام شفا سن کے زہے خواہش مرگ

منہ ذرا سا نکل آیا تیرے بیماروں کا

دوش پر اپنی جو صیاد نے زلفیں چھوڑیں

اور جی چھوٹ گیا آج گرفتاروں کا

لائے گا کعبے سے تو مفت ثواب اے زاہد

حصہ پہلے سے ٹھہر جائے یہیں یاروں کا

اشک خوں آنکھ سے جلتے ہوئی اتنی ٹپکے

کہ جہاں ہوں میں وہاں فرش ہے انگاروں کا

زندہ درگور زمانے میں نہ ہوں گے ایسے

مرثیہ کہتے ہیں شاعر ترے بیماروں کا

اہل الفت کے لئے چاہئے شہرت اے دل

نام بکتا ہے محبت کے خریداروں کا

خیر گذاری کہ رہا تا بہ مژہ سیل سرشک

رہے گا پردہ ترے کوچے کی دیواروں کا

چوس لیتے ہیں مرے زخم زباں پیکان

چھوڑ دیتے ہیں یہ منہ چوم کے سوفاروں کا

صبر ایوب کی اے داغ نہ کرنا خواہش

کہ محبت میں تو یہ کام ہے بیکاروں کا

☆☆☆☆

5

گر میرے بت ہوش ربا کو نہیں دیکھا

اس دیکھنے والے نے خدا کو نہیں دیکھا

رہبر سے غرض کیا ہے جو منزل نظر آئے

کعبے سے کہے قبلہ نما کو نہیں دیکھا

سمجھا ہے شب ہجر عدو کو وہ قیامت

ظالم نے ابھی روز جزا کو نہیں دیکھا

جنت ہے مگر خانہ دشمن بھی الٰہی

آتے ہوئے اس گھر میں قضا کو نہیں دیکھا

جس شکل سے ہنستے ہیں مرے حال پہ احباب

روتے ہوئے یوں اہل عزا کو نہیں دیکھا

اتنا تو بتا دے مجھے اے ناصح مشفق

دیکھا ہے کہ اس ماہ لقا کو نہیں دیکھا

ایسی نظر شوخ میں تمکین نہیں دیکھی

اس طرح تغافل میں حیا کو نہیں دیکھا

اغیار کے نالے تو بہت تم نے سنے ہیں

مظلوم کی تاثیر دعا کو نہیں دیکھا

یہ اس کو رہی خاک نشینوں سے کدورت

اپنی بھی تو نقش کف پا کو نہیں دیکھا

افسوس کہ فرصت میں کبھی غور سے تم نے

افسانہ ارباب وفا کو نہیں دیکھا

جب داغ کو ڈھونڈھا کسی بت خانے میں پایا

گھر میں کبھی اس مرد خدا کو نہیں دیکھا

☆☆☆☆☆☆☆

6

ہو گئے پر خون دل عشاق آ کر زیر پا

کیا لگا رکھا ہے ظالم تو نے خنجر زیر پا

مانع رفتار ہو کیا اس کو پتھر زیر پا

جس نے لاکھوں روند ڈالے کاسہ سر زیر پا

دامن دل کیا بچے اس کی خرام ناز سے

چاک ہو آ جائے اگر دامان محشر زیر پا

تیرے ہاتھوں سے ہوا ہے اک زمانہ پائمال

پیس ڈالوں تجھ کو اے چرخ ستمگر زیر پا

آرزو کمبخت نے کی تھی خرام ناز کی

دے دیا اس نے مجھے دل کو مسل کر زیر پا

مثل ماہی تیرتا جاتا ہوں راہ شوق میں

چشم گریاں کی بدولت ہے سمندر زیر پا

پائمالی سے نشان قبر کی آیا نہ چین

رکھ لیا ظالم نے میرا نام لکھ کر زیر پا

بزم دشمن میں لگی ایسے میرے تلووں سے آگ

فرش گل کو میں نے سمجھا اخگر زیر پا

میں وہ ہوں آتش قدم جس سے پگھلتے ہیں پہاڑ

موم ہو جاتا ہے جو آتا ہے پتھر زیر پا

عاشقوں سے ہوتے ہیں معشوق سرکش پائمال

رکھتی ہے قمری سر سرو و صنوبر زیر پا

قوت رفتار جب اس فتنہ گر کو مل گئی

آ گیا روز ازل میرا مقدر زیر پا

توڑ کر اے محتسب میخانے سے باہر نہ پھینک

آ نہ جائیں ریزہ مینا و ساغر زیر پا

کیا تماشا ہے جب آیا ہے اسے نرگس سے رشک

اس نے مل ڈالی ہیں میری دیدہ تر زیر پا

دونوں دشمن ہیں بشر کے آسماں ہو یا زمین

فتنہ گر بالائے سر ہے تو ستمگر زیر پا

خوف ہے اس کو نہ دامنگر ہو یہ وقت ذبح

ہاتھ بسمل کا دبا لیتا ہے اکثر زیر پا

وہ صراط عشق پر اے داغ ہو ثابت قدم

مشق کی ہو جس نے رکھ کر تیغ و خنجر زیر پا

☆☆☆☆☆

7

آج راہی جہاں سے داغ ہوا

خانہ عشق بے چراغ ہوا

کیا نشان وفا بھی اے ظالم

دل گم گشتہ کا سراغ ہوا

ایسی کیا بو سما گئی تم کو
ہم سے جو اس قدر دماغ ہوا

نہ مٹا نقش غیر جی سے ترے
یہ بھی میرے ہی دل کا داغ ہوا

دل پر خون مگر ہے جام طلسم
کبھی خالی نہ یہ ایاغ ہوا

کیا اثر ہے کہ غنچہ تصویر
اس کے ہنسنے سے باغ باغ ہوا

صبح وہ داغ دے گئے مجھ کو
دن کو روشن مرا چراغ ہوا

عمر جاوید تو خضر کو ملے
عیش جاوید سے فراغ ہوا

ہرزہ گردی میں ٹھوکروں سے مرے
چاک داماں کوہ و داغ ہوا

آسمان گر گیا نظر سے مری
عرش پر جب ترا دماغ ہوا

حال فردوس سن لیا واعظ
وہ بھی کیا بے نظیر باغ ہوا

بعد استاد ذوق کے کیا کیا
شہرت افزا کلام داغ ہوا

☆☆☆☆☆☆☆

ثبات بحر جہاں میں اپنا فقط مثال حباب دیکھا
نہ جوش دیکھا نہ شور دیکھا نہ موج دیکھی نہ آب دیکھا

ہماری آنکھوں نے بھی تماشا عجب عجب انتخاب دیکھا
برائی دیکھی بھلائی دیکھی عذاب دیکھا ثواب دیکھا

نہ دل ہی ٹھہرا نہ آنکھ جھپکی نہ چین پایا نہ خواب آیا
خدا دکھائے نہ دشمنوں کو جو دوستی میں عذاب دیکھا

سرور میں جس سے جاں محزون اسی کو گردش وہی ہے پر خون
کہ چرخ زن مثل دور گردون بد ام جام شراب دیکھا

پڑے ہوئے تھے ہزار پردے کلیم دیکھو تو جب بھی غش تھے
ہم اس کی آنکھوں کے صدقے جس نے وہ جلوہ یوں بے حجاب دیکھا

جو راہ میں تیرے آ کے بیٹھے وہ فکر دیر و حرم سے چھوٹے
کہ تیرے کوچے کے ساکنوں نے بہشت میں بھی عذاب دیکھا

یہ دل تو اے عشق گھر ہے تیرا کہ جس کو تو نے بگاڑ ڈالا
مکاں سے تاالا مکاں جو دیکھا تجھی کو خانہ خراب دیکھا

سرور عیش و نشاط کیسی بدل گئی رنگ ہی جہاں کے
سنا نہ کانوں سے تھا جو ہم نے وہ آنکھ سے انقلاب دیکھا

جو تجھ کو پایا تو کچھ نہ پایا یہ خاکداں ہم نے خاک پایا
جو تجھ کو دیکھا تو کچھ نہ دیکھا تمام عالم خراب دیکھا

شراب غفلت سے داغ غش تھے دکھائے غفلت نے کیا تماشے
کہ سوتے سوتے جو چونک اٹھے مگر کوئی تم نے خواب دیکھا

☆☆☆☆☆☆

آخر کو عشق کفر سے ایمان ہو گیا

میں بت پرستیوں سے مسلماں ہو گیا

کیوں صرفہ نگاہ مری جان ہو گیا

اک تیر اور میں ترے قربان ہو گیا

کیا جانے چپ ہے کیوں تری صورتوں کو دیکھ کر

آئینہ میں نہیں ہوں کہ حیران ہو گیا

قاتل نہ روک ہاتھ کہ رکتی ہے میری جان

خنجر تو اور دم کا نگہبان ہو گیا

مے تو حلال ہے جو پڑے ڈھب سے بادہ نوش

میں توبہ کر کے اور پشیمان ہو گیا

رندان بے ریا کی ہے صحبت کسے نصیب

زاہد بھی ہم میں بیٹھ کے انسان ہو گیا

اس غنچے میں سمائی ہے وہ وحشت برنگ بو

دل کتنی تنگیوں پہ بیاباں ہو گیا

گر دل پھٹا ہے مجھ سے ترا سہل ہے علاج

یا یہ بھی چاک جیب مری جان ہو گیا

حسرت کسی طرف ہے تمنا کسی طرف

مجموعہ اپنے دل کا پریشان ہو گیا

حاصل ہوئے مزے تری خنجر کے غیر کو

سر پر ہماری مفت کا احسان ہو گیا

کیا حال دل کہیں کہ دم عرض مدعا

تیرا عتاب حلق کا دربان ہو گیا

امید ہے کہ بہر عیادت وہ آئیں گے

آزار میری جان کو ارمان ہو گیا

لو اے بتو سنو کہ وہ داغ صنم پرست

مسجد میں جا کے آج مسلمان ہو گیا

☆☆☆☆☆☆

10

اس بزم میں شریک تو جایا نہ جائے گا

میں جاؤں گا اگر مرا سایا نہ جائے گا

دل لے کے اس کی بزم میں جایا نہ جائے گا

یہ مدعی بغل میں چھپایا نہ جائے گا

اے حشر امتیاز کہ ہم ہیں شہید ناز

مردوں کی طرح ہم کو اٹھایا نہ جائے گا

دل کیا ملاؤ گے کہ ہمیں ہو گیا یقین

تم سے تو خاک میں بھی ملایا نہ جائے گا

جو دل دکھا رہا ہے مزہ ہر گھڑی مجھے

آنکھوں سے سو برس بھی دکھایا نہ جائے گا

دشمن کے آگے سر نہ جھکے گا کسی طرح

یہ آسمان زمین سے ملایا نہ جائے گا

فتنہ نہیں ہوں جس کو اٹھایا کرے **فلک**

مجھ سے گرے ہوئے کو اٹھایا نہ جائے گا

زلفیں نہیں کہ شانے سے آراستہ کیا

بگڑا ہوا مزاج بنایا نہ جائے گا

اے داغ تجھ کو رزق کی خواہش ہے چرخ سے

اتنا یہ غم کھلائے گا کھایا نہ جائے گا

☆☆☆☆☆☆☆☆

11

یوں وہ پیغام سے تو آئے گا

غیر کے نام سے تو آئے گا

شب ہجراں سے موت بہتر ہے

خوب آرام سے تو آئے گا

یوں نہ آئے گا ہاتھ گر وہ صنم

ترک اسلام سے تو آئے گا

لے ہی تو آئیں گے اسے ہمدم

میرے ہی نام سے تو آئے گا

مرغ دل سے امید ہے یہ اسیر

چھٹ گیا دام سے تو آئے گا

ساقیا مجھ سے بادہ کش کو سرور

ایک ہی جام سے تو آئے گا

چپ رہیں گے حیا سے وہ کب تک

غصہ الزام سے تو آئے گا

دل کا آنا ہے کام سے جانا

جائے گا کام سے تو آئے گا

کبھی اپنا بھی روز خوش اے داغ

دور ایام سے تو آئے گا

☆☆☆☆☆

12

کرے انصاف دنیا میں اگر آفت کے ماروں کا

بنے خود آسماں پھاہا تمہارے دل فگاروں کا

ستم وہ چشم کافر سے ترے چلنا اشاروں کا

غضب وہ دل پکڑ کر بیٹھ جانا بیقراروں کا

خدا جانے ہوئی ہیں دفن کیا کیا حسرتیں دل میں

پھپولوں سے مرے سینے پہ عالم ہے مزاروں کا

تمہیں چاہا اگر چاہا خطا الفت پرستوں کی

تمہیں دیکھا اگر دیکھا گنہ امیدواروں کا

بتوں سے عفو جرم عشق بھی چاہیں تو کہتے ہیں

خدا تو ہم نہیں بخشیں گنہ تقصیر واروں کا

دکھاتا ہے فلک یہ خندہ دندان نما اپنا

وگرنہ اس شب فرقت میں یہ جلوہ ستاروں کا

نگہ چٹکے ہی دیتی ہے تو دل چھینکے ہی دیتا ہے

تمہارے گھر ٹھکانا کونسا ہم بے سہاروں کا

بڑے اہل یقیں ہم سے جفا کو جو وفا سمجھیں

بھلے ہیں بد گماں ہی دل ہے اور بے اعتباروں کا

ترا اک وعدہ دیدار اور وہ بھی قیامت پر

پھر اس پر صبر اتنا ہائے دل امیدواروں کا

قسم ہے تجھ کو زاہد کیا کرے اگر آنکھ سے دیکھے

چھلکنا ساغر مے کا چکھنا بادہ خواروں کا

سنو افسانہ فرہاد دیکھو قصہ مجنوں

غرض کیا تم کو پوچھو حال ہم حسرت کے ماروں کا

کبھی بیٹھے کبھی اٹھے کبھی لوٹے کبھی تڑپے

تماشا دید کے قابل ہے تیرے بیقراروں کا

نہ فرصت ہے نہ راحت ہے غزل اے داغ کیونکر ہو

مگر کیا کیجئے مجبور جو ارشاد یاروں کا

☆☆☆☆☆

13

ہائے مہماں کہاں یہ غم جاناں ہو گا

خانہ دل تو کوئی روز میں ویراں ہو گا

ہو کے ظاہر تو کیا عشق نے اک حشر بپا

حسرت اس دل پہ کہ جس دل میں یہ پنہاں ہو گا

منحصر دل ہی پہ رکھتا نہ محبت تیری

میں نہ سمجھا تھا یہ کمبخت پشیمان ہو گا

کوستا ہوں جو نصیبوں کو تو کہتا ہے وہ شوخ

پھر محبت نہ کرے گا اگر انساں ہو گا

جس قدر آج ستانا ہے ستا لے ہم کو

روز محشر بھی تو کل اے شب ہجراں ہو گا

دم مری آنکھوں میں اٹکا ہے کہ دیکھوں تو سہی

کیا مسیحا سے مرے درد کا درماں ہو گا

زندگی عشق میں مشکل ہے تو مر جائیں گے

اب سے وہ کام کریں گے جو آساں ہو گا

اب کہاں لخت جگر سینے میں اے دیدہ تر

اور ہو گا تو سر گوشہ داماں ہو گا

آپ کے سر کی قسم داغ کو پروا ہی نہیں

آپ کے ملنے کا ہو گا جسے ارماں ہو گا

☆☆☆☆☆☆☆

14

کیا لہو اس سخت جاں کا عشق میں سم ہو گیا

چاٹتی ہے خنجر خونخوار بیدم ہو گیا

روتے روتے چشم تر کو دل کا ماتم ہو گیا

روز کا مہمان اپنے گھر کا محرم ہو گیا

دیکھ تو کیا تشنگی سے میرا عالم ہو گیا

قطرہ مے ساقیا کیا جان آدم ہو گیا

جان کے جاتی ہے اچھی ہو گئی سب داغ و زخم

شعلہ پنبہ ہو گیا ناسور مرہم ہو گیا

حسن میں انداز کے آتے ہی نخوت آ گئی

زلف میں پڑتے ہی بل ابرو بھی پر خم ہو گیا

ہے نسیم صبح کیا کیا مشک افشاں عطر بیز

رات کس کا طرہ طرار برہم ہو گیا

بن گئی فرقت میں جو کچھ اپنے جی پر بن گئی

ہو گیا جو کچھ ہمارے دل کا عالم ہو گیا

عشق کیا شے ہے وہ یہ شے ہے کہ دل میں شوق وصل

خون ہو کر آ گیا غم بن گیا سم ہو گیا

بجھ گیا گلرو کے آگے شمع و گل کا جب چراغ

بلبلوں میں شور پروانوں میں ماتم ہو گیا

کیوں تغافل ہم سے ہے چشم عداوت ہی سہی

کیا نگاہ ناز میں اب قہر بھی کم ہو گیا

رات بھر کہتے رہے تم داغ ان سے دل کا حال

ایک شب میں اس قدر اخلاص باہم ہو گیا

☆☆☆☆☆☆

15

کی ترک مے تو مائل پندار ہو گیا

میں توبہ کر کے اور گنہگار ہو گیا

اس کی طرف سے دل نہ پھرے گا کہ ناصحو

اب ہو گیا یہ جس کا طرفدار ہو گیا

کس کس کی چاہ کیجئے کس کس کی آرزو

اک دل ہزار غم میں گرفتار ہو گیا

محشر میں کون ہو گا کرم کا ترے گواہ

گر غیر بھی ہمارا طرفدار ہو گیا

وہ فتنہ جس کا حشر پر اٹھنا ہے منحصر

ہر بار تیری چال سے بیدار ہو گیا

اک حرف آرزو پہ وہ مجھ سے خفا ہوئے

اتنی سی بات کہہ کے گنہگار ہو گیا

اے دل مرے خیال میں تیرا ہے مدعا

تو اے رقیب کب سے مرا یار ہو گیا
جس کی بغل میں شب کو وہ ہوا اس کو دیکھیے
جس وقت آنکھ کھل گئی دیدار ہو گیا
اے داغ کیا بتائیں محبت میں کیا ہوا
بیٹھے بٹھائے جان کو آزار ہو گیا

☆☆☆☆☆☆

16

نالا ہر اک بشر کے جگر سے نکل گیا
جی ہی نکل گیا وہ جدھر سے نکل گیا
عالم میں ایک تو نظر آیا نظر فریب
عالم تمام اپنی نظر سے نکل گیا
اللہ رے اس کا حسن ترقی بلا کی ہے
ہر موئے زلف موئے کمر سے نکل گیا
تاثیر سر زمین سے بنا فتنہ وہ غبار
جو مل کے تیری راہ گذر سے نکل گیا
کچھ ہو گا مجھ کو نالہ شب گیر سے حصول
کچھ مدعا دعائے سحر سے نکل گیا
کاہیدگی نے پھینک دیا دور اس قدر
کوسوں میں آپ اپنی نظر سے نکل گیا
نکلا جدھر وہ شوخ ہوا شور دیکھنا
دل کو جھپٹ کے کوئی ادھر سے نکل گیا
بل بے گداز عشق کہ پیکان دلنشین

اک اشک بن کے دیدہ تر سے نکل گیا

جس دل پہ وہ نگاہ پڑی دل کے پار تھی
یہ نیمچہ ہزار سپر سے نکل گیا

اللہ رے جوش گریہ کہ اس جذب و ضبط پر
دریا ہمارے دیدہ تر سے نکل گیا

وہ داغ بیوفا تو نہ ہو آج دھوم سے
کوئی غلام آپ کے گھر سے نکل گیا

☆☆☆☆☆

17

سو حسرتیں تو آئیں گیا ایک دل گیا
مانا تھا جو مجھے مری قسمت کا مل تھا

میں مر گیا جو وہ لب جاں بخش مل گیا
یا رب قم مسیح میں کیا زہر مل گیا

اس نے لیا جو آئینے میں بوسہ اپنا آپ
اللہ رے ناز کی لب گلفام چھل گیا

جنت اسی کا نام اگر ہے تو بس سلام
محفل میں تیری جو کوئی آیا نجل گیا

ہوتے ہی صبح کاش نہ مرتا شب وصال
افسوس ہے کہ یار بہت منفعل گیا

میں تفتہ جاں ہوں آگ تو سیماب ہے وہ شوخ
اے دل بڑا غضب ہے جو تو متصل گیا

میں نے تو اپنے واسطے کی تھی دعائے وصل

الٹا اثر ہوا وہ رقیبوں سے مل گیا

ہستی میں ہیں عدم کے مزے عاشقوں کو داغ

قالب میں جان آتے ہی پہلو سے دل گیا

☆☆☆☆☆☆

18

جو سر میں زلف کا سودا تھا سب نکال دیا

بلا ہوں میں یہی کہ آئی بلا کو ٹال دیا

یقیں ہے ٹھوکریں کھا کھا کر کچھ سنبھل جائے

کہ اس کی راہ میں ہم نے بھی دل کو ڈال دیا

جہاں میں آئے تھے کیا رنج ہے اٹھانے کو

الٰہی تو نے ہمیں کس بلا میں ڈال دیا

خدا کریم ہے یوں تو مگر ہے اتنا رشک

کہ میرے عشق سے پہلے تجھے جمال دیا

تمہیں کہو کہ کہاں تھی یہ وضع یہ ترکیب

ہمارے عشق نے سانچے میں تم کو ڈھال دیا

بتوں کے دین میں ہے لوٹنا ثواب ایسا

کہ جیسے راہ خدا مفلسوں کو مال دیا

پیام وصل ہی کیوں اب رقیب کے ہاتھوں

نکالنا تھا مجھے آپ نے نکال دیا

بتائیں لفظ تمنا کے تم کو معنی کیا

تمہارے کان میں اک حرف ہم نے ڈال دیا

سر عدالت محشر جواب کیا دو گے

جو داد خواہوں نے تم پر کوئی سوال دیا
نہیں عدو تو خیال عدو ہی خلوت میں
کسی بہانے سے اس کو نہ تم نے ٹال دیا
ہمیں خدا نے بہت رنج و غم دیا اے داغ
بتوں کی دل میں نہ تھوڑا سا رحم ڈال دیا

☆☆☆☆☆☆☆☆

19

ستم ہی کہ جفا ہی کرنا نگاہ الفت کبھی نہ کرنا
تمہیں قسم ہے ہمارے سر کی ہمارے حق میں کمی نہ کرنا
ہماری میت پہ تم جو آنا تو چار آنسو بہا کے جانا
ذرا رہے پاس آبرو بھی کہیں ہماری ہنسی نہ کرنا
کہاں کا آنا کہاں کا جانا وہ جانتے ہی نہیں یہ رسمیں
وہاں ہے وعدے کی بھی یہ صورت کبھی تو کرنا کبھی نہ کرنا
لئے تو چلتے ہیں حضرت دل تمہیں بھی اس انجمن میں لیکن
ہمارے پہلو میں بیٹھ کر تم ہمیں سے پہلو تہی نہ کرنا
نہیں ہے کچھ قتل ان کا آساں یہ سخت جاں ہیں برے بلا کے
قضا کو پہلے شریک کرنا یہ کام اپنے خوشی نہ کرنا
ہلاک انداز وصل کرنا کہ پردہ رہ جائے کچھ ہمارا
غم جدائی میں خاک کر کے کہیں عدو کی خوشی نہ کرنا
مری تو ہے بات زہر ان کو وہ ان کے مطلب ہی کی نہ کیوں ہو
کہ ان سے جو التجا سے کہنا غضب ہے ان کو وہی نہ کرنا
ہوا اگر شوق آئینے سے تو رخ رہے راستی کی جانب

مثال عارض صفائی رکھنا برنگ کا کل کجی نہ کرنا

وہ ہی ہمارا طریق الفت کہ دشمنوں سے بھی مل کے چلنا

یہ ایک شیوہ ترا ستمگر کہ دوست سے دوستی نہ کرنا

ہم ایک رستہ گلی کا اس کی دکھا کے دل کو ہوئے پشیمان

یہ حضرت خضر کو جتا دو کسی کی تم رہبری نہ کرنا

بیان درد فراق کیسا کہ ہے وہاں اپنی یہ حقیقت

جو بات کرنی تو نالہ کرنا نہیں تو وہ بھی کبھی نہ کرنا

مدار ہے ناصحو تمہیں پر تمام اب اس کی منصفی کا

ذرا تو کہنا خدا لگی بھی فقط سخن پروری نہ کرنا

بری ہے اے داغ راہ الفت خدا نہ لے جائے ایسے رستے

جو اپنی تم خیر چاہتے ہو تو بھول کر دل لگی نہ کرنا

☆☆☆☆☆☆☆☆

20

نہ جانا جان کا ایسا کسی نے جلد کھو جانا

تمہارا دو قدم چلنا یہاں پامال ہو جانا

کریں کیا بات تجھ سے فتنہ گر اک کھیل ہے تجھ کو

الجھ پڑنا بگڑنا رنج کرنا غصہ ہو جانا

ہمیں آگاہ تھے اس آپ کے دل کی کدورت سے

بظاہر صاف باطن آپ کو عالم نے گو جانا

بلا سے جانتا یہ رحم دل وہ خوش تو ہو جاتے

برا ہو دل کا کیا جانا کہ ان کو تند خو جانا

رہے ہو جس طرح دل میں رہو نظروں میں بھی یونہی

کہاں کی ایسی گھبراہٹ ہے ٹھہرو دم تو لو جانا

بظاہر ہے دوئی پر اصل میں وحدت ہے وحدت ہے

نہ جانا ایک تو نے ہائے غافل دو کو دو جانا

عدوے نیش زن کی آپ سنتے ہیں وہ کہتا ہے

کہ جب آنا اسی کانٹے ہمارے حق میں بو جانا

اٹھائے غیر نے جو ناز بیجا اس کو وہ جانے

مجھے بھی تم نے وہ سمجھا مجھے بھی تم نے دو جانا

بہت باغ جہاں میں سیر کی اے داغ کیا کہیے

نہ دیکھا ہم نے جو دیکھا نہ جانا ہم نے جو جانا

☆☆☆☆☆☆

21

ہوا ہے جیسے شہرہ اس عدوی دین و ایمان کا

کوئی دل چیر کر دیکھے عقیدہ ہر مسلماں کا

مزہ ہر ایک کو تازہ ملا ہے عشق جاناں کا

نگہ کو دید کا لب کو فغاں کا دل کو ارماں کا

نہیں معلوم اک مدت سے قاصد حال کچھ واں کا

مزاج اچھا تو ہے یا ذش بخیر اس آفت جاں کا

مری تقدیر کی برگشتگی سب میں بری ٹھہری

حسینوں کے لئے اک حسن ہے برگشتہ مژگاں کا

اگا ہے سبزہ کیسا حوض مے کے گرد ایسا کہ

خضر آئے نہ ہوں چشمہ سمجھ کر آب حیواں کا

ہوا رونے سے دل خالی کہاں اب تک بھی باقی ہے

خزینہ شوق و ارمان کا دفینہ یاس و حرماں کا

اوڑایا جیسے تو نے چٹکیوں میں اس کو اے قاتل

یہ زخم دل بھی ہنس کر منہ چڑاتا ہے نمکداں کا

خوشامد اس قدر کی ہو گیا بدنام عالم میں

زمانہ جانتا ہے مجھ کو یہ عاشق ہے درباں کا

جنوں میں خامہ فرسائی سے توڑے ہیں قلم اتنے

ہمارا گھر نہیں ہے اک نمونہ ہے نیستاں کا

یہ کیا ہے آج غیروں سے مری تعریف ہوتی ہے

یہ کیا ہے خود بیاں ہوتا ہے اپنی جور پنہاں کا

کوئی یہ استراحت چھوڑ کر کیوں جائے اے قاتل

دل بیتاب گہوارہ بنا ہے تیرے پیکاں کا

بناتا ہے وہ ظالم تودۂ تیر ستم ہی ہے

کہاں اڑ جائے لے کر قبر کو مردہ مسلماں کا

تمہارا گھر تمہارا گھر نہیں مہمان ہو گویا

کہیں ہے دخل دشمن کا کہیں قبضہ ہے درماں کا

فلک پردہ بنا اہل زمیں کی پردہ پوشی کو

مگر اس دشمن جاں نے کسی کا عیب کب ڈھاں کا

سر شک تلخ کی تلخی گوارا ہے تو ہم کو ہے

زمین چیتی نہیں آنسو ہماری چشم گریاں کا

بنا کر اپنا دیوانہ الگ بچ کر چلے جانا

ترے دامن سی لینا ہے ہمیں بدلا گریباں کا

کسی کی شرم آلود نگاہوں میں یہ شوخی ہے

اسے دیکھا اسے دیکھا ادھر تاکا ادھر جھانکا
غش آ جاتا ہے اس کو آنکھ سے جب آنکھ ملتی ہے

نگہباں اور پیدا کیجئے اپنے نگہباں کا
تری آتش بیانی داغ روشن ہے زمانے پر

پگھل جاتا ہے مثل شمع دل ہر اک سخن داں کا

☆☆☆☆

22

بنا کس دن تن مجنوں میں یہ رشتہ رگ جاں کا
جنوں تیرے ہی سر سہرا رہا تار گریباں کا

بتوں کے دست قدرت میں نہ کیونکر دل ہو انساں کا
کہ ہر ناخن نگینہ بن گیا مہر سلیماں کا

بنا دی بخیہ گر پردہ قبائے جسم جاں کا
ٹھکانے سی لگا دی کوئی ٹکڑا اس گریباں کا

فلک نے خوب خدمت لی ہمارے دیدۂ تر سے
کہ ہر آنسو نے منہ دھو یا شب مہتاب ہجراں کا

کیا ہے ایک دست آرزو نے وارد و جانب
زلیخا کے جگر تک چاک ہے یوسف کے داماں کا

وہ چشم آبلہ بھی دید کے قابل ہے اے وحشت
نظر میں جس کی پہلے چبھ گیا کانٹا بیاباں کا

مریض جاں بلب دیکھے ہیں پر ایسے نہیں دیکھے
خدا حافظ نہیں ہوتا تیرے بیمار ہجراں کا

دل آشفتہ ذکر زلف سے کیا کیا الجھتا ہے

سنا جاتا نہیں قہقہ پریشاں سے پریشاں کا
محفل مجھی سے تجھ کو ظالم پردہ کرنا تھا
پر اس پر یہ قیامت غیر کے دامن سے منہ ڈہاں کا
اثر دیکھو زباں بخیہ گر کے ہو گئے ٹکڑے
لیا تھا نام بھولے سے مرے چاک گریباں کا
فرشتوں کو بچانا یا الٰہی ایسی تیروں سے
کہ رخ ہے آسماں کی سمت اس برگشتہ مژگاں کا
وہ ناکام تمنا ہوں جو اپنا قتل میں چاہوں
اثر ہو جائے آب تیغ میں ہی آب حیواں کا
بہت آنکھیں ہیں فرش رہ چلنا دیکھ کر ظالم
کف نازک میں کانٹا چبھ نہ جائے کوئی مژگاں کا
رہی ان کی ہمارے دل ہی دل میں گفتگو جب تک
مزا آتا رہا کیا کیا شکایت اے پنہاں کا
عدم میں لے گیا مجھ کو فرشتہ میں یہ سمجھا تھا
بلانے کو میرے آیا ہی کوئی آدمی واں کا
مکین سی ہر مکان کی زیب ہے گو قید خانہ ہو
جیسا کھل گیا تھا حضرت یوسف سے زندان کا
گرہ کیسی لگی تھی کھل پڑی کس راہ میں فتنے
نظر آتا ہے خالی آج گوشہ تیرے داماں کا
ہوئی تھیں دیدۂ مشتاق سے گستاخیاں کیا کیا
بھلے کو رخ نہ تھا میری طرف ان کے نگہباں کا
کے دیتا ہوں جو گذری ہے پرائے داور محشر

نہ آئے تذکرہ مجھ سے کسی کے عشق پنہاں کا

کھلا ہے جوہر آئینہ کیا کیا صورت غنچہ

لیا ہے جب سے بوسہ تو نے اپنے روئے خنداں کا

ہمارے داغ عصیاں داغ کیا کیا رنگ لائیں گے

گماں گذرے گا دوزخ پر بھی جنت کی گلستاں کا

☆☆☆☆☆☆

23

جو ہو سکتا ہے اس سے وہ کسی سے ہو نہیں سکتا

مگر دیکھو تو پھر کچھ آدمی سے ہو نہیں سکتا

محبت میں کرے کیا کچھ کسی سے ہو نہیں سکتا

مرا مرنا بھی تو میری خوشی سے ہو نہیں سکتا

الگ کرنا رقیبوں کا الٰہی تجھ کو آساں ہے

مجھے مشکل کہ میری بیکسی سے ہو نہیں سکتا

کیا ہے وعدہ فردا انہوں نے دیکھئے کیا ہو

یہاں صبر و تحمل آج ہی سے ہو نہیں سکتا

یہ مشتاق شہادت کس جگہ جائیں کسے ڈھونڈتے ہیں

کہ تیرا کام قاتل جب تجھی سے ہو نہیں سکتا

لگا کر تیغ قصہ پاک کیجئے داد خواہوں کا

کسی کا فیصلہ گر منصفی سے ہو نہیں سکتا

مرا دشمن بظاہر چار دن کو دوست ہے تیرا

کسی کا ہو رہے یہ ہر کسی سے ہو نہیں سکتا

دم پرسش کہو گے کیا وہاں جب یاں یہ صورت ہے

ادا اک حرف وعدہ ناز کی ہے ہو نہیں سکتا

نہ کہئے گو کہ حال دل مگر رنگ آشنا ہیں ہم

یہ ظاہر آپ کی کیا خامشی سے ہو نہیں سکتا

کیا جو ہم نے ظالم کیا کرے گا غیر منہ کیا ہے

کرے تو صبر ایسا آدمی سے ہو نہیں سکتا

چمن میں ناز بلبل نے کیا جب اپنی نالی پر

چٹک کر غنچہ بولا کیا کسی سے ہو نہیں سکتا

نہیں گر تجھ پہ قابو دل ہے پر کچھ زور ہو اپنا

کروں کیا یہ بھی تو ناطاقتی سے ہو نہیں سکتا

نہ رونا ہے طریقے کا نہ ہنسنا ہے سلیقے کا

پریشانی میں کوئی کام جی سے ہو نہیں سکتا

ہوا ہوں اس قدر محجوب عرض مدعا کر کے

کہ اب تو عذر بھی شرمندگی سے ہو نہیں سکتا

غضب میں جان ہے کیا کیجئے بدلہ رنج فرقت کا

بدی سے کر نہیں سکتے خوشی سے ہو نہیں سکتا

مزا جو اضطراب شوق سے عاشق کو حاصل ہے

وہ تسلیم و رضا و بندگی سے ہو نہیں سکتا

خدا جب دوست ہے اے داغ کیا دشمن سے اندیشہ

ہمارا کچھ کسی کی دشمنی سے ہو نہیں سکتا

☆☆☆☆☆☆

24

کب سے شب فراق ہوں مشتاق دید کا

خورشید ہو گیا ہے مجھے چاند عید کا
ساقی عرق پلا مجھے اگلی کشید کا

سمجھا مہ صیام کو میں چاند عید کا
خالی ہے شیشہ تو مجھے دے ڈال محتسب
مل جائے کوئی جوڑ دل نا امید کا

واعظ کی بات کی تو ہزاروں جواب تھے
پر کیا کریں کہ منہ ہے کلام مجید کا

کیا قتل حسرتیں ہوئیں دل میں کہ بیکسی
لے لے کے نام روتی ہے اک اک شہید کا

روز الست ہم سے بڑی چال رہ گئی
پھر ایسا دن ملے گا نہ گفت و شنید کا

جھوٹا ہی قفل میکدہ اے میکشو نوید
رہنے دو محتسب کو محافظ کلید کا

وہ بت کرے خدائی کی باتیں خدا کی شان
جو حرف پڑھ سکے نہ کلام مجید کا

زاہد کمال پیر مغاں تجھ سے کیا کہوں
مرشد وہاں خطاب ہے ادنیٰ مرید کا

اس دل کا کوئی نقش وفا میں نہیں جواب
بیٹھا ہوا ہے سکہ تری زر خرید کا

کھینچی انہوں نے لاش مری جب سمجھ لیا
حوروں کو انتظار ہے میرے شہید کا

لایا ہے میرے قتل کا محضر پیامبر

یاں انتظار تھا مجھے خط کی رسید کا

دل میرا آپ کا نہیں ملنے کا فرق ہے

یہ نگ عقیق کا وہ نگینہ حدید کا

پھر سہو ہو گئیں تری وعدہ خلافیاں

پھر اعتبار ہے مجھے عہد جدید کا

کیا رنگ خون بھی کاٹ دیا تیغ یار نے

پانی ہوا ہے آج لہو ہر شہید کا

بلبل کی داستان سنے گوش گل نے کب

انسان ہی کو لطف ہے گفت و شنید کا

اے شیخ فیض پیر خرابات دیکھنا

جو حال پیر کا ہے وہی ہے مرید کا

قاصد مرے سوال کا کوئی نہیں جواب

کاغذ بدل گیا نہ ہو خط کے رسید کا

ہم ایک کہ کے سنتے ہیں منہ سے ترے ہزار

لپکا پڑا ہے یہ گفت و شنید کا

حوران خلد بولتی ہیں بڑھ کے بولیاں

نیلام ہو رہا ہے تمہارے شہید کا

رکھنا وہ روک روک کے لڑتی نگاہ کو

رہنا وہ تھام تھام کے دل محو دید کا

چلنا ہمارے ساتھ ذرا اے شب فراق

دوزخ میں قحط ہو نہ عذاب شدید کا

اے داغ کیوں نہ مجھ کو شفاعت کی ہو امید

میں ہوں محب حسینؑ کا دشمن یزید کا

☆☆☆☆☆

25

حلقہ زنجیر سے کم دور پیمانہ نہ تھا
قید خانہ تھا ہمیں بے یار میخانہ نہ تھا

اس قدر خانہ خرابی اے دل خانہ خراب
خاک اوڑانے کے لئے اپنا یہ کاشانہ نہ تھا

کچھ تو ہے آرام اس کو چمن میں جو ہم جا رہے
ورنہ کیا رہنے کو اپنی اپنا کاشانہ نہ تھا

یہ کشش تھی حسن جاناں کی کہ اس کی بزم میں
شمع کی نزدیک شب کو کوئی پروا نہ تھا

اس پہ تو کرتا عمل تو دیکھتا کیفیتیں
قطرۂ مئے زاہد التسبیح کا دانہ نہ تھا

تم سے کیا شکوہ کہ دل بھی دشمن جان ہو گیا
یہ تو اپنا دوست ہی تھا کوئی بیگانہ نہ تھا

کیوں نہ کرتے ہجر میں ہم دل سے باتیں صبح تک
کان رکھ کر کوئی سنتا یہ وہ افسانہ نہ تھا

تم اگر ہوتے تو لاتے شب کو اے ناصح انہیں
ہم نشیں تم سا کوئی ہشیار و فرزانہ نہ تھا

تم تو اس کو بیچ میں سو سو طرح لائے مگر
مفت دیتا دل تمہیں داغ ایسا دیوانہ نہ تھا

☆☆☆☆☆☆

زندہ عیسیٰ کا نام کرنا تھا
اس طرف بھی خرام کرنا تھا
وائے غفلت کہ اب کیا ہم نے
جو ہمیں پہلے کام کرنا تھا
نہ میسر ہوئی کہیں خلوت
کچھ ہمیں بھی کلام کرنا تھا
جا چکی دل کی اب پریشانی
پیشتر انتظام کرنا تھا
کیوں کمی کی نگاہ نے تیری
کام میرا تمام کرنا تھا
تھی نہ تاب ستم تو حضرت دل
عاشقی کو سلام کرنا تھا
دشمنوں کو امان نہ دینی تھی
گر تمہیں قتل عام کرنا تھا
کیوں کیا غیر پر ستم تو نے
یہ ہمیں پر تمام کرنا تھا
داغ مہمان سرائے دنیا میں
اور چندے قیام کرنا تھا

☆☆☆☆☆☆☆

27

بلا سی اضطراب درد وہی بن کر ٹھہر رہنا

کسی صورت سے تم رہنا مرے دل میں مگر رہنا

اٹھانا ظلم عادت ہے مری الفت نہیں تیری

کبھی تو اس بہلاوے میں نہ اے بیداد گر رہنا

برائی اور بھلائی جبکہ تیرے ہاتھ ہے اپنی

تو چھوڑا ہم نے راضی آج سے تقدیر پر رہنا

گذاری میں نے ساری رات یہ کہہ کر وہ اب آئے

ذرا اے چشم تر تھمنا ذرا اے دل جگر رہنا

لگاؤ تو ذرا اے حضرت ناصح کہیں دل کو

مرا ذمہ محبت سے نہ ڈرنا بے خطر رہنا

ہماری سخت جانی بس نہ ٹھہری کھیل ہی ٹھہرا

قسم ہے تم کو گردن پر چھری تم پھیر کر رہنا

تجھے وہ جان کر بے خود کہیں گے غیر سے دل کی

خبردار اے دل اس کی بزم میں تو بے خبر رہنا

گیا تھا کہہ کے اب آتا ہوں قاصد کو تو موت آئے

دل بیتاب وہاں جا کر کہیں تو بھی نہ مر رہنا

ڈرو اللہ سے اے داغ دیکھو ہوش میں آؤ

بتوں کی یاد میں غافل خدا سے اس قدر رہنا

☆☆☆☆☆

28

تری خرام سے برپا ہے شور و شر کیسا

اٹھا یہ فتنہ قیامت سے پیشتر کیسا

تری تو برش تیغ نظر کا کیا کہنا

ہمیں تو دیکھ کہ رکھتے ہیں ہم جگر کیسا

سنبھل سنبھل کے بگڑتا ہے کچھ دل بیتاب

الٰہی آج یہ صدمہ ہے جان پر کیسا

شفق کھلی ہے زمیں پر بھی اشک خوں سے مرے

یہ رنگ تو نے دکھایا ہے چشم تر کیسا

یقیں تھا کہ پس مرگ چیں آئے گا

قرار اس دل بیتاب کو مگر کیسا

نکل سکے نہ مرے منہ سے آہ بھی پوری

اثر کی کس کو توقع ہے یاں اثر کیسا

ہم اپنے دل کی حقیقت تمہیں سے پوچھتے ہیں

اب اس کا حال ہی کیا تھا یہ پیشتر کیسا

وہ پا شکستہ ہوں گم کردۂ راہ و خانہ خراب

کہ دشت بھی نہیں مجھ کو نصیب گھر کیسا

کمال عشق ہے اے داغ محو ہو جانا

مجھے خبر ہے نہیں نفع کیا ضرر کیسا

☆☆☆☆☆☆☆

29

غم کو میں عشق میں غمخوار دل و جاں سمجھا

رنج کو راحت اور آزار کو درماں سمجھا

اور بھی آگ سوا عشق کی ٹھہر کی تہہ خاک

میں صبا کو جو تری جنبش و اماں سمجھا

منع مجھ کو ہی کیا رات کو مجھ سے ہی کہا

میں گدا بن کے گیا در پہ وہ درباں سمجھا

چاہتا ہوں کہ نکل جائے کہیں سینے سے

دل کو میں ہجر میں تیرے کوئی ارماں سمجھا

کچھ تو تھی بات کہ ناصح کی نہ مانی کچھ بات

کچھ تو سمجھا جو نہ کچھ یہ دل ناداں سمجھا

سہل ہونا مری مشکل کا بہت مشکل ہے

کام دشوار وہ نکلا جسے آساں سمجھا

جان کر چاک کیے میں نے وہ دیوانہ ہوں

جیب کو جیب گریباں کو گریباں سمجھا

وصل کا وعدہ اشارے سے کہیں ہوتا ہے

میں ترے سر کی قسم کچھ نہ مری جاں سمجھا

نہیں جانے کا یہاں سے کہیں ہرگز اے داغ

کوچہ یار کو میں روضہ رضواں سمجھا

☆☆☆☆☆☆☆

30

ہے مجھ کو خبر رات کو جو تیرے قریں تھا

میں گرچہ نہ تھا پاس مرا دل تو وہیں تھا

زاہد مری تقدیر میں وہ دشمن دیں تھا

مجبور ہوں اللہ کو منظور یوں نہیں تھا

اللہ رے تری بے خبری بل بے تغافل

اب بھی تو نہ آیا کہ دم باز پسیں تھا

سب خاک ہوئیں آج مرے دل کی امیدیں

کل تک تو تری ذات سے کیا کیا نہ یقیں تھا

اب دل میں ہوا تیری جگہ درد کا مسکن

یہ وہ ہی مکاں ہے کبھی تو جس میں مکیں تھا

روپوش ہوا سنتے ہی پیغام ہمارا

ڈھونڈھے کوئی قاصر کو ابھی تک تو یہیں تھا

یہ سیر عجب صید گہہ عشق میں دیکھی

ہوشیار وہی تھا جو تری زیر کمیں تھا

زندہ نہ مسیحا سے ہوا کشتہ الفت

مردوں کو جلانا تو کچھ اعجاز نہیں تھا

دل میں نہ رکھے آدمی اتنی بھی قدورت

انسان ہی تھا داغ بھی گو خاک نشیں تھا

☆☆☆☆☆☆☆☆

31

نہ آیا نامہ بر اب تک گیا تھا کہہ کے اب آیا

الٰہی کیا ستم ٹوٹا خدایا کیا غضب آیا

رہا مقتل میں بھی محروم آب تیغ قاتل سے

یہ ناکامی کہ میں دریا پہ جا کر تشنہ لب آیا

غضب ہے جن پہ دل آئے کہیں انجان بن کر وہ

کہاں آیا کدھر آیا یہ کیوں آیا یہ کب آیا

شروع عشق میں گستاخ تھے اب ہیں خوشامد کو

سلیقہ بات کرنے کا نہ جب آیا نہ اب آیا

نوشتہ میرا بے معنی تو دل بے مدعا میرا

مگر اس عالم اسباب میں میں بے سبب آیا
بسر کیونکر کریں گے خلد میں ہم واعظ ناداں
ہمارے جد امجد کو نہ واں رہنے کا ڈھب آیا
وہ ارماں حسرتیں جس کی اگر نکلا تو کب نکلا
وہ جلوہ خواہشیں جس کی نظر آیا تو کب آیا
ابھی اپنی جفا کو کھیل ہی سمجھا ہے تو ظالم
کہ جینے پر نہ آیا میرے مرنے پر عجب آیا
گیا جب داغ مقتل میں کہا خوش ہو کے قاتل نے
مرا آفت نصیب آیا مرا ایذا طلب آیا

☆☆☆☆☆

32

جال زلف سیاہ نے مارا
تیر کافر نگاہ نے مارا
کہا گیا مغز ناصح ناداں
مجھ کو اس خیر خواہ نے مارا
ضبط کر درد عشق کو اے دل
اس تری آہ آہ نے مارا
زیر خنجر بھی ضبط عشق رہا
دم نہ اس بیگناہ نے مارا
پھر گیا روز حشر دل مجھ سے
مجھ کو مل کر گواہ نے مارا
خوش ہے کافر بھی اس کی رحمت پر

ہائے اس اشتباہ نے مارا

مر گئے ہم تو وضعداری میں

دوستی کی نباہ نے مارا

چرخ سے عمر خضر مانگی تھی

جان سے کینہ خواہ نے مارا

دیکھ اے داغ اہل دنیا کو

ہوس عز و جاہ نے مارا

☆☆☆☆☆☆

33

اے اہل بزم چشم مروت کو کیا ہوا

کیوں دیکھتے نہیں مری صورت کو کیا ہوا

تلوار بے تکان اٹھاؤ نہ ہاتھ میں

خلقت کہے گی ناز و نزاکت کو کیا ہوا

یاں فرط غم سے دل پہ بنی واں وہ تمکنت

پوچھا نہ جھوٹے منہ بھی طبیعت کو کیا ہوا

بسمل نہ رکھ ہلاک ہی کر ہم کو اے فلک

راحت اگر نہیں تو جراحت کو کیا ہوا

بے جستجو ملے گا نہ اے دل سراغ دوست

تو کچھ تو قصد کر تری ہمت کو کیا ہوا

یہ داد خواہ کیسے تماشے دکھائیں گے

تم دیکھنا کہ روز قیامت کو کیا ہوا

منظور ذکر غیر سے تھا امتحان دل

دیکھیں تو آپ اپنی طبیعت کو کیا ہوا

جانا ہے کوئے یار میں اے دل خلاف عقل

آتے ہوئے بلاؤ مصیبت کو کیا ہوا

موہوم کو کر دیئے جو وہان و میان دوست

کیا جانے وہم صانع قدرت کو کیا ہوا

افسوس خاک میں نہ ملی کوئی آرزو

کیا جانے اب وہ دل کی کدورت کیا ہوا

ٹھنڈا پڑا ہے داغ دل داغدار عشق

اس آفتاب حشر کی حدت کو کیا ہوا

☆☆☆☆☆☆☆

34

جو عاشقی میں خاک ہوا کیمیا ہوا

کہتا تھا آج خاک میں کوئی ملا ہوا

گر میکدے میں عید منائی تو کیا ہوا

ایسا ہی شیخ تیر اووگانہ قضا ہوا

اے عشق رخصت اے ہوش و آرزو سلام

اپنا مقام آج سے دار البقا ہوا

کوچے میں اس کی ہم تو قیامت اٹھائیں گے

انصاف اپنایا نہ ہوا آج یا ہوا

لپٹا ہے آسمان کو بلا کی طرح سے آج

یہ نالہ رسا تری زلف رسا ہوا

لیتا ہوں بوسہ ہائے خط سبز کے مزے

ہے زہر ان دنوں مرے منہ کو لگا ہوا

کہدو سمجھ کے جائیں وہ کون رقیب میں

اک رشک آشنا کا ہے مردہ پڑا ہوا

ہم اب سے لیں گے بوسہ گل تیرے سامنے

کیا ایسا لعل ہے ترے لب میں لگا ہوا

اے داغ بے قصور ہوئے قتل عشق میں

کوئی برائی ہم نے نہیں کی بھلا ہوا

☆☆☆☆☆☆☆

35

دل میں تو کفر تیرے تجھ پر غضب خدا کا

اے داغ سوئے کعبہ پھر مانگنا دعا کا

اب غصہ ہے کہ ہم سے شکوہ کیا جفا کا

اب دل کہاں ٹھکانے نام آ گیا وفا کا

اب خاک میں ملا کر آتا ہے کون ہم تک

آئے نہ کوئی جھوکا کبھی صبا کا

ہم پر ہے کیوں یہ غصہ مرتے ہیں بے اجل ہم

دشمن پہ ہو جوگر گز قائل نہیں قضا کا

گر ذوق سیر ہے کچھ تو دیکھ میرے دل کو

یہ بھی ہے اک نمونہ جام جہاں نما کا

گاہے فلک پہ پھینکا گاہے زمیں پہ پٹکا

مشت غبار اپنا بازیچہ ہے صبا کا

یہ تا در اجابت پہنچے تو خاک پہنچے

تاثیر نے گھٹایا رتبہ مری دعا کا

جس راہ سے وہ گذرے ڈالی بنائے محشر

فتنہ بنا نگہباں ہر چشم نقش پا کا

ہے سر نوشت میری کیا مشق بے سروپا

تا حشر بھی نپایا اک حرف مدعا کا

اس پردے نے تمہارا نام اور بھی نکالا

یہ بھی کوئی حیا ہے جو نام ہو حیا کا

ہاتھوں کے بل چلے ہم کانٹوں پہ سوئے صحرا

ہر خار اک عصا تھا اپنے شکستہ پا کا

کم ہو گا داغ سا بھی مکار اب جہاں میں

اس بت پہ شیفتہ ہو اور نام لے خدا کا

☆☆☆☆☆☆

36

دست ہوس بڑھا کر کیوں مرتبہ گھٹایا

سمجھے نہ یہ زلیخا دامن ہے پارسا کا

سرخی لب نے کیا ہے خون اس نخچیر کا

تیز ہے پیکان سی بھی سوفار اس کے تیر کا

عقدہ کھلتا ہی نہیں اس عاشق دلگیر کا

بن گئی دل کی گرہ جو پیچ تھا تقدیر کا

حسرتیں معشوق کی غم آسمان پیر کا

لے گیا دنیا سے میں جو تھا مری تقدیر کا

ان کی خاموشی میں تو عالم ہے اک تصویر کا

اور جب کی بات لچھا بندہ گیا تقریر کا

تفرقہ پرواز تھی کیا آنکھ اس صیاد کی

مجھ میں اور دل میں مرے پلہ ہے سو سو تیر کا

دیکھ تو قاتل کہ جوش گریہ بسمل نے کیا

ایک کر ڈالا لہو پانی تری شمشیر کا

آنکھ کے ملتے ہی باہم چھا گئیں حیرانیاں

آئینے کی شکل یاں عالم وہاں تصویر کا

ہے تو یوں زنداں پہ مہماں کی تواضع ختم ہے

حلقہ حلقہ پاؤں پڑتا ہے مری زنجیر کا

ہائے وہ دن ہو کہ تو دل تھام کر مجھ سے کہے

آہ ظالم تیرا نالہ بھی ہے کس تاثیر کا

گہ شمار خار صحرا گہ وظیفہ نام قیس

سبحہ کا دانہ ہے ہر دانہ مری زنجیر کا

عشق اس رعنا جو ان کا داغ کرتا ہے ستم

نام ہے بدنام ناحق آسمان پیر کا

☆☆☆☆☆

37

غضب کیا ترے وعدے پہ اعتبار کیا

تمام رات قیامت کا انتظار کیا

کسی طرح جو نہ اس بات نے اعتبار کیا

مری وفا نے مجھے خوب شرمسار کیا

ہنسا ہنسا کے شب وصل اشک بار کیا

تسلیاں مجھے دے دے کے بیقرار کیا
یہ کس نے جلوہ ہمارے سر مزار کیا

کہ دل سے شور اٹھا ہائے بیقرار کیا
سنا ہے تیغ کو قتل نے آبدار کیا

اگر یہ سچ ہے تو بے شبہ ہم پہ وار کیا
نہ آئے راہ پہ وہ عجز بے شمار کیا

شب وصال بھی میں نے تو انتظار کیا
تجھے تو وعدہ دیدار ہم سے کرنا تھا

یہ کیا کیا جہاں کو امیدوار کیا
یہ دل کو تاب کہاں ہے کہ ہو مال اندیش

انہوں نے وعدہ کیا اس نے اعتبار کیا
کہاں کا صبر کہ دم پر ہے بن گئی ظالم

بہ تنگ آئے تو حال دل آشکار کیا
تڑپ پھر اے دل ناداں کہ غیر کہتے ہیں

اخیر کچھ نہ بنی صبر اختیار کیا
ملے جو یار کی شوخی سے اس کی بے چینی

تمام رات دل مضطرب کو پیار کیا
بھلا بھلا کے جتایا ہے ان کو راز نہاں

چھپا چھپا کے محبت کو آشکار کیا
نہ اس کے دل سے مٹایا کہ صاف ہو جاتا

صبا نے خاک پریشان مرا غبار کیا
ہم ایسے محو نظارہ نہ تھے جو ہوش آتا

مگر تمہارے تغافل نے ہوشیار کیا

ہمارے سینے میں کچھ رہ گئی تھی آتش ہجر

شب وصال بھی اس کو نہ ہمکنار کیا

رقیب و شیوۂ الفت خدا کی قدرت ہے

وہ اور عشق بھلا تم نے اعتبار کیا

زبان خار سے نکلی صدائے بسم اللہ

جنوں کو جب سر شوریدہ پر سوار کیا

تری نگہ کے تصور میں ہم نے اے قاتل

لگا لگا کے گلے سے چھری کو پیار کیا

غضب تھی کثرت محفل کہ میں نے دھوکہ میں

ہزار بار رقیبوں کو ہمکنار کیا

ہوا ہے کوئی مگر اس کا چاہنے والا

کہ آسماں نے ترا شیوہ اختیار کیا

نہ پوچھ دل کی حقیقت مگر یہ کہتے ہیں

وہ بیقرار رہے جس نے بیقرار کیا

جب ان کو طرز ستم آ گئے تو ہوش آیا

برا ہو دل کا برے وقت ہوشیار کیا

فسانہ شب غم ان کو اک کہانی تھی

کچھ اعتبار کیا کچھ نہ اعتبار کیا

اسیری دل آشفتہ رنگ لا کے رہی

تمام طرہ طرار تار تار کیا

کچھ آ گئی داور محشر سے ہے امید مجھے

کچھ آپ نے مرے کہنے کا اعتبار کیا

کسی کے عشق نہاں میں یہ بد گمانی تھی

کہ ڈرتے ڈرتے خدا پر بھی آ شکار کیا

فلک سے طور قیامت کے بن نہ پڑتے تھے

اخیر اب تجھے آشوب روزگار کیا

وہ بات کر جو کبھی آسماں سے ہو نہ سکے

ستم کیا تو بڑا تو نے افتخار کیا

بنے گا مہر قیامت بھی ایک خال سیاہ

جو چہرہ داغ سیہ رو نے آشکار کیا

☆☆☆☆☆☆

38

ناقی جہاں میں قیس نہ فرہاد رہ گیا

افسانہ عاشقوں کا فقط یاد رہ گیا

یہ سخت جاں تو قتل سے ناشاد رہ گیا

خنجر چلا تو بازوِ جلاد رہ گیا

پابندیوں نے عشق کی بے کس رکھا مجھے

میں سو اسیریوں میں بھی آزاد رہ گیا

چشم صنم نے یوں تو بگاڑے ہزار گھر

اک کعبہ چند روز کو آباد رہ گیا

محشر میں جائے شکوہ کیا شکر یار کا

جو بھولنا تھا مجھ کو وہی یاد رہ گیا

ان کی تو بن پڑی کہ لگی جان مفت ہاتھ

تیری گرہ میں کیا دل ناشادہ رہ گیا

پر نور ہو رہے گا یہ ظلمت کدہ اگر

دل میں بتوں کا شوق خدا داد رہ گیا

یوں آنکھ ان کی کر کے اشارہ پلٹ گئی

گویا کہ لب سے ہو کے کچھ اشادہ رہ گیا

ناصح کا جی چلا تھا ہماری طرح مگر

الفت کی دیکھ دیکھ کے افتاد رہ گیا

ہیں تیرے دل میں سب کے ٹھکانے برے بھلے

میں خانماں خراب ہے برباد رہ گیا

وہ دن گئے کہ تھی میرے سینے میں کچھ خراش

اب دل کہاں ہے دل کا نشاں یاد رہ گیا

صورت کو تیری دیکھ کے کھینچتی ہے جاں خلق

دل اپنا تھام تھام کے بہزاد رہ گیا

اے داغ دل ہی دل میں گھلے ضبط عشق سے

افسوس شوق نالہ و فریاد رہ گیا

☆☆☆☆☆☆☆☆

39

جوڑ کے شہباز نظر پہ گرا

ٹوٹ کے ہر خستہ جگر پہ پڑا

نالہ و فریاد و فغاں اس قدر

آہ یہ لشکر نہ اثر پہ گرا

چرخ سے جب کی ہوس سروری

سنگ مصیبت مرے سر پر گرا

سایہ مری بخت سیہ کا ضرور

اے شب غم تیری سحر پر گرا

زلف رسا کو دم تزئین سنبھال

بوجھ نہ یہ موے کمر پر گرا

شوق نے آوارہ کیا تھا مجھے

خیر ہوئی میں ترے در پر گرا

خوب اٹھا جو تری رہ میں اٹھا

خوب گرا جو ترے در پر گرا

صاعقہ اس کی نگہ شوخ کا

دل کو بچایا تو جگر پر گرا

بزم سے گلدستے سب اٹھوا دیئے

داغ کا نزلہ گل تر پر گرا

☆☆☆☆☆☆☆☆

40

جھوک سے سائے کے بھی میں ناتواں لاغر گرا

جس جگہ سایہ گرا میرا مجھے لے کر گرا

دل سنبھالا پر نہ سنبھلا پاؤں اٹھا سر گرا

ان کے آگے آج میں اکثر اٹھا اکثر گرا

اس نزاکت پر ہمارے قتل اک دعویٰ چہ خوش

دیکھئے لیجئے خبر وہ ہاتھ سے خنجر گرا

تھا برا موقع مگر اچھا رہا پاس ادب

آج کٹ کر پاؤں پر قاتل کے میرا سر گرا

وائے ناکامی کہ جس میں ہم نے باندھا خط شوق

وہ ہی مرغ نامہ بر کا کاٹ کر شہ پر گرا

انتظار یار میں پتھرائیں آنکھیں اس قدر

اشک بھی بن کر ہماری آنکھ سے پتھرا گرا

شوخیاں اس برق وش کی بزم میں دیکھے کوئی

صاعقے کا طور ہے اس پر گرا اس پر گرا

چوٹ کھائی دل نے گر کر اس صنم کے عشق میں

یا الٰہی خیر ہو یہ شیشہ پتھر پر گرا

دل سا دانا خضر کو جو عشق میں رستہ بتائے

دیدہ و دانستہ تیری چاہ میں کیونکر گرا

نکلی بسم اللہ اس کافر کے منہ سے بے دھڑک

آج اس انداز سے یہ عاشق مضطر گرا

کیا غضب توڑا نگاہ خانما برباد نے

خانہ دل کیا گرا گویا خدا کا گھر گرا

کم نصیبی کو کہتے ہیں کہ میرے وار پر

دست ساقی سے ادھر شیشہ ادھر ساغر گرا

پہلے کیوں ای داغ اتنی پی گئے فرمایئے

سر پکڑ کر اب جو ہے فریاد میرا سر گرا

☆☆☆☆☆☆

ملی اس سوختہ قسمت سے کیا جلوہ شرارے کا

کہ خورشید قیامت عکس ہے میرے ستارے کا

یقیں اے دل نہ کر تو اس کے مژگاں کے اشارے کا

بھروسہ کیا ارے ناداں تنکے کے سہارے کا

نہ پایا کوئی بحر عشق میں رستہ گذارے کا

نہ پہنچا اس کنارے تک شناور اس کنارے کا

ارے بیباک کیا کہنا ہے تیرے اس اشارے کا

ٹھکانا بے ٹھکانے کا سہارا بے سہارے کا

تجھے کیوں دوں اسی تیغ نظر کو دوں نہ لخت دل

کہ اے مژگاں یہ ٹکرا ہے بڑی تلوار مارے کا

کیے اے خضر تم نے خوب نقد عمر کے گھرے

خیال آیا نہ اے حضرت مگر آخر خسارے کا

الٰہی دیکھیے کافر نگاہیں کیا دکھاتے ہیں

برا لپکا پڑا ہے اس کی آنکھوں کو اشارے کا

جگر لوٹے ہی جاتا ہے تو دل تڑپے ہی جاتا ہے

یہ سینہ ہے الٰہی یا کوئی معدن ہے پارے کا

تری شمشیر پر خم نے ہزاروں سر اتارے ہیں

یہی تو گھاٹ ہے بحر محبت کے اتارے کا

کروں میں دانہ زنجیر کو تسبیح اے وحشت

نہیں زنداں میں ممکن راہ دینا استخارے کا

مرے اشکوں میں ہے یا تیرے دندان مصفا میں

گہر کی آب ہیرے کی تجلی نور تارے کا

ہمیشہ فیض ہے دریا دلوں سے خاکساروں کو

کہ موج بحر تر کرتی ہے کیا کیا لب کنارے کا

محبت عاشق بیتاب کو اکسیر کرتی ہے

مجھے مارا دل بیتاب نے کشتہ ہوں پارے کا

کرے کیا سلک گوہر روکشی اس سلک دنداں سے

کہ ہر دنداں روش میں ہے علام قطب تارے کا

گذر جائے گی رہ صورت کروں کیوں داغ اندیشہ

مرے مولا کو ہر دم فکر ہے میرے گزارے کا

☆☆☆☆☆☆☆☆

42

ڈوب کر سینے میں اس رنگ سے پیکاں نکلا

دل سے بے ساختہ نکلا کہ وہ ارماں نکلا

وشت وحشت کو ہر اک بے سروساماں نکلا

تن عریاں کا مرے سایہ بھی عریاں نکلا

کب وہاں مجھ سے زبوں حال کا ارماں نکلا

داور حشر بھی اچھوں ہی کا خواہاں نکلا

کاے مرے ہاتھ سے کھینچ کر تیرا داماں نکلا

تو یہی آغوش سے یوں تو نہ مری جاں نکلا

دل سوزاں نے کہیں آگ نہ چھوڑی شب ہجر

صبح خورشید کی بدلے مہ تاباں نکلا

میں نہ تڑپا جو دم ذبح تو وہ کہتے ہیں

نکلا دم تو مرے کشتے کا پر آساں نکلا

لحد تنگ میں کس کس کے سمائی ہو گی

خاک نکلا جو پس مرگ کچھ ارماں نکلا

قول پورا تھا پر اس عہد شکن کے منہ سے

ٹکڑے ہو کر سخن وعدہ و پیماں نکلا

ہم بھی دیکھیں تو کہاں تک ہے ترے ہمراہی

قدم اپنا بھی اب اے گردش دوراں نکلا

شرمگین چشم میں اس برق نظر کا جلوہ

ایک شعلہ سا تہہ دامن مژگاں نکلا

آدمی رہزن آدم ہے کہاں راہ نما

وائے تقدیر مری خضر بھی انساں نکلا

ناتوانوں کی گلو گیر قضا ہو سب جھوٹ

ہم نے جب تار نکالا تو گریباں نکلا

سختی دل کا مزا تجھ کو چکھاتا کافر

پر کروں کیا کہ خدا تیرا نگہباں نکلا

رونے والوں کو بھی اب مجھ پہ ہنسی آتی ہے

دیدۂ تر سی مرے اشک بھی خنداں نکلا

خضر کیوں نہ کر نہ رہ عشق میں کترا کے چلیں

طائر سد رہ بھی اس رہ سے پر افشاں نکلا

پاس خدام قیامت کے نہیں جز انصاف

دیں گے کیا گر کوئی بیداد کا خواہاں نکلا

داغ دل چیر کے اس بت کو دکھاتا ہی نہ تھا

آرزو نکلی تو نکلی مگر ایماں نکلا

☆☆☆☆☆☆☆

جو اف کی دل جلوں نے تیرے تو یہ خاکداں پھونکا
زمیں کیا آسماں پھونکا مکاں کیا لامکاں پھونکا
غضب ہے مثل موسیقار اک اک استخوان پھونکا
ہوئے خود خاک تو کیا خاک اے سوز نغاں پھونکا
تری الفت کی چنگاری نے ظالم اک جہاں پھونکا
ادھر چمکی ادھر سلگی یہاں پھونکا وہاں پھونکا
مجھے کیونکر یقیں ہو آگ ظالم کو جلائے گی
کسی دن آتش رنگ شفق نے آسماں پھونکا
بجھے کب عندلیب سوختہ دل کی لگی تجھ سے
چراغ گل کو کیا پھونکا جو اے باد خزاں پھونکا
پڑی دو زخمیں بھی گر عاشق تفسیدہ دل تیرا
جہنم بھی کہے تو نے مجھے اے تفتہ جاں پھونکا
مرے حال زبوں پر ہائے کس کس کو نہ رحم آیا
اجل نے بھی تو کچھ پڑھ پڑھ کے بہر حفظ جاں پھونکا
کہاں صیاد کیسا باغباں کس پہ گری بجلی
چمن میں آتش گل نے ہمارا آشیاں پھونکا
تری دزد حنا نے مایہ صبر و خرد لوٹا
تری برق نگہ نے خرمن تاب و تواں پھونکا
مزاج عاشق پر سوز کو جو آگ کرنا تھا
تو اس مٹی کے پتلے میں دم آتش فشاں پھونکا
ہمارے دل کے ہوتے طور سینا کو جلانا تھا

تری برق تجلی نے کسے پھونکا کہاں پھونکا

پڑھا جو میرے وقت ذبح تو نے منہ ہی منہ میں کچھ

پڑھی تکبیر یا کچھ پڑھ کے افسون دلستاں پھونکا

رہا تھا کونسا ارماں جیتے جی جلانے کا

کہ تو نے لاش کو میری بھی جو اب اے بدگماں پھونکا

بنی ہر گل کی چنگاری جلی بلبل کباب آسا

ہماری داغ سودا کی تپش نے گلستاں پھونکا

کہوں منہ سے نہ گو میں سوز پنہاں پر دم پرسش

اشارے کرتے ہیں دل کی طرف آنکھیں یہاں پھونکا

جلاتے ہیں جو دل کو اے جرس وہ میرے نالے ہیں

فغاں گرم نے تیرے نہ رخت کارواں پھونکا

سنا جاتا نہیں اے داغ تیرا سوز دل ہم سے

ترے آتش زبانی نے تو اے آتش زباں پھونکا

☆☆☆☆☆☆☆

44

وہ زمانہ نظر نہیں آتا

کچھ ٹھکانا نظر نہیں آتا

جان جاتی دکھائی دیتی ہے

ان کا آنا نظر نہیں آتا

عشق در پردہ پھونکتا ہی آگ

یہ جلانا نظر نہیں آتا

اک زمانہ مری نظر میں رہا

اک زمانہ نظر نہیں آتا

دل نے اس بزم میں بٹھا تو دیا
اٹھ کے جانا نظر نہیں آتا

رہئے مشتاق جلوہ دیدار
ہم نے مانا نظر نہیں آتا

لے چلو مجھ کو راہروان عدم
یاں ٹھکانا نظر نہیں آتا

دل پہ بیٹھا کہاں سے تیر نگاہ
یہ نشانہ نظر نہیں آتا

تم ملاؤ گے خاک میں ہم کو
دل ملانا نظر نہیں آتا

آپ ہی دیکھتے ہیں ہم کو تو
دل کا آنا نظر نہیں آتا

دل پُر آرزو لٹا اے داغ
وہ خزانہ نظر نہیں آتا

☆☆☆☆☆

45

جلوہ اس کا نظر نہیں آتا
نہیں آتا نظر نہیں آتا

آنکھ کھلتی ہے خواب غفلت سے
ہائے کیا کیا نظر نہیں آتا

غیر کے ساتھ دل میں بھی دیکھا

کبھی تنہا نظر نہیں آتا
ہم تو کہنے کو حال دل کہہ دیں
سننے والا نظر نہیں آتا
ڈھونڈتی ہیں جسے مری آنکھیں
وہ تماشا نظر نہیں آتا
تو نے جس دن سے کی مسیحائی
کوئی اچھا نظر نہیں آتا
کوئی دل تیرے عہد میں ظالم
بے تمنا نظر نہیں آتا
کاش ارماں ہی رہے دل میں
وہ بھی پورا نظر نہیں آتا
دل کا آئینہ دیکھنے کو بنا
پر جو چاہا نظر نہیں آتا
کس کو رکھوں نظر میں اپنے
کوئی اتنا نظر نہیں آتا
ہمیں اے داغ کور باطن ہیں
ورنہ وہ کیا نظر نہیں آتا

☆☆☆☆☆☆☆

46

وہ کچھ سنائیں کہ صیاد درد مند ہوا
قفس میں بند ہوئے پر بھی میں نہ بند ہوا
شب فراق جو دست دعا بلند ہوا

ندائیں آئیں کہ باب قبول بند ہوا
یہ دل تو وہ ہے کہ میں اس سے درد مند ہوا
یہ کیا پسند کیا تم کو کیا پسند ہوا
مجھے تو شیوہ آزادگی کمند ہوا
کہ دام قطع تعلق میں پائے بند ہوا
سہ پہر صرف مرے در پے گزند ہوا
غضب ہوا کہ زمانے کا کام بند ہوا
چمن چمن کو تو کانٹا سا نا پسند ہوا
قفس قفس بھی تو گھٹ گھٹ کے مجھ سے بند ہوا
مزا تو یہ ہے کہ آزاد ہو کے سیر کرے
خضر کو رشتہ عمر ابد کمند ہوا
کسی کے نوک مژہ کی بھی یہ خلش تو نہ تھی
یقیں ہے کوئی ارماں دل میں بند ہوا
تمہارے لطف و عنایت کا واہ کیا کہنا
کہ جس کا درد کیا وہ ہی درد مند ہوا
جو اب دوز جزا یہ ہے سن لو حضرت دل
کہ بے نیا کو ناز بتاں پسند ہوا
وہ دل ہے جو ترے تلووں تلے ہوا پامال
وہ سر ہے جو ترے نیزے پہ سر بلند ہوا
وفور عجز یہ سو سو غرور مجھ کو ہوئے
بڑا ہی ناز ہوا جب نیاز مند ہوا
ہزار شکر کہ دنیا نے قدر دانی کی

ہزار شکر کہ مردہ مرا پسند ہوا

فلک نے کینہ کیا تو نے ظلم میں نے وفا

وہی ازل میں ملا جس کو جو پسند ہوا

کھلا یہ عقدہ تجھے دیکھ کر عدو پہ فدا

کہ جس نے ناز کیا وہ نیاز مند ہوا

رفیق کہتے ہیں اس کو کہ قید خانے میں

چھٹا نہ مجھ سے جنوں میرے ساتھ بند ہوا

الٰہی اس بت مغرور سے یہ سنوا دے

نیاز مند ہوا میں نیاز مند ہوا

تم اور مجمع اغیار و ذکر ناز و نیاز

خبر نہیں کوئی بیٹھا ہے درد مند ہوا

وفا نہیں نہ سہی شیوۂ جفا ہی سہی

پسند آپ کی جو آپ کو پسند ہوا

ہوا جو درد کو آرام میں ہوا بیتاب

ملی جو عشق میں راحت مجھے گزند ہوا

مری زباں نہ تھکی رات کٹ گئی ساری

کھلا جو شکووں کا دفتر تو پھر نہ بند ہوا

نشان ہی یہ مری صیاد ختم آگیں کا

در قفس نہ اسیروں کا جس کے بند ہوا

لگی وہ آتش الفت کہ تاب ہی نہ رہی

جگر شرارہ ہوا اور دل سپند ہوا

نشان مٹا تو مٹا بل بے پستی قسمت

کہ نام بھی نہ ہمارا کبھی بلند ہوا

علاج نشہ الفت کا داغ ہو نہ سکا

گھڑی گھڑی میں دوبالا ہوا دو چند ہوا

☆☆☆☆☆☆

47

سینے میں لب کہاں وہ جو وہ بھی تھا اک وبال سا

بیٹھ گیا کچھ اٹھتے سی چھوڑ گیا خیال سا

عرض وفا یہ دیکھنا اس کی ادائے دلفریب

دل میں کچھ اعتبار سا آنکھ میں کچھ ملال سا

تارے ہی گن کے کاٹتے رات فراق کی مگر

نکلا ستارہ بھی کہیں کوئی تو خال خال سا

اس کی لچک پہ دم فدا اس کی ادا پہ دل نثار

ہائے وہ شاخ سی کمر ہائے وہ قد نہال سا

فتنہ حشر کب اٹھا اس کی خرام ناز سے

وہ بھی پڑا ہے میری طرح راہ میں پائمال سا

باندھ دیا تھا ہم نے خود زلف میں اس کے اپنا دل

رکھ نہ سکے وہ اس کو بھی ٹال دیا وبال سا

جان لیا ہے ماہ عید اس کو مہ صیام میں

ابرو یار بھی اگر دیکھ لیا ہلال سا

ہے دل گم شدہ مرا گیسو تابدار ہے

ورنہ بتاؤ وجہ کیا یہ جو پڑا ہے جال سا

پوچھتے کیا ہو کون تھا ہو نہ ہو وہی داغ ہو

در پہ تمہاری تھا مگر کوئی شکستہ حال سا

☆☆☆☆☆☆☆

48

نہ کبھی جیب خجالت سے یہاں سر نکلا

قیس دیوانہ تھا جامے سے جو باہر نکلا

داد خواہوں کا پھر ارماں مقرر نکلا

گر طرفدار ترا داور محشر نکلا

شانہ جب زلف معنبر سے الجھ کر نکلا

ہم یہ سمجھے کہ ہمارا دل مضطر نکلا

زلف برہم عرق آلودہ جبیں دامن چاک

کس کی آغوش سے تو جان چھڑا کر نکلا

جذب دل کا ہو برا کھینچ بلایا اس کو

جو نہ در تک کبھی آیا تھا وہ باہر نکلا

وادی عشق کی سیریں کوئی ہم سے پوچھے

خضر کیا جانے کبھی گھر سے نہ باہر نکلا

عشق نے خوب کیا ظاہر و باطن یکساں

داغ جو سینے پہ دیکھا وہی دل پر نکلا

زلف ہے دام بلا گیسوئے پیچان زنجیر

یہی پھندے ہیں تو کبھی کوئی کیونکر نکلا

کند ہوتے ہے جو چل چل کے مری گردن پر

یہ نیا آپ کی تلوار کا جوہر نکلا

خاک سینے میں محبت نے اڑائی کیا کیا

اشک بھی آنکھ سے نکلا تو مکدر نکلا

ہم تو بے نام و نشاں آپ کی الفت میں ہوتے
آپ کا نام نکلنا تھا ستمگر نکلا

نام اس کا تو مرے دل میں نہ تھا ناصح
ہائے کمبخت ترے منہ سے یہ کیونکر نکلا

آفریں داغ تجھے خوب نباہی تو نے
مرحبا کوچہ دلدار سے مر کر نکلا

☆☆☆☆☆

49

کن بیکسوں کا پردہ یہ چرخ کہن ہوا
جیتوں کا پیرہن نہ مردوں کا کفن ہوا

دلگیر ہو کے غنچہ بہار چمن ہوا
دل تنگ بھی ہوا تو نہ اس کا دہن ہوا

دل کو سنبھالئے کہ میں ناوک فگن ہوا
نالہ مرا رقیب کے منہ کا سخن ہوا

جوش جنوں نے ساتھ دیا جوش حسن کا
ٹکڑے ادھر نقاب ادھر پیرہن ہوا

زخم کہن نے آج رولایا بہت لہو
اتری ہوئی بہار سے تازہ چمن ہوا

انکار وصل منہ سے نہ نکلا کسی طرح
اپنے دہن سے تنگ وہ غنچہ دہن ہوا

اے عشق سن لے کہیں فرہاد یہ صدا

تیشہ پکارتا ہے کہ میں کوہکن ہوا

تن تن کے دیکھتے ہیں مجھے غیر بار بار
میں انجمن میں آئینہ انجمن ہوا

آئینہ دیکھ دیکھ کے دو مجھ کو گالیاں
تم کو بھی تو یقیں ہو کہ پیدا دہن ہوا

کوسوں تک اُلٹے پاؤں چلا آہ میں غریب
جب تک مری نظر سے نہ پنہاں وطن ہوا

اے عندلیب تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا
دل داغ کھا کے کچھ نہ ہوا تو چمن ہوا

آتے ہی بخیہ گر کو یہ قطع و برید کب
دستِ جنوں سے ٹھیک مرا پیرہن ہوا

جب وہ کلام کرتے ہیں منہ دیکھتے ہی خلق
اُٹھتی ہیں اُنگلیاں کہ وہ پیدا دہن ہوا

جس لب کو صرف وعدہ نزاکت سے بار تھا
سنتا ہوں آج میں کہ وہ پیماں شکن ہوا

ہاتھوں سے جو بچے تری باتوں سے مر گئے
چٹکی میں تھا جو تیر وہ لب پر سخن ہوا

وہ اور ہیں جو پیتے ہیں موسم کو دیکھ کر
آتی رہی بہار میں توبہ شکن ہوا

ایمان کچھ وضو تو نہیں ہے کہ ٹوٹ جائے
اے شیخ کیا ہو اجو میں توبہ شکن ہوا

مجنوں دل رسیدہ کی تاثیر دیکھ لے

وحشت سے تیری ناقہ لیلی ہرن ہوا
مسجد قریب بتکدہ کیا بے چراغ تھے
شب کو امام شیخ کا اک برہمن ہوا
تہمت نہ رکھ خدا کے لئے مجھ پہ زاہدا
کب میں نے توبہ کی تھی جو توبہ شکن ہوا
چھیڑا جو اے جنوں اسے تو نے تو جان لے
تیرے گلے کا ہار میرا پیرہن ہوا
کیا غم سے پھولتا نہیں انساں چارہ گر
جو استخواں گھلا وہیں جزو بدن ہوا
لکھا ہوا ہے پیر مغاں کی کتاب میں
لاکھوں میں داغ ایک ہی توبہ شکن ہوا

☆☆☆☆☆☆☆☆

50

منتوں سے کہی نہ وہ حور شمائل آیا
کس جگہ آنکھ لڑی ہائے کہاں دل آیا
ہم نہ کہتے تھے نہ کر عشق پشیماں ہو گا
جو کیا تو نے وہ آگے ترے اے دل آیا
قہقہے قلقل مینا نے لگائے کیا کیا
مجھ کو مستی میں جو رونا سر محفل آیا
قتل کی سن کے خبر عید منائی میں نے
آج جس سے مجھے ملنا تھا گلے مل آیا
تا دم مرگ نہ ہو وہ مرے دشمن کو نصیب

جو مزا مجھ کو الٰہی دم بسمل آیا
مرقد قیس پر اب تک بھی تو خار صحرا
انگلیوں سے یہ بتاتے ہیں وہ محمل آیا
گنج قارون کے سوا بھی ہے عدم میں سب کچھ
ہائے دنیا میں نہ اس **ملک** کا حاصل آیا
جس نے کچھ ہوش سنبھالا وہ جوان قتل ہوا
عہد پیری نہ ترے عہد میں قاتل آیا
دین و دنیا سے گیا تو یہ سمجھ لے اے داغ
غضب آیا اگر اس بت پر ترا دل آیا

☆☆☆☆☆☆

51

طور کیوں خاک ہوا نور ترا ناز نہ تھا
نار تھا حضرت موسیٰ سے وہ دیدار نہ تھا
ہمیں چونکہ غم دل قابل اظہار نہ تھا
بات میں یار یہ بگڑا کہ کبھی یار نہ تھا
آسماں پاؤں پڑا ہے کہ قیامت ظالم
یوں تو چلتا ہوا ہر فتنہ رفتار نہ تھا
دل ہوا خاک تو اکسیر کسی نے جانا
تھا یہ جب مال تو کوئی بھی خریدار نہ تھا
ذکر مجنوں سے مجھے آگ لگی جاتی ہے
گرچہ ظاہر ہے تمہارا وہ طلب گار نہ تھا
یاد آتی تھی حسینوں کو یہ انداز جفا

یا کوئی اگلے زمانے میں خطا وار نہ تھا

شب کو کیونکر خلش دل نہ دکھاتی لذت

تیرا ارمان تھا پیکاں نہ تھا خار نہ تھا

غم جاوید کی لذت مرے دل سے پوچھو

مل گیا وہ مجھ سے میں جس کے سزاوار نہ تھا

بات کیا چاہئے جب مفت کی حجت ٹھہری

اس گنہ پر مجھے مارا کہ گنہگار نہ تھا

کیوں مرے بعد اٹھایا ستم عشق رقیب

کیا مرے داغ سے ظالم یہ گر انبار نہ تھا

سحر تھی چشم فسوں ساز کہ ملتے ہی نظر

میں نے پہلو میں جو دیکھا تو دل زار نہ تھا

ایک ہونے سے رقیبوں کے ہوا کیا کیا کچھ

غم نہ تھا رشک نہ تھا داغ نہ تھا خار نہ تھا

ایک ہی جلوہ دکھا کر مجھے دھوکے میں نہ ڈال

دل کہے یار ہی تھا میں یہ کہوں یار نہ تھا

جال اس زلف پریشاں نے بچھایا اے دل

لے سنبھل پھر یہ نہ کہنا کہ خبردار نہ تھا

دل کا سودا اور اس اغماز سے اور ایسی جگہ

داغ وہ انجمن ناز تھے بازار نہ تھا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تیرا اس کا چلتے چلتے جب پریشاں ہو گیا

تھک کے بیٹھا میرے دل میں اور پنہاں ہو گیا

آپ کی برہم مزاجی کا ٹھکانا ہی نہیں

یہ تو مجھ کمبخت کا حال پریشاں ہو گیا

لے لیا ہاتھوں میں مجھ کو دیکھ کر بے اختیار

آج ان کا پاسباں میرا نگہباں ہو گیا

کس کا طرہ کس کا گیسو کس کی کاکل کس کی زلف

سب بلائیں ہو گئیں جب دل پریشاں ہو گیا

سوزنِ عیسی مریم خار صحرا ہو گئے

زخم وامندار کس وحشی کا داماں ہو گیا

سینہ صد چاک سے لپٹا ہی رہتا ہے مدام

تو بھی دست جنوں میرا گریباں ہو گیا

اس سے بہتر کوئی صورت خود نمائی کی نہ تھی

جانتا ہوں جس لئے پردے میں انساں ہو گیا

دل میں لے دے کر رہا تھا ایک قطرہ خون کا

کچھ نیاز غم ہوا کچھ صرف مژگاں ہو گیا

بوسہ لے کر دل دیا ہے اور پھر ناداں ہیں داغ

کوئی جانے مفت میں حضرت کا نقصاں ہو گیا

☆☆☆☆☆☆

53

وہ رات کونسی گذری جو اضطراب نہ تھا

جب آنکھ دی تھی خدا نے مجھے تو خواب نہ تھا

یہ داغ رند کب آلودۂ شراب نہ تھا

خراب آج ہوا آج تک خراب نہ تھا

مرے سوال کے معنی وہ مجھ سے کہہ دیتے

مگر سوال کا میری کوئی جواب نہ تھا

نگاہ شوق پہ الزام بیقراری کا

تمہاری برق تجلّی کو اضطراب نہ تھا

نہ پوچھئے مری روز سیاہ کی ظلمت

چراغ لے کے بھی ڈھونڈھا تو آفتاب نہ تھا

وہ جب چلی تو قیامت بپا تھی چار طرف

ٹھہر گئے تو زمانے کو انقلاب نہ تھا

کہا انہوں نے شب غم کا ماجرا سن کر

تری مزاج کی شوخی تھی اضطراب نہ تھا

لگی نہ آنکھ مری چشم پاسباں کی قسم

شب فراق کہیں دیکھنے کو خواب نہ تھا

وہ پہنچے غیر کے گھر جان کر شراب وعدہ

ہمارے روز سیہ میں جو آفتاب نہ تھا

پیامبر کی زباں بات پہ جور کی

شریک حال مری دل کا اضطراب نہ تھا

ہمارے حال کو جس نے سنا کہا سب جھوٹ

کوئی زبان نہ تھی جس پہ یہ جواب نہ تھا

ملا ہمیں دل پہ داغ کا نشاں اتنا

جلی کباب کی بو تھی مگر کباب نہ تھا

جوان ہوئی تو قیامت ہوئی خدا کی پناہ

وہ جب بھی فتنہ تھے جب عالم شباب نہ تھا
ہزار پردوں میں مشتاق دیکھ لیتے ہیں
اسے حجاب تھا موسیٰ کو تو حجاب نہ تھا
پیامبر تجھے لاکھوں سوال کرنے تھے
نہ تھا ہزار میں اک بات کا جواب نہ تھا
کل اس نگاہ میں شوخی تھی کس قیامت کی
لڑا ہوا تو مرے دل کا اضطراب نہ تھا
نہ پوچھ مجھ سے مرے جرم داور محشر
مرے گناہوں کا دنیا میں بھی حساب نہ تھا
اگرچہ بادہ کشی تھی گناہ اے زاہد
جو تجھ سے چھین کے پیتا تو کچھ عذاب نہ تھا
ازل میں عشق کے بدلے ملا نہ کیوں دوزخ
اگر عذاب ہی دنیا تھا واں عذاب نہ تھا
ہزار شکر مرا چشم تر نے ساتھ دیا
رہ عدم میں کہیں ایک قطرہ آب نہ تھا
سنا کلام جو رندوں کا شیخ چکرایا
وہاں تو بات کا چھینٹا بھی بے شراب نہ تھا
مرے سوا تری محفل میں رات کو ظالم
وہ کون تھا کس و ناکس جو باریاب نہ تھا
بغیر داغ کے جنت تمہاری بزم رہی
ہزار شکر کہ وہ خانماں خراب نہ تھا

☆☆☆☆☆☆

کیونکر اس کی نگہ ناز سے جینا ہو گا
زہر دی اس پہ یہ تاکید کہ پینا ہو گا

تیری مژگاں کی نہ تھی دست درازی مشہور
دل جھپٹ کر کسی رہ گیر کا چھینا ہو گا

چاک دل تیغ تغافل سی کیا ہے تم نے
رشتہ تار نظر سے تمہیں سینا ہو گا

حشر میں سر سے گذر جائے گا طوفان جس کا
وہ ہماری ہی خجالت کا پسینا ہو گا

خلد میں پھر کسی کافر ہی کا دل بہلے گا
گر نہ معشوق و مے و ساغر و مینا ہو گا

خاک کر دے گی تری برق تجلی اک دن
طور سینا تری مشتاق کا سینا ہو گا

امتحاں کر کے ترا صاف پشیماں ہوئے
ہم نے جانا تھا رقیبوں سے بھی کہنا ہو گا

تیرا دو روز کا وعدہ بھی نہیں حشر سے کم
ایک اک دن مجھے ایک ایک مہینہ ہو گا

چین دیتے نہیں وہ داغ کسی طرح مجھے
میں جو مرتا ہوں تو کہتے ہیں کہ جینا ہو گا

☆☆☆☆☆☆☆☆

55

بے عشق تو جینا مجھے دم بھر بھے نہیں ہوتا

سودا جو نہ ہوتا تو مرا سر بھی نہ ہوتا

کیوں رنج دیئے دل کو جو فریاد کا ڈر ہے

تھی آپ کی مرضی کہ یہ مضطر بھی نہ ہوتا

عاشق نہ اگر اپنی جبیں رکھتے تو کافر

کعبہ تری دہلیز کا پتھر بھی نہ ہوتا

جی کس سے لگاتے شب فرقت میں الٰہی

بہلانے کو دل گر غم دلبر بھی نہ ہوتا

ہوتا نہ اگر قتل کا عالم کے ارادہ

سفاک ترے ہاتھ میں خنجر بھی نہ ہوتا

ہے واسطے ہر کام کے اک روز مقرر

ہوتا جو نہ انصاف تو محشر بھی نہ ہوتا

آتا جو یہاں روز جزا اے شب ہجراں

بڑھ کر تو کہاں تیرے برابر بھی نہ ہوتا

ظالم جو کہا اس کو یہ ہے حسن کی خوبی

بہتر تو یہی تھا کہ وہ بہتر بھی نہ ہوتا

غارت گر ایماں تو ہے اے داغ یہ کافر

گر عشق نہ ہوتا کوئی کافر بھی نہ ہوتا

☆☆☆☆☆☆☆

56

مجھ سے بہترا مرا ملال رہا

کہ ترے دل میں مہ جمال رہا

لاگ نے دل کے کہہ دیا سب سے

اسی کمبخت کا خیال رہا

مل چکے بس ملیں گے خاک میں ہم

ہو چکا وصل تو وصال رہا

عشق کے زور شور تو دیکھو

جو بہلایا وہی خیال رہا

ذکر روز جزا پہ کہتے ہیں

اور جو ہم پہ ہی انصال رہا

تو نے آرام کچھ دیا اے مرگ

زندگی کیا رہے وبال رہا

شب غم بھی گذر ہی جائے گا

نہ رہے گا نہ ایک حال رہا

دل ہمارا وہ چیز ہے جس کا

لب معشوق پہ سوال رہا

داغ نے حال دل کہا اس نے

کچھ بھی کمبخت کو خیال نہ رہا

☆☆☆☆☆☆

57

جب تک کہ مرے گر یہ سے طوفان نہ ہوا تھا

الفت میں کوئی کار نمایاں نہ ہوا تھا

دل میں نے دیا تھا اسے کچھ سوچ کے اپنا

سودا تو مجھے ناصح ناداں نہ ہوا تھا

شامت مری جو میں نے مسیحا انہیں جانا

آئے تھی اجل درد کا درماں نہ ہوا تھا

فرہاد کے مر جانے کا مذکور نہ کیجئے

کچھ آپ کی تلوار کا احسان نہ ہوا تھا

تیزی نہ کر اتنی رگ گردن پہ کہ ہم سے

کچھ تیرا گنہ خنجر براں نہ ہوا تھا

محشر میں بھی عشاق کا سر اٹھنے نہ دیتا

دنیا میں بھلے کو ترا احسان نہ ہوا تھا

لخت دل صد چاک نے یہ رنگ دکھایا

یوں صورت گل غنچہ پیکاں نہ ہوا تھا

بے خود جو ہوا میں تو غضب ٹوٹ پڑا ہے

آئینہ تمہیں دیکھ کے حیراں نہ ہوا تھا

اس وعدہ فراموش کا اللہ رے تغافل

گویا نہ کیا تھا کبھی پیاں نہ ہوا تھا

دل داغ نے کیوں خاک کیا صبر ہی کرتا

اتنا نہ ہوا تھا کوئی خواہاں نہ ہا تھا

☆☆☆☆☆☆

58

بشر نے خاک پایا لعل پایا گہر پایا

مزاج اچھا اگر پایا تو سب کچھ اس نے بھر پایا

ملا تو کیا ملا پایا تو کیا جب ڈھونڈ کر پایا

مزا ہے دل کے کھونے کا ادھر کھویا ادھر پایا

مری فریاد میرے کان میں اے کاش یہ کہدے

نہ کیجئے جستجو لیجئے مبارک ہو اثر پایا

نفس کے آنے جانے پر بشر کی زندگی ٹھہری

یہ پوچھو تو مسافر تو نے کیا لطف سفر پایا

جراحت کا مزا ہے چارہ گر ناسور ہو جائے

بندھا جس زخم کا انگور اس نے کیا ثمر پایا

کیا تھا دفن کشتی کو تمہارے قبلہ رو لیکن

خدا جانے کہ منہ اس کا فرشتوں نے کدھر پایا

جو تم سے رنج بھی کے کسی کو تو زہے قسمت

ہمیں دیکھو کہ اپنے حوصلے سے بیشتر پایا

دل گم گشتہ کی مذکور پر تم کھوئے جاتے ہو

بڑی چوری ملے گی زلف پر خم میں اگر پایا

ہمارا میکدہ بھی ایک دن بن جائے گا کعبہ

دکھا دیں گے تجھے اے شیخ وہ جنت میں گھر پایا

وہ میرا چھیڑنا آغاز الفت میں شکایت سے

وہ رکھ کر ہاتھ کانوں پر ترا کہنا کہ بہر پایا

نہ کھایا تھا کبھی خون جگر ہم نے مگر کھایا

نہ پایا تھا کبھی آزار الفت میں مگر پایا

تمہاری رہگذر میں لوگ دیوانہ بناتے ہیں

کہا مجھ سے ترا دل ہے کسی نے کچھ اگر پایا

صبا آتی ہے اس گم گشتہ کی بو آج کچھ تجھ میں

ہمارا نام برپا یا کہاں پایا کدھر پایا

رہی ہے رات بھر تھم تھم کے رہ رہ کر چھپ کے دل میں

جگایا لے کے چٹکی درد نے جب بے خبر پایا
رئیس مصطفیٰ آباد کے نوکر ہوئے جیسے
کہیں کیا داغ ہم آرام ہم نے کس قدر پایا

☆☆☆☆☆☆☆☆

59

رو کش اس چین جبیں سے خم گیسو نہ ہوا
نہ ہوا مد مقابل بجز ابرو نہ ہوا
عاشق چہرہ ہوا بندہ گیسو نہ ہوا
دل تو کافر بھی کتابی ہوا ہندو نہ ہوا
کسی دشمن کو مرے صدمہ سر مو نہ ہوا
رنج کا دل نہ ہوا درد کا پہلو نہ ہوا
شوق بوسہ اسے کہتے ہیں کہ میرے دل میں
لب معشوق ہوا تیر ترازو نہ ہوا
جب خیال ان کو ہوا اس کے ہم آنسو پونچھیں
وائے تقدیر مری آنکھ میں آنسو نہ ہوا
کر لئے جمع حسینوں نے ہزاروں فتنے
عرصہ حشر ہوا گوشہ ابرو نہ ہوا
شمع پر سینک کے تکیے بھی بغل میں ڈالے
گرم جب بھی تو شب ہجر میں پہلو نہ ہوا
لڑتی ہیں کچھ عجب انداز سے نیچی نظریں
کوئی آئینہ ہوا آپ کا زانو نہ ہوا
ہڈیاں گھل گئیں سینے کی گداز غم سے

گھل کے پیکاں ترے تیر کا آنسو نہ ہوا

نام رکھتے ہیں مسیحا کو وہ یہ کہہ کہہ کر

لب میں اعجاز ہوا آنکھ میں جادو نہ ہوا

درد بھی سینے سے اٹھ کر نہ بغل تک پہنچا

شب فرقت میں اس کو بھی پہلو نہ ہوا

کسی حلقے سے کمان کے نہ ہوا صید یہ دل

کھینچ کے جب تک وہ کماندار کا ابرو نہ ہوا

بزم اغیار کا مذکور ہے میرے آگے

وہ بھی اس طرح کہ افسوس وہاں تو نہ ہوا

جبکہ موسیٰ کو غش آیا تھا یہ چھینٹا دیتا

شعلہ برق تجلی مگر آنسو نہ ہوا

جب عمل ان کے تلیں گے تو کہیں گے مے کش

آج کور طل گراں سنگ ترازو نہ ہوا

ایک دن غیر کے پہلو میں انہیں دیکھا تھا

جب سے وہ بات نہ کی جس میں کہ پہلو نہ ہوا

چند گو لطف ملاقات اسے کہتے ہیں

خوش کبھی نہ ہوا شاد کبھی تو نہ ہوا

دل کا جویا ہے یہاں تک تو وہ دلبر میرا

مول تصویر نہ لی جس میں کہ پہلو نہ ہوا

بد گمانی نے ہمیں رات کو آوارہ کیا

کہ جہاں ہم گئے اے شوخ وہاں تو نہ ہوا

اے حنا تیرے تلوں سے مجھے حیرت ہے

سبز سے سرخ ہوا رنگ ترا بو نہ ہوا

مرثیہ ہم دل مقتول کا پڑھتے اے داغ

ان کی مجلس میں مگر کوئی بھی بازو نہ ہوا

☆☆☆☆☆☆☆

60

آئینہ تصویر کا تیرے نہ لے کر رکھ دیا

بوسے لینے کے لئے کعبے میں پتھر رکھ دیا

ہم نے ان کے سامنے اول تو خنجر رکھ دیا

پھر کلیجا رکھ دیا دل رکھ دیا سر رکھ دیا

قطرۂ خون جگر سے کی تواضع عشق کی

سامنے مہمان کے جو تھا میسر رکھ دیا

منصفی ہو تو غضب نا منصفی ہو تو ستم

اس نے میرا فیصلہ موقوف مجھ پر رکھ دیا

نامہ بر کہتا ہے مجھ سے کیا کرامت ہے تمھیں

جو وہ لکھتے وہ بھی تم نے خط میں لکھ کر رکھ دیا

سن لیا ہے پاس حوروں کے پہنچتے ہیں شہید

اس لئے لاشے پہ میرے اس نے پتھر رکھ دیا

شوق بھی ہے وہم بھی ہے کیا کروں اے نامہ بر

کل جو لکھا کاٹ کر وہ آج دفتر رکھ دیا

کہتے ہیں بوئے وفا آتی ہے ان پھولوں میں آج

دل جو ہم نے لالہ و گل میں ملا کر رکھ دیا

قتل کو میرے مری حسرت ادا تیری نہ تھی

نام اک لوہے کے ٹکڑے کا جو خنجر رکھ دیا
کل چھڑا لیں گے یہ زاہد آج تو ساقی کے ہاتھ
رہن اک چلو پہ ہم نے حوض کوثر رکھ دیا
آتش دوزخ پہ ہو گا آتش تر کا گماں
کسی میکش نے اپنا دامن تر رکھ دیا
ذبح کرتے ہی مجھے قاتل نے دھوئے اپنے ہاتھ
اور خون آلودہ خنجر غیر کے گھر رکھ دیا
زندگی میں پاس سے دم بھر نہ ہوتی تھی جدا
قبر میں تنہا مجھے یاروں نے کیونکر رکھ دیا
دیکھئے اب ٹھوکریں کھاتی ہے کس کس کی نگاہ
روزن دیوار میں ظالم نے پتھر رکھ دیا
شام ہی سے لوٹتا ہے مجھ کو انگاروں پر آج
اس لئے میں نے الگ تہ کر کے بستر رکھ دیا
تیرے مژگاں کے تصور نے دل بیتاب میں
ایک ترکش رکھ دیا اک گنج نشتر رکھ دیا
کعبہ کیسا خلد میں لے جائیں تیرا سنگ در
اتنی منت ہے کہ یاں سے وہاں اٹھا کر رکھ دیا
زلف خلای ہاتھ خالی کس جگہ ڈھونڈھیں اسے
تم نے دل لے کر کہاں اے بندہ پرور رکھ دیا
داغ کی شامت جو آئی اضطراب شوق میں
حال دل کمبخت نے سب ان کے منہ پر رکھ دیا

☆☆☆☆☆☆☆☆

یار کے غم میں پریشاں یہی یار رہا
صبر مرحوم کا اک دل ہی عزادار رہا
تھی شب قدر سے بھی قدر شب وعدہ سوا
کیا بتاؤں کہ کس امید پہ بیدار رہا
یاں بھی مشتاق کی قسمت میں کوئی جلوہ ہے
یا فقط حشر ہی پر وعدہ دیدار رہا
سچ تو یہ ہے کہ مزا شوق کا انکار سے ہے
شوق سا شوق رہا جب انہیں انکار رہا
کیجئے عشق بتاں میں بھی خدا کو شامل
کیا رہا خوف جب اللہ مددگار رہا
لطف فرما جو وہ رہتا تو ٹھکانا ہی نہ تھا
عین حکمت تھی وہ کافر جو دل آزار رہا
خاک میں دل کی صفائی نے ملایا مجھ کو
کہ مرا ایک جہان واقف اسرار رہا
نہ ہوا گرمی وحشت سے میں ٹھنڈا نہ ہوا
دور ہی دور ترا سایہ دیوار رہا
اسی سینے میں چھپایا اسی پہلو میں رکھا
اور اس پر دل بیتاب نہ زنہار رہا
چشم پر شوق میں مژگاں ہیں زبان کے کانٹے
میں جواز بسکہ ترا تشنہ دیدار رہا
داغ دل کا نہ چھپا داغ بہت ڈالی خاک

شمع بن کر مرے مرقد پہ نمودار رہا

☆☆☆☆☆☆☆☆

62

کب ہوا اے بت بیگانہ منش تو اپنا
دل جو اپنا ہی نہیں اس پہ بھی قابو اپنا

تم کو آشفتہ مزاجوں کی خبر سے کیا کام
تم سنوارا کرو بیٹھے ہوئے گیسو اپنا

ابتدائے رمضاں میں ہے مہ عید کی دھوم
کسی کافر نے دکھایا نہ ہو ابرو اپنا

بعد میرے نہ رہا دیکھنے والا کوئی
تم زمانے کو دکھاؤ رخ نیکو اپنا

نہ بنا ہو یہ کہیں غیر کے سر کا تکیہ
مسکراتے ہیں وہ کیوں دیکھ کے زانو اپنا

آتش دل ہی غنیمت ہے شب فرقت میں
گرم رہتا ہے اسے آگ سے پہلو اپنا

حق میں عاشق کی بھلا ہو کہ برا ہو کچھ ہو
فائدہ دیکھ لیا کرتے ہیں خوشرو اپنا

وہی ہم تھے کہ جو روتوں کو ہنسا دیتے تھے
اب ہے یہ حال کہ تھمتا نہیں آنسو اپنا

لگ گئی چپ تجھے اے داغ حزیں کیوں ایسے
مجھ کو کچھ حال تو کمبخت بتا تو اپنا

☆☆☆☆☆

دیکھنا حشر میں جب تم پہ مچل جاؤں گا
میں بھی کیا وعدہ تمہارا ہوں کہ ٹل جاؤں گا

آؤ مل جاؤ کہ یہ وقت نہ پاؤ گے کبھی
میں بھی ہمراہ زمانے کے بدل جاؤں گا

اس قدر خوف ہے مجھ کو ستم پنہاں کا
یک بیک لطف بھی کیجئے تو دہل جاؤں گا

ناوک یار سے یہ دل نے کہا مجھ کو نہ چھوڑ
سائے کے ساتھ ترے میں بھی نکل جاؤں گا

ان سے پوچھوں گا کسی پردہ میں احوال رقیب
زہر کے گھونٹ نگلتے ہیں نگل جاؤں گا

دل لگاتا نہ کبھی وارفتا میں ہر گز
کیا خبر تھی مجھے آج آؤں گا کل جاؤں گا

اپنے سر کوئی بھی لیتا ہے پرائی آفت
طور آگاہ نہ تھا اس سے کہ جل جاؤں گا

جلوۂ یار ہے گو ہوش ربا اے ناصح
میں تجھے لے لے کے گروں گا تو سنبھل جاؤں گا

قبر میں حسرت و ارماں ہیں غنیمت اے داغ
رفتہ رفتہ انہیں یاروں میں بہل جاؤں گا

☆☆☆☆☆☆☆

جہاں میں کیا نہ ڈھونڈھا کیا نہ پایا

مزاج ان کا دماغ ان کا نہ پایا
مزا کچھ تم نے اے موسیٰ نہ پایا
وہ پایا اس طرح گویا نہ پایا
تری جانب ہے پھر جاتی خدائی
مگر کافر تجھے اتنا نہ پایا
چھپایا تھا تمہاری زلف نے دل
کہو ایمان سے پایا نہ پایا
خوشی نہ ملتی تو کیا ملتی ازل میں
غنیمت ہے کہ غم تھوڑا نہ پایا
ملا مصر محبت میں جو ہم کو
زلیخا نے بھی وہ سودا نہ پایا
ترے دست حنائی میں بھی ہے چور
کسی کو ہاتھ کا سچا نہ پایا
گہر کی آبرو ہے جوہری سے
پڑا پایا تو مول اچھا نہ پایا
خزاں ہی خوب تھی بھر نشیمن
چمن میں ایک بھی تنکا نہ پایا
تصور میں مری تیری کمر ہے
اسی دنیا سے کچھ عنقا نہ پایا
ہم اس کی بزم میں کھوئے گئے تھے
رقیبوں نے ہمیں پایا نہ پایا
اگرچہ قیس نے عشق و جنوں کا

مزا پایا مگر ایسا نہ پایا

ہوئے جس دن سے تم رشک مسیحا

زمانے میں کوئی اچھا نہ پایا

قیامت کا کیا ہے اس نے وعدہ

قیامت ہے اگر تنہا نہ پایا

سفارش ہم ترے کرتے پر اے داغ

کچھ ان کا تجھ سے رخ اچھا نہ ناپایا

☆☆☆☆☆☆☆☆

65

عجب اپنا حال ہوتا جو وصال یار ہوتا

کبھی جان صدقے ہوتے کبھی دل نثار ہوتا

کوئی فتنہ تا قیامت نہ پھر آشکار ہوتا

ترے دل پہ کاش ظالم مجھے اختیار ہوتا

جو تمہاری طرح تم سے کوئی جھوٹے وعدے کرتا

تمہیں منصفی سے کہدو تمہیں اعتبار ہوتا

غم عشق میں مزا تھا جو اسے سمجھ کے کھاتے

یہ وہ زہر ہے کہ آخر مے کوشگوار ہوتا

یہ مزہ تھا دل لگی کا کہ برابر آگ لگتی

نہ تجھے قرار ہوتا نہ مجھے قرار ہوتا

یہ مزا ہے دشمنی میں نہ ہے لطف دوستی میں

کوئی غیر غیر ہوتا کوئی یار یار ہوتا

ترے وعدے پر ستمگر ابھی اور صبر کرتے

اگر اپنی زندگی کا ہمیں اعتبار ہوتا

یہ وہ درد دل نہیں ہے کہ ہو چارہ ساز کوئی

اگر ایک بار مٹتا تو ہزار بار ہوتا

گئے ہوش تیرے زاہد جو وہ چشم مست دیکھی

مجھے کیا الٹ نہ دیتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

مجھے مانتے سب ایسا کہ عدو بھی سجدے کرتے

دریار کعبہ بنتا جو مرا مزار ہوتا

تمھیں ناز ہو نہ کیونکر کہ لیا ہے داغ کا دل

یہ رقم نہ ہاتھ لگتی نہ یہ افتخار ہوتا

☆☆☆☆☆☆☆☆

66

جلوہ دیکھا تری رعنائی کا

کیا کلیجا ہے تماشائی کا

رہ گیا عرش سے آگے جا کر

ہائے عالم مری تنہائی کا

یوں نہ ہو برق تجلی بیتاب

مل گیا رنگ تماشائی کا

یاد آتا ہے وہ رسوا کر کے

رنج کرنا مری رسوائی کا

آئی شوخی میں کہاں سے تمکین

پڑ گیا صبر تمنائی کا

اے لب یار جلا دے دل کو

واسطہ اپنے مسیحائی کا

روز دیدار خدا خیر کرے

معرکہ ہے تری زیبائی کا

اب تصور سے بھی گھبراتا ہوں

کیا مزا ہے مجھے تنہائی کا

منہ سے بولے تو کہا آئینہ

کھیل کھیلے تو خود آرائی کا

ضعف نے دل کو تڑپنے نہ دیا

ہو گیا نام شکیبائی کا

ان کی شہرت بھی مٹی جاتی ہے

کیا ٹھکانا مری رسوائی کا

کیا تصور بھی نہ آنے دے گی

منہ تو دیکھو شب تنہائی کا

داغ کی قبر مٹا کر بولے

یہ نشان تھا اسی سودائی کا

☆☆☆☆☆☆☆☆

67

خاطر سے یا لحاظ سے میں مان تو گیا

جھوٹی قسم سے آپ کا ایمان تو گیا

دل لے کے مفت کہتے ہیں کچھ کام نہیں

الٹی شکایتیں ہوئیں احسان تو گیا

ڈرتا ہوں دیکھ کر دل بے آرزو کو میں

سنسان گھر یہ کیوں نہ ہو مہمان تو گیا

کیا آئے راحت آئی جو کنج مزار میں

وہ ولولہ وہ شوق وہ ارمان تو گیا

دیکھا ہے بتکدے میں جو اے شیخ کچھ نہ پوچھ

ایمان کی تو یہ ہے کہ ایمان تو گیا

افشائے راز عشق میں گو ذلتیں ہوئیں

لیکن اسے جتا تو دیا جان تو گیا

گو نامہ بر سے خوش نہ ہوا پر ہزار شکر

مجھ کو وہ میرے نام سے پہچان تو گیا

بزم عدو میں صورت پروانہ دل مرا

گو رشک سے جلا ترے قربان تو گیا

ہوش و حواس و تاب و تواں داغ جا چکے

اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا

☆☆☆☆☆☆

68

شکر کرتا ہوں کہ شکوہ نہیں لب پر آیا

دیکھ تو کون وہ اے داور محشر آیا

خواب میں بھی نہ کسی شب وہ ستمگر آیا

وعدہ ایسا کوئی جانے کہ مقرر آیا

مجھ سے میکش کو کہاں صبر کہاں کی توبہ

لے لیا دوڑ کے جب سامنے ساغر آیا

ناوک یار کی واجب ہے تواضع اے دل

پھر نجانے کہیں مہمان مرا گھر آیا

غیر کے روپ میں بے جا ہے جلانے کو مرے

نامہ بروں کا نیا بھیس بدل کر آیا

سخت جانی سے مری جان بچی گی کب تک

ایک جب کند ہوا دوسرا خنجر آیا

وہ سنایا ہی کئے ایک کی سو سو مجھ کو

حرف مطلب مرے لب پر نہ مگر آیا

میں ہوں وہ تیز رو راہ محبت اے خضر

سایہ میرا نہ کبھی میرے برابر آیا

میرے افسانہ کو پورا نہ ہوا روز جزا

ڈھل گیا دن تو یہ جانا کہ گھڑی بھر آیا

داغ تھا درد تھا غم تھا کہ الم تھا کچھ تھا

لے لیا عشق میں جو ہم کو میسر آیا

عشق تاثیر ہی کرتا ہے کہ اس کافر نے

جب مرا حال سنا سنتے ہی جی بھر آیا

رشک کہتا ہے کہ قاصد کے ملا اس نے عطر

کہ مرے نام کا خط اب کے معطر آیا

شب وعدہ نہ ہوا ایک جگہ مجھ کو قرار

صبح تک میں کبھی گھر میں کبھی باہر آیا

اس قدر شاد ہو گویا کہ ملی ہفت اقلیم

آئینہ ہاتھ میں آیا کہ سکندر آیا

اس کے لکھے کو مٹا کر ہمیں کچھ لکھ دیتے

کیا کریں سامنے اپنا نہ مقدر آیا

غیر نے آج کیا مہر و وفا کا دعویٰ

تمھیں انصاف سے کہدو تمھیں باور آیا

رنج اتنا نہیں میرا جسے لکھے کوئی

یہ مرے نامہ اعمال میں کیونکر آیا

وصل میں ہائے وہ اترا کے مرا بول اٹھنا

اے **فلک** دیکھ تو یہ کون مرے گھر آیا

نالہ وہ نالہ مرا جس سے **فلک** کانپ گیا

خوف آیا نہیں کیا ان کو مقرر آیا

راہ میں وعدہ کریں جاؤں جو گھر پر تو کہیں

کون ہے کس نے بلایا اسے کیونکر آیا

داغ کے نام سے نفرت ہے وہ **جل** جاتے ہیں

ذکر کمبخت کا آنے کو تو اکثر آیا

☆☆☆☆☆☆☆

69

ہجر میں عیش گزشتہ جو مجھے یاد آیا

داد بیداد کو ہنگامہ فریاد آیا

کبھی مسجد میں جو وہ شوخ پریزاد آیا

پھر نہ اللہ کے بندوں کو خدا یاد آیا

تھم ذرا اور نہ گرا ٹوٹ کے یہ خانہ خراب

گنبد چرخ اب اے شورش فریاد آیا

کس کے آنے کا تصور ہے کہ ہر دم ہر وقت

ہے ترا تکیہ کلام اے دل ناشاد آیا

جلوہ گر کعبہ دل میں ہے وہ بت اے زاہد
کہہ کے لبیک یہاں عشق خدا داد آیا

اپنے سر کی مرے لاشے نے بلائیں لے لیں
دست قاتل کا جو انداز مجھے یاد آیا

چھوٹ کر کنج قفس سے بھی یہ کھٹکا نہ گیا
جب صبا آئی تو جانا وہی صیاد آیا

یہ وہ گھر ہے کہ خوشی کا تو یہاں کیا مذکور
غم بھی آیا مرے دل میں تو بہت شاد آیا

سخت جان کوئی نہ تھا اہل ہوس میں یا رب
ٹوٹ کر بھی نہ ادھر خنجر جلاد آیا

آتش غم نے جلایا ہے سراپا ایسا
میری سائے میں نہ میرا کبھی ہمزاد آیا

غیر جب ذبح ہوا تجھ کو مرے سر کی قسم
کچھ مزا بھی تجھے اے خنجر فولاد آیا

حشر کیا شے ہے فقط چار پہر کا جھگڑا
دیکھنا پھر میں سو عالم ایجاد آیا

رات بھر شور رہا ہے ترے ہمسائے میں
کس کے ارمان بھرے دل کو خدا یاد آیا

پہلے ہی میری رگ جان میں لگایا نشتر
پٹی آنکھوں پہ مگر باندھ کے فصاد آیا

دھجیاں اس کی فرشتوں نے اڑائیں کیا کیا

ہاتھ میں ان کے جو مراد اُس فریاد آیا

عارض آئینہ جبیں آئینہ رخ آئینہ

اپنا منہ دیکھنے آگے ترے بہزاد آیا

داغ کو تم نے بھلایا ہے کچھ ایسا دل سے

وہ تو کیا شعر بھی اس کا نہ یاد آیا

☆☆☆☆☆☆

70

کونسا طائر گم گشتہ اسے یاد آیا

دیکھتا بھالتا ہر شاخ کو صیاد آیا

میرے قابو میں نہ پہروں دل نا شاد آیا

وہ مرا بھولنے والا جو مجھے یاد آیا

کوئی بھولا ہوا انداز ستم یاد آیا

کہ تبسم تجھے ظالم دم بیداد آیا

لائے ہیں لوگ جنازے کی طرح محشر میں

کس مصیبت سے ترا کشتہ بیداد آیا

جذب وحشت ترے قربان ترا کیا کہنا

کھنچ کے رگ رگ میں مرے نشتر فصاد آیا

اس کے جلوے کو غرض کون و مکاں سے کیا تھے

داد لینے کے لئے حسن خدا داد آیا

بستیوں سے یہی آواز چلی آتی ہے

جو کیا تو نے وہ آگے ترے فرہاد آیا

دل ویراں سے رقیبوں نے مرادیں پائیں

کام کس کس کے مرا خرمن برباد آیا

عشق کے آتے ہی منہ پر مرے پھولی ہے بسنت

ہو گیا زرد یہ شاگرد جب استاد آیا

ہو گیا فرض مجھے شوق کا دفتر لکھنا

جب مرے ہاتھ کوئی خامہ فولاد آیا

عید ہے قتل مرا اہل تماشا کے لئے

سب گلے ملنے لگے جبکہ وہ جلاد آیا

چین کرتے ہیں وہاں رنج اٹھانے والے

کام عقبیٰ میں ہمارا دل ناشاد آیا

دی شب وصل موذن نے اذان پچھلی رات

ہائے کمبخت کو کس وقت خدا یاد آیا

میرے نالے نے سنائی ہے کھری کس کس کو

منہ فرشتوں پہ یہ گستاخ یہ آزاد آیا

غم جاوید نے دی مجھ کو مبارکبادی

جب سنا یہ کہ انہیں شیوہ بیداد آیا

میں تمنائے شہادت کا مزا بھول گیا

آج اس شوق سے ارمان سے جلاد آیا

شادیانہ جو دیا نالہ و شیون نے دیا

جب ملاقات کو ناشاد کی ناشاد آیا

لیجئے سنئے اب افسانہ فرقت مجھ سے

آپ نے یاد دلایا تو مجھے یاد آیا

آپ کی بزم میں سب کچھ ہے مگر داغ نہیں

ہم کو وہ خانہ خراب آج بہت یاد آیا

☆☆☆☆☆

71

اس قدر ناز ہے کیوں آپ کو یکتائی کا

دوسرا نام ہے وہ بھی مری تنہائی کا

کیا چھپے راز الٰہی دل شیدائی کا

عرصہ حشر تو بازار ہے رسوائی کا

جان لے جائے گا آنا شب تنہائی کا

کون اب روکنے والا ہے مری آئی کا

خوگر رنج و بلا حشر کے دن کیا خوش ہوں

کہ وصال آج ہوا ہے شب تنہائی کا

زندہ ہے نام شہادت کا اس کے دم سے

تیری کشتہ نے کیا کام مسیحائی کا

ہر گلی کوچے میں پامال اسے ہو جانا

دل ہے یا نقش قدم ہے کس ہرجائی کا

اس ادب سے تہہ شمشیر تڑپنا اے دل

کہ گمان تیری تپش پر ہو شکیبائی کا

فتنے بھی قاعدے سے اٹھتے ہیں جب اٹھتے ہیں

کیا سلیقہ ہے تمہیں انجمن آرائی کا

وہ یہ کہتے ہیں مرا صبر پڑے گا تجھ پر

اب مجھے رنج نہیں اپنی شکیبائی کا

کیا غرض ہے مری تقدیر کو مجھ سے پوچھے

آبرو کا ہے طلبگار کہ رسوائی کا

واں شب وعدہ ملی انوں میں مہندی اس نے

یاں کلیجا کوئی ملتا ہے تمنائی کا

رات بھر شمع رہی ہجر میں وہ بھی خاموش

ملتجی تھا تری تصویر سے گویائی کا

سر مرا کاٹ کے دہلیز پر اپنے رکھ دو

شوق باقی ہے ابھی ناصیہ فرسائی کا

یوں نہ مقبول ہوا ہو گا کسی کا سجدہ

بت کو ارماں رہا میری جبیں رسائی کا

ہو گیا پر تو رخسار سے کچھ اور ہی رنگ

میں نے منہ چوم لیا اس کے تماشائی کا

تھم گئے جم گئے آنکھوں میں لہو کے قطرے

خون ظاہر ہے مرے صبر و شکیبائی کا

بن گیا داغ جگر مہر قیامت اے داغ

پر ابھی رنگ وہی ہے شب تنہائی کا

☆☆☆☆☆☆☆

72

ذرا وصل پر ہو اشارا تمہارا

ابھی فیصلہ ہے ہمارا تمہارا

بتو دین و دنیا کافی ہے مجھ کو

خدا کا بھروسا سہارا تمہارا

ان آنکھوں کی آنکھوں سے لوں میں بلائیں

میسر ہے جن کو نظارا تمہارا

محبت کے دعوے ملے خاک میں سب

وہ کہتے ہیں کیا ہے اجارا تمہارا

رکاوٹ نہ ہوتی تو دل ایک ہوتا

تمہارا ہمارا ہمارا تمہارا

برائی جو کی تم نے غیروں کی ہم سے

ہوا حال سب آشکارا تمہارا

نکل کر مرے گھر سے یہ جان لو تم

نہ ہو گا کسی گھر گذارا تمہارا

سنا ہے کسی اور کو چاہتا ہے

وہ دشمن ہمارا وہ پیارا تمہارا

کریں گے سفارش ہم اے داغ ان سے

اگر ذکر آیا دوبارا تمہارا

☆☆☆☆☆☆

73

کیا کہوں تیرے تغافل نے حیا نے کیا کیا

اس ادا نے کیا کیا اور اس ادا نے کیا کیا

بوسہ لے کر جان ڈالی غیر کی تصویر میں

یہ اثر تیرے لب معجز نما نے کیا کیا

یاں جگر پر چلی گئیں چھریاں کشی مشتاق کی

واں خبر یہ بھی نہیں ناز و ادا نے کیا کیا

میرے ماتم سے مرے قاتل کو نا خوش کر دیا

کیا کیا افسوس یہ اہل عزا نے کیا کیا
حشر میں پھرتے ہیں خوش خوش کیا وہ اتراتے ہوئے
اور کہتے ہیں مرا روز جزا نے کیا کیا
چاہ کر ہم تو حسینوں کو مزے لوٹا کیے
چند گو تیرے دل بے مدعا نے کیا کیا
رائیگاں جاتے نہیں محنت کسی کی ہم نشیں
ہم دکھا دیں گے ہماری التجا نے کیا کیا
مار ڈالا آپ اپنی رنج فرقت میں مجھے
اور پھر کہتا ہے ظالم یہ خدا نے کیا کیا
سنتے ہیں اے داغ ہم اس بت سے بگڑا ہے رقیب
غیب سے سامان دیکھو تو خدا نے کیا کیا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

74

چاہتا ہے کب مرنا کوئی سخت جان اپنا
تجھ کو چاہئے قاتل اول امتحان اپنا
جب یقیں عشق آیا پھر وہ بت کہاں اپنا
آ گئے غضب میں ہم دے کے امتحاں اپنا
لاکھ آفتیں آئیں لاکھ حسرتیں چھائیں
اک ترے نہ ہونے سے بھر گیا مکاں اپنا
غیر خوش ہے ہم ناخوش کاش مدعی ہوتا
ایک آسماں اس کا ایک آسماں اپنا
بچ رہے گا کوئی تو برق و باد باراں سے

ہر درخت پر باندھا ہم نے آشیاں اپنا

وہم ہی سہی ہم کو ہو گئی خطا ہم سے

بس نہ کھائیں قسمیں تھا غلط گماں اپنا

دل میں جس قدر ہے درد اس کو کیا یقیں آئے

داغ بے نمود اپنا زخم بے نشاں اپنا

دوست اور ایسا دوست ایک دم میں مر جائے

دل غریق رحمت ہو تھا مزاج داں اپنا

کر دیا مجھے بے خود شوق سجدہ نے کیسا

یہ نہیں خبر یہ ہے سنگ آستاں اپنا

دوستی کے پردے میں کون دشمنی کرتا

اس کی مہربانی ہے جو ہے مہرباں اپنا

لوگ ماجرائے غم پوچھنے کو آتے ہیں

بھیج دو مرے در پر کوئی پاسباں اپنا

واں برائی سے بھی اب تذکرہ نہیں آتا

ذکر خیر دیتا تھا رات دن جہل اپنا

ہائے میرے قاتل کو مفت کی ہے بدنامی

کام کر گئی ہوتی مرگ ناگہاں اپنا

ہم ستم رسیدوں کو زندگی مصیبت ہے

خضر پر دھرے احسان عمر جاوداں اپنا

دھوم صبح محشر کی داغ سنتے آتے ہیں

پر نہیں کچھ اندیشہ خواب ہے گراں اپنا

☆☆☆☆☆☆

دوست دشمن کو ترے ناز نے اکثر مارا
ایک ہی وار میں دونوں کو برابر مارا

پاس آنے نہ دیا آہ شرر افشاں نے
دور سے پھینک کے جلاد نے خنجر مارا

طائر نامہ بر اپنا تو نہ ہو اے تقدیر
آج سنتا ہوں کوئی اس نے کبوتر مارا

اے محبت دل آشفتہ کا سودا دیکھا
اس کی زلفوں سے لیا اور مرے سر مارا

قلزم عشق میں ہے گوہر مقصود اے دل
تو نے غوطہ نہ کبھی اس میں شناور مارا

یہ ستم طرفہ ستم ہے کہ تڑپتا ہی رکھا
جان سے تو نے کسی کو نہ ستمگر مارا

چشم کافر کی رہی بحث لب جاناں سے
کہ مرے مردے کو سو بار جلا کر مارا

ستم چرخ نے مارا ہے یہ ظاہر ہو جائے
اس لئے اڑ کے مری خاک نے چکر مارا

آسماں سے ترے کوچے میں بہت زور ہوئے
نہ ہٹے ایک قدم ہم نی جو لنگر مارا

مارنا دل کا سمجھتا ہوں جہاد اکبر
وہی غازی ہے بڑا جس نی یہ کافر مارا

سخت جانی سے یقیں تھا نہ مرے مرنے کا

موت سے پوچھتے ہیں وہ اسے کیونکر مارا

رہ گئی قتل گہ عام میں عزت میری

آج قاتل نے مجھے لاکھ میں چن کر مارا

مدعی کوئی بھی میدان سخن میں نہ رہا

تو نے کیا معرکہ اے داغ نخور مارا

☆☆☆☆☆☆

76

راز دل نے کوئی کہے لاکھ میں کیونکر اپنا

داور حشر جدا چاہئے محشر اپنا

خط میں لکھا ہے جو حال دل مضطر اپنا

واں بھٹکتا ہے پھرا ہائے کبوتر اپنا

توبہ کے بعد بھی خالی نہیں دیکھا جاتا

دور رہتا ہے بھرا شیشہ و ساغر اپنا

ہم تو برباد ہوئے عشق میں اپنے ہاتھوں

کوئی بد خواہ نہیں اپنے سے بڑھ کر اپنا

عشق کا لطف تو جب ہے کہ مجھے دے ڈالیں

زندگی اپنی خضر بخت سکندر اپنا

گو مری شکل سے نفرت ہے مگر بھر خبر

آدمی بھیجتے رہتے ہیں وہ اکثر اپنا

وہ ہمیں تھے کہ ترے جور سے گھبراتے تھے

وہ ہمیں ہیں کہ تقاضا ہے برابر اپنا

دھوم ہے کوچہ قاتل میں قیامت آئی

فیصلہ ہم بھی کیے لیتے ہیں چل کر اپنا

روز جاتا ہوں نئے روپ سے اس کے در پر

روز کہتا ہوں نیا نام بدل کر اپنا

ہم کسی کام میں تقدیر کے قائل ہی نہ تھے

کچھ نہ بن آئی تو کہتے ہیں مقدر اپنا

قتل پر میری فرشتے بھی گواہی کر دیں

دے دیا کاتب اعمال کو محضر اپنا

ہم فقیروں کو کہاں چین کہ وہ کہتے ہیں

میرے در پر سے اٹھا لیجئے بستر اپنا

داغ اس کا الم اس کا غم ہجراں اس کا

سینہ اپنا جگر اپنا دل مضطر اپنا

کم نہ تھی شوخی رفتار سے بے تابی شوق

راہ میں پاؤں پڑا ان کے برابر اپنا

موے کاکل سے تو کمزور مرے ہاتھ نہیں

چھین لیتا ہوں ابھی میں دل مضطر اپنا

سخت جانوں کا تو مشکل سے گلا کٹتا ہے

پہلے پتھر پہ لگا لیجئے خنجر اپنا

وہ زمانہ بھی تمھیں یاد ہے تم کہتے تھے

دوست دنیا میں نہیں داغ سے بہتر اپنا

☆☆☆☆

کچھ سعی سے اقبال میسر نہیں ہوتا

ہر آئینہ گر داغ سکندر نہیں ہوتا
دنیا میں مزا عشق سے بہتر نہیں ہوتا
یہ ذائقہ وہ ہے کہ میسر نہیں ہوتا
کیا کوئی زمانے میں ستمگر نہیں ہوتا
ہوتا ہے مگر تیرے برابر نہیں ہوتا
ہے حوصلہ مشق جفا اس کو الٰہی
پر کوئی گنہگار مقرر نہیں ہوتا
بیداد تری دیکھ کے یہ حال ہوا ہے
عاشق کوئی دنیا میں کسی پر نہیں ہوتا
رہتا ہے شب و روز بغل میں دل اپنا
تم ہوتے ہو جب پاس تو اکثر نہیں ہوتا
ہم چھیڑ سے کہہ دیتے ہیں کٹتے ہوئے ان کو
ملتے ہیں بہت ہاتھ جو خنجر نہیں ہوتا
میں صبر نہ کرتا کہ مرے حق میں الٰہی
بہتر یہی ہوتا کہ بہتر نہیں ہوتا
کیا مر نہیں جاتا قلق ہجر سے کوئی
باور نہیں آتا تمہیں باور نہیں ہوتا
رہزن ہی سے ہم پوچھتے ہیں راہ محبت
جب ہم کو میسر کوئی رہبر نہیں ہوتا
ہم شکوہ بیداد کہیں بھول نہ جائیں
دنیا میں بپا فتنہ محشر نہیں ہوتا
تم کہتے ہو معشوق اطاعت نہیں کرتے

عاشق بھی تو معشوق کا نوکر نہیں ہوتا

ہم جانتے ہیں آئے ہیں ماتم کو فرشتے

جس بزم میں شغل مے و ساغر نہیں ہوتا

عادت ہے عجب چیز بری ہو کہ بھلی ہو

مرتا ہوں جو بے چین گھڑی بھر نہیں ہوتا

اے داغ نہ دے جان محبت میں کہ نادان

پھر زندہ جہاں میں کوئی مر کر نہیں ہوتا

☆☆☆☆☆☆☆

78

راہ بر بن کر راہ الفت میں رہزن بن گیا

دل نے کی یہ دوستی ہم سے کہ دشمن بن گیا

ہو کے نازاں اپنی صورت پر ہوا ہے خود پرست

وہ بت کافر صنم بن کر برہمن بن گیا

شب کو جلتا چھوڑ آئے تھے دل اس کوچے میں ہم

وہ بھی قسمت سے چراغ راہ دشمن بن گیا

رہرواں معرفت کا واں سا جاتا ہے منہ

جادۂ راہ حقیقت تار سوزن بن گیا

کیا فروغ حسن ہے وہ شب کو ہمسائے میں تھے

خانہ تاریک میرا وشت ایمن بن گیا

ہے نزاکت مانع جنبش لب جاں بخش کو

کام تیرا خوب چشم سامری فن بن گیا

رہ سکی ثابت نہ جوش حسن سے اس کی نقاب

چاک چاک ایسا ہوا پردہ کہ چلمن بن گیا

کشت دل میں دیکھ تخم عشق کی بالیدگی

ہم تو قائل اس کے ہیں جو دانہ خرمن بن گیا

میرے مرنے سے کیا ظالم نے گو سامان عیش

پر لب مطرب پر آ کر نغمہ شیون بن گیا

ہاتھ اپنا چارہ گر اس کو لگا سکتا نہیں

دامن زخم جگر مریم کا دامن بن گیا

ہاتھ ڈالے تھے گلے میں ان کے میں نے خواب میں

کیا نزاکت کے نشان طوق گردن بن گیا

ناتواں ایسا کیا ہے خوف نے صیاد کے

واسطے میرے رگ گل کا نشیمن بن گیا

گل کھلاتا ہے خزاں میں بھی مرا وشت جنوں

جب اچھلے زخم کہن اک تازہ گلشن بن گیا

مست مے کل تک تو مے خانے میں تھا اور آج داغ

داغ مے دامن سے دھو کر پاک دامن بن گیا

☆☆☆☆☆☆

79

مزا عشق کا ہے پر افسوس رہنا

ہماری تمنا ہے مایوس رہنا

یہ قید محبت اک آزادگی ہے

مگر کوئی جانے بھی محبوس رہنا

یہ سیکھا ہے تو اشک غماز کس سے

مرے آنکھ میں بن کے جاسوس رہنا

کیا ہے رقیبوں نے سامان عشرت

خبردار اے چرخ منحوس رہنا

خوشا وہ زمانہ کہ تھا دل کا شیوہ

نہ مانوس رہنا نہ مایوس کہنا

الٹ دے ذرا روئے روشن سے پردہ

یہ کیا شمع سان زیر فانوس رہنا

وہ محشر خرام آئے گا سوئے گلشن

الگ اس سے اے کبک و طاؤس رہنا

محبت میں یوں داغ عزت رہے گی

کہ تم دشمن ننگ و ناموس رہنا

☆☆☆☆☆☆☆

80

کیا ہو سکے مقابلہ مژگاں یار کا

دل ایک ہاتھ کا ہے جگر ایک وار کا

انداز کچھ ملانے لگا جو دیار کا

اب لطف دیکھنا ستم روزگار کا

پوچھے کوئی مزاج تو اللہ رے غرور

کہتے نہیں وہ شکر ہے پروردگار ہے

ہو گا نشان مہر و محبت یہیں کہیں

ڈھونڈو چراغ لے کے ہمارے مزار کا

رہتی تھی اس کی یاد وہ راتیں کدھر گئیں

اب مجھ کو انتظار ہے اس انتظار کا

توبہ جو میں نے کی کھل آیا ذرا سا منہ

وہ رنگ روپ ہی نہیں صبح بہار کا

میں بد گماں اس سے زیادہ خدا کی شان

ہے اعتبار اس کو مرے اعتبار کا

اٹھنا ہی تیری بزم سے دشوار تھا مجھے

اس پر سنبھالنا دل بے اختیار کا

فرقت میں ہم نے اپنی تسلی کے واسطے

رکھا ہے نام شوخ دل بے قرار کا

ٹکڑے کروں زبان شکایت کے تو سہی

کیا حال ہے کسی نگہ شرمسار کا

اے چشم یار دیکھ تغافل سے باز آ

دل ٹوٹ جائے گا کسی امیدوار کا

عاشق کی مشت خاک پریشان نہ ہو کبھی

اس میں جو میل ہو ترے دل کے غبار کا

غش کھا کے داغ یار کے قدموں پہ گر پڑا

بیہوش نے بھی کام کیا ہوشیار کا

☆☆☆☆☆

81

لطف آرام کا نہیں ملتا

آدمی کام کا نہیں ملتا

کیسے حاضر جواب ہو کہ جواب

میرے پیغام کا نہیں ملتا

اس نے جب شام کا کیا وعدہ

پھر پتا شام کا نہیں ملتا

جستجو میں بہت ہے وہ کافر

بھید اسلام کا نہیں ملتا

مل گیا میں تمھیں وگرنہ غلام

کوئی بے دام کا نہیں ملتا

چرک پر جا کے عرض حال کروں

رستہ اس بام کا نہیں ملتا

نہ ملے رنگ رنگ میں جب تک

دل مے آشام کا نہیں ملتا

ظرف بے مثل ہے دل پر خوں

جوڑ اس جام کا نہیں ملتا

تلخی رشک کیا گوارا ہو

زہر بھی کام کا نہیں ملتا

داغ کی ضد سے ہے تلاش انھیں

کوئی اس نام کا نہیں ملتا

☆☆☆☆☆☆

82

جب تک کسی کے چاہ نہ تھی کیا سرور تھا

میرا ہی دل بغل میں مری رشک حور تھا

یاں امتحان برق تجلی ضرور تھا

کیا میں نہ تھا اس آگ میں جلنے کو طور تھا

واعظ ترے لحاظ سے ہم سن کے پی گئے

کیا ناگوار ذکر شراب طہور تھا

کیا نا امید عفو ہوں کاہے یہ سنے گا وہ

اس کا نہ بخشنا تری رحمت سے دور تھا

ہے خوشنما خراش دل اے پنجہ جنوں

مر جاؤں میں تو یہ نہ کہیں بے شعور تھا

ہم بوسہ لے کے ان سے عجب چال کر گئے

یوں بخشوا لیا کہ یہ پہلا قصور تھا

رکھا جو تشنہ لب مجھے ساقی نے سیر تھے

جس کو نظر لگے وہی پیمانہ چور تھا

کیوں تو نے چشم لطف سے دیکھا غضب کیا

قربان اس نگاہ کے جس میں غرور تھا

پاس ادب سے رہ گئی فریاد کچھ ادھر

میں کیا کہوں کہ عرض بریں کتنی دور تھا

شب کو جو تم نہ آئے تو پہنچی کہاں کہاں

کیا طبع بد گمان کو ہمارے عبور تھا

کرنی پڑیں فراق میں بیمار داریاں

ہاتھوں میں ساری رات دل نا صبور تھا

دیکھا سلف سے آج تک انصاف عشق کا

تقصیر دار تھا وہی جو بے قصور تھا

جو مر گیا ترا رخ پر نور دیکھ کر

دیکھا تو آنکھ میں اسے مردے کے نور تھا

احمد کے غم میں دیدۂ دل کیوں نہ ہوں تباہ
دل کا سرور تھا مری آنکھوں کا نور تھا

اے داغ صدمہ غم ہجراں بجا درست
یہ سب سہی مگر تمہیں جینا ضرور تھا

☆☆☆☆☆☆

83

نہ ہوا پر نہ ہوا شوق کا دفتر پورا
ایک ہی دن میں ہوا قصہ محشر پورا

مجھ کو دم بھر کی بھی فرصت نہ ملی نہ نالوں سے
ورنہ گھڑیال ٹھہرتا ہے گھڑی بھر پورا

تھک گئے ہاتھ مگر کثرت مطلب ہی وہی
فکر ہے مجھ کو خط شوق ہو کیونکر پورا

اپنے حصے کی بچا لیتے ہیں دینے والے
نہ بھرا ساقی کم ظرف نے ساغر پورا

ایک ہی آن میں قاتل نے کیا قتل جہاں
حلق آیا نہ کسی کا تھا خنجر پورا

نہ یہ دل ہے نہ یہ جرات نہ یہ انداز بیاں
نامہ بر حال کہے یار سے کیونکر پورا

گو تری زلف پریشاں سے پریشاں ہے سوا
ابھی آشفتہ ہوا کب دل مضطر پورا

نہ کیا نیم اشارے سے مرا کام تمام

مژۂ یار لگاتے نہیں خنجر پورا
اس کی رفتار نے کی اور قیامت برپا
اٹھنے پایا بھی نہ تھا فتنہ محشر پورا
قصد بات خانہ کیا ہے جو خدا پہنچا دیتے
جو کیا کام ہوا خیر سے اکثر پورا
ختم ہے شوخی الفاظ و تلاش مضمون
ہے تو یوں داغ نخور ہے نخور پورا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

84

اس بت کو جب خیال ستم ہو کے رہ گیا
میں مضطرب خدا کی قسم ہو کے رہ گیا
نکلی پیامبر کی زبان سے نہ کوئی بات
کمبخت اس کے سامنے سم ہو کے رہ گیا
بدلے جو تیور اس کے شب وصل کیا کہوں
اظہار شکوہ شب غم ہو کے رہ گیا
اے چارہ گر جگر کی کسک کس طرح مٹے
گو درد کم ہوا بھی تو کم ہو کے رہ گیا
ضرب المثل جہان میں وہ دل ہی مٹا ہوا
جو پائمال زیر قدم ہو کے رہ گیا
جانا اسی کو میں نے یہ پورا ہے آشنا
جو تیر میرے دل سے بہم ہو کے رہ گیا
واعظ سے ہم سے بحث رہی کوئے یار کی

ذکر بہشت خلد وارم ہو کے رہ گیا

پورا ہوا نہ ایک بھی اس دل کا مسودہ

فرسودہ لاکھ بار قلم ہو کے رہ گیا

غالب ہوئی جو شوق پہ تاثیر جذب دل

قاصد روانہ چار قدم ہو کے رہ گیا

دل نے تری گلی سے نہ اٹھنے دیا مجھے

سو بار قصد دیر و حرم ہو کے رہ گیا

اے داغ ہم نہ دیکھ سکے روز حشر کچھ

سر خجلت گناہ سے خم ہو کے رہ گیا

☆☆☆☆☆☆

85

کوئی کلمہ بھی مرے منہ سے نکلنے نہ دیا

وہ لٹایا مجھے قاتل نے سنبھلنے نہ دیا

نفس سرد کی تاثیر شب غم دیکھو

شمع کو تابہ سحر میں نہ پگھلنے نہ دیا

بدگمان تھا کہ تپ ہجر نہ کم ہو جائے

اس نے کافور مرے لاش پہ ملنے نہ دیا

اس جفا پر یہ وفا ہے کہ تمہارا شکوہ

دل میں رہنے نہ دیا منہ سے نکلنے نہ دیا

شوق نے راہ محبت میں ابھارا لیکن

ضعف نے ایک بھی گرتے کو سنبھلنے نہ دیا

عقل کہتی تھی نہ لکھ دفتر مطلب اس کو

شوق نے ایک بھی مضمون بدلنے نہ دیا

اے شب ہجر ترا خلق پر احسان ہو گا

حشر کے دن کو اگر تو نے نکلنے نہ دیا

بد گمانی نے نہ چھوڑا اسے تنہا چھوڑوں

میں نے قاصد کو الگ راہ میں چلنے نہ دیا

کسی صورت نہ بچا عشق کی رسوائی سے

کہ مجھے نام بھی غیرت نے بدلنے نہ دیا

چھین لیتا اسے میں حشر کے دن ضد کر کے

کیا کروں مجھ کو فرشتوں نے مچلنے نہ دیا

بزم اغیار میں اس شوخ نے عیاری سے

کیا ہی اعجاز کیا داغ کو جلنے نہ دیا

☆☆☆☆☆☆☆

86

دم عشق میں کیا دل مجبور رہ گیا

صدمہ کسی سے اٹھ نہ سکا کوئی سہہ گیا

شب کو جو گھر میں غیر کے وہ رشک مہ گیا

میں کیا بتاؤں کون مرے دل سے کہہ گیا

مجھ سخت جان کو ناز کہ یہ جور سہہ گیا

قاتل کو یہ گلا کہ مرا ہاتھ رہ گیا

ہم اس کی بزم نازنیں اس حال سے گئے

گویا فقیر دیکھنے دربار شہ گیا

اٹھتے نہیں ہے ضرب محبت پہاڑ سے

رستم وہی ہے مرد جو یہ درد سہ گیا
قاتل کے آتے آتے سب آپس میں کٹ مرے

دریا لہو کا خنجر غیرت سے بہ گیا
غم نے ترے نچوڑ لیا قطرہ قطرہ خون

تھوڑا سا درد دل میں کھٹکنے کو رہ گیا
بوسہ نہ دو اٹھاؤ تو عارض سے اپنی زلف

کیا چاندنی کا لطف ہے جب چاند گہ گیا
ہنگام ضبط سینے میں سو گردشیں رہیں

اچھا رہا وہ اشک جو آنکھوں سے بہ گیا
گیا حشر میں وہ دولت دیدار سے ہو شاد

دنیا میں جو وصال سے محروم رہ گیا
جی جائے موت آئے جو کمبخت داغ

سچ تو یہ ہے کہ تم سے کوئی جھوٹ کہہ گیا

☆☆☆☆☆☆☆

87

کھینچا غم فرقت کا دل تو نے عذاب ایسا
ہم تجھ کو نہ سمجھے تھے اے خانہ خراب ایسا

نیند آتی نظر آتی تا حشر نہیں ہم کو
دیکھا ہے پریشاں سا کچھ رات کو خواب ایسا

جو عرض تمنا پر ظالم نے کہا مجھ سے
اب تک نہ ملا ہو گا سائل کو جواب ایسا

تن تن کے جو چلتا ہے وہ شوخ کمان ابرو

ایک ایک سے کہتا ہے ہوتا ہے شباب ایسا

نو امید کرم ہو کر ہم توبہ کریں مے سے

دوزخ میں پڑے زاہد بے لطف ثواب ایسا

پوچھا تھا محبت میں ہوتا ہے قلق ایسا

قسمت نے کہا دے کر اے خانہ خراب ایسا

قسمت نے مری پایا جو رنج محبت میں

دوزخ کے بھی حصے میں آیا نہ عذاب ایسا

مرنے بھی نہیں دیتے جینے بھی نہیں دیتے

احسان ترحم وہ انداز عتاب ایسا

میں شوق میں بے خود ہوں وہ غیر سے کہتے ہیں

کر دیتی ہے انسان کو بد مست شراب ایسا

جب خواب میں آتے ہو منہ مجھ سے چھپاتے ہو

مشتاق سے شرم ایسی عاشق سے حجاب ایسا

اے حضرت داغ اس کو غیروں سے غرض کیا ہے

وہ اور یہ رسوائی سمجھیں نہ جناب ایسا

☆☆☆☆☆☆

88

ہمیں زمانے میں بدنام تیرے خو نے کیا

دل فریفتہ جو کچھ کیا سو تو نے کیا

ستم کیا تو مرے دل کی آرزو نے کیا

مجال ہے یہ کہوں تجھ سے جو تو نے کیا

حنا کو رنگ نے مشہور گل کو بو نے کیا
جہان میں شہرہ تمہارا رخ نکو نے کیا

شب اس کی بزم میں دلوائی غیر سے تعظیم
بڑا سلوک مرے ساتھ آبرو نے کیا

رقیب اس کے بھی قائل نہیں خدا کی قسم
اگر ستم بھی کیا تو بھی لطف تو نے کیا

وہ عرض وصل سے رکھتے ہیں ہاتھ کانوں پر
اثر یہ خوب مری طرز گفتگو نے کیا

گیا رقیب کے گھر بارہا شب وعدہ
بہت ذلیل مجھے تیری جستجو نے کیا

غرور کیوں نہ ہو جب دل سے چیز ہاتھ لگے
بڑا دماغ تری زلف مشکبو نے کیا

اٹھے گی گردن قاتل نہ بار خوں سے کبھی
ستم شعار کو نازک مرے لہو نے کیا

سوال وصل پہ اقرار کب کیا ظالم
دماغ ہم سے کیا یا مزاج تو نے کیا

جگر کے ٹکڑے ملا دے تو بخیہ گر جانوں
اگرچہ جیب کو ثابت ترے رفو نے کیا

وہ آج ناز سے لائے تھے خنجر فولاد
اسے بھی موم مری سختی گلو نے کیا

اسی کو گردش دوراں سمجھ گئے میکش
جو دور شیشہ و پیمانہ و سبو نے کیا

فرشتہ بن کے نہ اڑ جائے عرش پر زاہد
اسے جو خاک سے پاک اس قدر وضو نے کیا

جفاکشی کا مزہ مجھ کو ہاں اب آئے گا
کہ آسماں کو اپنا شریک تو نے کیا

ہمارے دوست کی ہم پر یہ مہربانی ہے
ہمارے واسطے جو کچھ ہر اک عدو نے کیا

کہا میں ان سے تو وہ اور داغ مجھ سے رکے
خفا تو ان کو مری شرح آرزو نے کیا

☆☆☆☆☆

89

کعبے کی سمت جا کے مرا دھیان پھر گیا
اس بت کو دیکھتے ہی بس ایمان پھر گیا

تو وعدہ کر کے مجھ سے مری جان پھر گیا
حق سے پھرا جو قول سے انساں پھر گیا

الٹا ہوا نے پھیر دیا تیر یار کو
افسوس ہے کہ راہ سے مہماں پھر گیا

محشر میں داد خواہ جو اے دل نہ تو ہوا
تو جان لے یہ ہاتھ سے میدان پھر گیا

چھپ کر کہاں گئے تھے وہ شب کو تیرے گھر
سو بار آ کے ان کا نگہباں پھر گیا

تھے گردش مژہ بھی ترے تیر کی شریک
برمے کی طرح سینے میں پیکاں پھر گیا

رونق کچھ آ گئی جو پسینے سے موت کے

پانی ترے مریض پر اک آن پھر گیا

دیکھا اسے جو دور سے اڑ کر مرا غبار

اس شوخ شہسوار کے چوگان پھر گیا

گریہ نے ایک دم میں بنا دی وہ گھر کی شکل

میری نظر میں صاف بیاباں پھر گیا

قاتل نے وقت ذبح لیا جب خدا کا نام

خنجر ہمارے حلق پر آساں پھر گیا

لائے تھے کوئے یار سے ہم داغ کو ابھی

لو موت اس کی آئی یہ ناداں پھر گیا

☆☆☆☆☆☆

90

وہ رسوائی سے ڈر جائے تو اچھا

برائی کام کر جائے تو اچھا

کہا ظالم نے میرا حال سن کر

وہ اس جینے سے مر جائے تو اچھا

خدا جانے کہے کیا جا کے قاصد

دل اس سے پیشتر جائے تو اچھا

غضب ہی انتظار وعدۂ حشر

یہیں کہہ کر مکر جائے تو اچھا

مبارک خضر کو ہو عمر جاوید

یہ تھوڑی سی گذر جائے تو اچھا

مسیحائی ہوا قاتل کا شیوہ
عدم تک یہ خبر جائے تو اچھا
کہا قاصد کو اس نے دے کے دشنام
سب ہو کر اگر جائے تو اچھا
عدم میں کیا نہ ہوں گی صاحب درد
ہمارا چارہ گر جائے تو اچھا
رقیبوں کا تری محفل میں کیا کام
جہنم ان سے بھر جائے تو اچھا
نگاہ یار دل کو لوٹتی ہے
یہ مہمان اپنے گھر جائے تو اچھا
وہ تکلیف عیادت کیوں کریں داغ
مری ان کو خبر جائے تو اچھا

☆☆☆☆☆

91

کوئی آگے نکل نہیں سکتا
تجھ سے فتنہ بھی چل نہیں سکتا
زور قسمت سے چل نہیں سکتا
دل سنبھالے سنبھل نہیں سکتا
ہے وہ افسردہ میری شمع مزار
جس سے پروانہ جل نہیں سکتا
آسمان دوست ہو گیا تیرا
اب زمانہ بدل نہیں سکتا

ضعف کے لاکھ احسان ہیں
کف افسوس مل نہیں سکتا

تم تو سو بار مان جاؤ گے
دل ہمارا بہل نہیں سکتا

ہم تو اس مدعا کے قائل ہیں
جو زبان سے نکل نہیں سکتا

موت کیوں آ کے پھر گئی شب غم
وقت آیا تو ٹل نہیں سکتا

غم جو کھایا ہے کیا کہوں تجھ سے
میں یہ کھایا اگل نہیں سکتا

رشک اغیار کیا گوارا ہو
زہر کوئی نگل نہیں سکتا

نام کو داغ ہوں مگر ظالم
تو جلائے تو جل نہیں سکتا

☆☆☆☆☆☆☆

92

عیش بھی اندوہ فزا ہو گیا
ہائے طبیعت تجھے کیا ہو گیا

دشمن ارباب وفا ہو گیا
دوست بھلا ہو کے برا ہو گیا

یاد ہے کہنا وہ کسی وقت کا
ہوش میں آؤ تمہیں کیا ہو گیا

داغ وہ بہتر ہے جو مرہم بنا
درد وہ اچھا جو دوا ہو گیا

آپ سے اقرار کے سچے کہاں
وعدہ کیا اور وفا ہو گیا

یہ تو نہ تھی کوئی بگڑنے کی بات
حرف خوشامد بھی گلا ہو گیا

سامنے میرے جو چراتے ہو آنکھ
آئینہ کیا آج نیا ہو گیا

اے دل بیتاب خدا کی قسم
عشق میں جی تجھ سے برا ہو گیا

دم مرے سینے میں جو رکتا ہے آج
کون خدا جانے خفا ہو گیا

حال مرا دیکھ کے کہتے ہیں وہ
کوئی حسین اس سے جدا ہو گیا

نالہ نے تاثیر نہ کی روز حشر
وہ بھی شب غم کی دعا ہو گیا

سب مجھے دیوانہ بنانے لگے
لو وہ تمہارا ہی کہا ہو گیا

داغ قیامت میں یہ مژدہ سنے
جا تجھے فردوس عطا ہو گیا

☆☆☆☆☆☆

یہ قول کسی کا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
وہ کچھ نہیں کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

سن سن کے ترے عشق میں اغیار کے طعنے
میرا ہی کلیجا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

بن آئی ہے جو چاہیں کہیں حضرت واعظ
اندیشہ عقبیٰ ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

ان کا یہی سننا ہے کہ وہ کچھ نہیں سنتے
میرا یہی کہنا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

دیکھو تو ذرا چشم سخن گو کے اشارے
پھر تم کو یہ دعویٰ ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

خط میں مجھے اول تو سنائی ہیں ہزاروں
آخر یہی لکھا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

پھٹتا ہے جگر دیکھ کے قاصد کی مصیبت
پوچھو تو یہ کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

خاموش کیا چھیڑ کے ظالم نے شب وصل
وہ تذکرہ چھیڑا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

یہ خوب سمجھ لیجئے غماز وہی ہے
جو آپ سے کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

دنیا مجھے کہتی ہے برا حاضر و غائب
سمجھو تو سبب کیا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

تم کو یہی شایان ہے کہ تم دیتے ہو دشنام
مجھ کو یہی زیبا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

مشتاق بہت ہیں مرے کہنے کے پرائے داغ
یہ وقت ہی ایسا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

☆☆☆☆☆☆☆

ردیف بائے موحدہ

94

نامہ بر کہتا ہے اب لاتا ہوں دلبر کا جواب
سن چکا میں چار دن آگے مقدر کا جواب

شیخ ہو حق کر رہا ہے رات دن مستوں کے ساتھ
آج کل ہے میکدہ اللہ کے گھر کا جواب

خلق کے اعمال نامے چھین لوں گا حشر میں
گم ہوا ہے ہاتھ سے قاصد کے دلبر کا جواب

میرے دل ہی سے نگہ تیری اٹک کر رہ گئی
دوسری جانب جگر بھی تھا برابر کا جواب

غیر کی تعریف لکھی سارے خط میں اور مجھے
یہ بھی لکھتے ہیں کہ لکھو میرے دفتر کا جواب

پہلے تو میری گزارش سن کے وہ چپ ہو رہے
کیا کہوں پھر کیا ملا عرض مکرر کا جواب

خط تمہارا ہم کو پہنچا ہے فقط اتنی سید
واہ کیا لایا ہے قاصد میرے دفتر کا جواب

امت عاصی کی بخشش کا کیا حق سے سوال
ہے کہاں کونین میں ایسے پیمبر کا جواب

لوگ کہتے ہیں بنا دلی بگڑ کر لکھنو

پر کہاں اے داغ اس اجڑے ہوئے گھر کا جواب

☆☆☆☆☆☆☆

95

کیوں کہا یہ کسی سے کیا مطلب
اسی کہنے سے کھل گیا مطلب

بات پوری نہیں کہی میں نے
کہ وہ طرار لے اڑا مطلب

میں کہے جاؤں تم سنے جاؤ
ایک کے بعد دوسرا مطلب

ہے مرا درد آپ کی راحت
ہے مرے پاس آپ کا مطلب

مٹ گئے ایک ہی تغافل میں
شوق ارماں مدعا مطلب

ان کی جانب سے ہے پیام وصال
ہے نئی چاہ کا نیا مطلب

غیر کا خط بھی چاک کر ڈالا
مل گیا تھا جو کچھ مرا مطلب

باندھ کر خط پر کبوتر پر
لکھ دیا ہم نے جا بجا مطلب

مر گیا مژدۂ وصال سے میں
یوں بھی نکلا رقیب کا مطلب

کبھی کہتا ہوں دل سے خوب کیا

کبھی کہتا ہوں کیوں کہا مطلب
بے غرض تھے تو لطف صحبت تھا
دشمن وضع ہو گیا مطلب
بے خودی میں رہا نہ یاد القاب
خط میں پہلے ہی لکھ دیا مطلب
دل میں گھٹ گھٹ کے رہ گئی حسرت
لب پر آ آ کے رہ گیا مطلب
حضرت داغ توبہ کرتے ہیں
کاش پورا کرے خدا مطلب

☆☆☆☆☆

96

ہم مٹ گئے تو پرسش نام و نشان ہے اب
اس کی تلاش کر کہ محبت کہاں ہے اب
میں کیا کروں بلا سے جو تو مہربان ہے اب
وہ دل کہاں ہے اب وہ طبیعت کہاں ہے اب
ہر گز نہ تھا زمانہ سابق میں یہ فلک
جس آسمان کی دھوم تھی وہ آسمان ہے اب
بے مہر و مہرور زد دل آزار دل ستاں
جی ڈھونڈھتا ہے جس کو وہ پیدا کہاں ہے اب
تم پارسا سہی مگر اتنا تو سوچ لو
کچھ دیکھ لیا ہے جو دل بد گماں ہے اب
دو ظالموں میں لاگ ہوئی میرے واسطے

نا مہرباں وہ ہے تو فلک مہرباں ہے اب

مُتا ہے کب کسی سے یہ شوق جفاکشی

مقتل بھی میرے واسطے دار الامان ہے اب

ظالم کہیں خدا نہ کرے تو سنے اسے

جو کچھ شب فراق مین درد زباں ہے اب

سن لو جو ہم بیاں کریں پھر کہاں یہ بات

چلتی٩ ہوئی ہمارے دہن میں زباں ہے اب

اللہ وہ زمانہ تاثیر کیا ہوا

کہنے کے واسطے مرے لب پر فغاں ہے اب

بیٹھے ہیں ہم بھی گوش بر آواز کہہ تو دو

آنا ہے جس کو آئے یہاں امتحان ہے اب

قربان جاؤں درد جگر کے وہ رکھ کے ہاتھ

یہ پوچھتے ہیں مجھ سے بتا تو کہاں ہے اب

ملنے کے بعد رنج اٹھائے ہیں اس قدر

شکر وصال بھی مرے لب پر فغاں ہے اب

کیا کیا ملائے خاک میں انسان چاند سے

سچ پوچھئے اگر تو زمیں آسماں ہے اب

اس کو بھی میری وجہ سے ہیں بد گمانیاں

جو ہم نشیں مرا ہے ترا پاسباں ہے اب

مدت ہوئی کہ داغ کو سنتے تھے سوئے دیر

کیا جانے وہ خدائی کا مارا کہاں ہے اب

☆☆☆☆☆

97

مہربان ہو کے جب ملیں گے آپ
جو نہ ملتے تھے سب ملیں گے آپ

بن کے تیغ غضب ملیں گے آپ
یوں گلے مجھ سے کب ملیں گے آپ

غیر سے ہو گئی پیام سلام
ہیں یہ ملنے کے ڈھب ملیں گے آپ

ہجر کا شکوہ حشر میں کرتا
واں تو ہے یہ غضب ملیں گے آپ

ڈرتے ڈرتے کہوں گا راز نہاں
خواب میں مجھ سے جب ملیں گے آپ

دم رخصت یہ چھیڑ تو دیکھو
مجھ سے کہتے ہیں کہ ملیں گے آپ

آپ کیوں خاک میں ملاتے ہیں
ہم مصیبت طلب ملیں گے آپ

کاروان کی تلاش کیا اے دل
آ کے منزل پہ سب ملیں گے آپ

ایک تو وعدہ اور اس پہ قسم
یہ یقیں ہے کہ اب ملیں گے آپ

تیغ تیری کھینچی رہے قاتل
بسمل جان بلب ملیں گے آپ

داغ اک آدمی ہے گرما گرم
خوش بہت ہوں گے جب ملیں گے آپ

☆☆☆☆☆☆☆

98

کم نہیں سامان میں ہنگامہ محشر سے آپ
دیجئے دل کو دعائیں بن گئی اس گھر سے آپ
برسوں آنکھوں میں رہے آنکھوں سے پھر کر دل میں آئے
راہ سیدھی تھی مگر پہنچے بڑے چکر سے آپ
خوف ہے مجھ سے عبث میں نے کیا اپنا وکیل
فیصلہ میرا بھی کر لیں داور محشر سے آپ
شرم سے گو اب کسی جانب پلک اٹھتے نہیں
چٹکیاں لیں گے کلیجے میں اسے نشتر سے آپ
کٹ گئے لاکھوں گلے اس تیزی رفتار سے
اب تو چل نکلے زیادہ اپنے بھی خنجر سے آپ
اپنی سینے سے دبا دیجئے ذرا سینہ مرا
چور کیجئے شیشہ دل کو اسے پتھر سے آپ
وصل میں کیسی حیا میں تو نہ مانوں گا کبھی
سہم کر چپ ہو رہے بے شبہ میرے ڈر سے آپ
حضرت زاہد ہر اک شئے کو عادت شرط ہے
مر نہ جائے گی شراب چشمہ کوثر سے آپ
آب پیکاں لے کے چلتا ہے ترے ترکش سے تیر
رزق لات اہے مرا مہمان اپنے گھر سے آپ

ابتدا سے انتہا تک عشق میں ہیں خوفناک
امتحان سے غیر شام غم سے ہم محشر سے آپ
حضرت زاہد نکل آیا فلک پر آفتاب
پیر و مرشد اب تو اٹھے میکدے کے در سے آپ
جب ہمیں مرنا ہی ٹھہرا حاجت قاتل نہیں
کاٹ لیں گے ہم گلا اپنا کسی خنجر سے آپ
کیوں جناب داغ یاد اللہ میرے یاد ہے
بھیس بدلے رات کو آتے تھے کس کے گھر سے آپ

☆☆☆☆

ردیف تائے فوقانی

99

کب بات ہو بغیر خوشامد وہاں درست
وہ نا درست بھی جو کہیں کہیے ہاں درست
تھوڑے سے دن بہار کے ہیں کس امید پر
کرتے ہیں اپنے مرغ چمن آشیاں درست
کچھ میں بھی اپنا حال طبیعت بیان کروں
گر ہو مزاج آپ کا اے مہرباں درست
اک دن نہ آزمایئے اک بو الہوس کی چاہ
ہر روز آپ کیجئے مرا امتحاں درست
اس کو درستی دل عاشق سے کیا غرض
جس بد زبان کی نہیں اب تک زباں درست
آتا ہے بہر فاتحہ جب کوئی فتنہ گر

رہتا نہیں ہے قبر کا میرے نشان درست
آنکھوں میں رہ کر دل میں ٹھہر تیرے واسطے
آراستہ ہر ایک مکاں ہر مکاں درست
ہر روز تازیانہ زلف دراز سے
تو نے بھی دل کو خوب کیا میری جان درست
آتا ہے سامنے جو وہ غارت گر شکیب
اوسان داغ رہتے ہیں اپنے کہاں درست

☆☆☆☆☆☆

100

ہے طرفہ تماشا سر بازار محبت
سر بیچتے پھرتے ہیں خریدار محبت
اک حشر بپا تھا دم اظہار محبت
رفتار قیامت ہوئی گفتار محبت
اللہ کرے تو بھی ہو بیمار محبت
صدقے میں چھٹیں تیرے گرفتار محبت
ابرو سے چلے تیغ تو مژگاں سے چلے تیر
تعزیر کے بھوکے ہیں خطاوار محبت
اس واسطے دیتے ہیں وہ ہر روز نیا داغ
اک درد کے خوگر نہ ہوں بیمار محبت
ہے گور الٰہی قفس تنگ سے کیا کم
مر کر بھی تو چھوٹے نہ گرفتار محبت
کچھ تذکرہ عشق رہے حضرت ناصح

کانوں کو مزا دیتی ہے گفتار محبت
دل بھول نہ جائے کسی مژگاں کی کھٹک کو
کچھ چھیڑ رہے اے خلش خار محبت
جو چارہ گر آیا مرے بالیں پہ یہ بولا
اللہ کو سونپا تجھے بیمار محبت
ثابت قدم ایسے رہ الفت میں نہ ہوں گے
تھا ہم کو تہ تیغ بھی اقرار محبت
خسرو سے جو چاکر ہیں تو محمود سے بردے
اللہ رے اللہ رے سرکار محبت
واعظ کی زبان پر تو وہ کلمے ہیں کہ گویا
بخشے ہی نہ جائیں گے گنہگار محبت
دیکھا ہے زمانے کو ان آنکھوں نے تو اے داغ
اس رنگ پہ اس ڈھنگ پہ انکار محبت

☆☆☆☆☆☆☆

101

گئی ہے نہ فرقت کی جائے گی رات
سحر کو بھی دھبا لگائے گی رات
قیامت کے دن کیا نہ آئے گی رات
مری تیرہ بختی دکھائے گی رات
نہ میں بات کرتا اگر جانتا
کہ یوں بات کرنے میں جائے گی رات
چراغ قمر لے کرے ڈھونڈھا کرے

سحر کو نہ فرقت میں پائے گی رات

شب وصل میری شب قدر ہے

ہزاروں میں ایسے نہ آئے گی رات

قیامت کے آثار ہیں صبح ہجر

نجانا تھا یہ دن دکھائے گی رات

شب وصل واں شرم سے رخ پہ زلف

یہاں یہ یقیں اب نہ جائے گی رات

نہ نکلے گا دل کوچہ زلف سے

مسافر کو رستہ بھلائے گی رات

شب ہجر چمکائے گی داغ دل

فلک تجھ کو تارے دکھائے گی رات

گریزاں ہے کیوں اس قدر روز وصل

ٹھہر تجھ کو کچھ کہا نہ جائے گی رات

غنیمت ہے تاریکی شام غم

نہ دیکھوں گا میں جو دکھائے گی رات

شب ہجر کا ساتھ دینا پڑا

بہت عمر میری بڑھائے گی رات

شب وصل کی داغ یہ آرزو

خدا سے نہ تجھ کو ملائے گی رات

☆☆☆☆☆☆☆

تو نہ کر نخوت شباب بہت

ہم نے دیکھے ہیں انقلاب بہت
شعلہ رو سینکڑوں نظر آئے
ہیں زمیں پر بھی آفتاب بہت
آئی کسی کی نگاہ میں شوخی
ہے زمانے کو اضطراب بہت
آئے جنت سے پھر نہ دنیا میں
بے مزا ہو گیا ثواب بہت
پیر میخانہ کے دعا گو ہیں
یہ سلامت رہے شراب بہت
ہجر بت اور صحبت زاہد
خلد میں بھی تو ہیں عذاب بہت
شام ہونے تو دو چلے جانا
ہے ابھی تیز آفتاب بہت
کچھ سمجھ کر وہ ہو رہے خاموش
تھے مری بات کے جواب بہت
بل تری زلف کے بھی دیکھ لئے
درد دل میں ہے پیچ و تاب بہت
دل بیتاب خط میں رکھ دوں میں
کہ چلے نامہ بر شتاب بہت
دیکھئے کب عدم کو جانا ہو
کر چکے داغ پا تراب بہت

☆☆☆☆☆☆☆

103

نگاہ یار نے اس شوق سے لگائی چوٹ
کہ جس طرح سے دل آتا ہے دل پہ آئی چوٹ
قدم قدم رہ الفت میں میں نے کھائی چوٹ
کہ راہبر کی بھی ٹھوکر سے مجھ پہ آئی چوٹ
کہاں بتوں نے یہ سینوں پہ اپنی کھائی چوٹ
ادھر ادھر کی جو کرتی ہے خود نمائی چوٹ
گرا جو میں درِ دلدار پر تو اٹھ نہ سکا
بڑا ہے کام کیا میرے کام آئی چوٹ
بتوں کے دل میں نہ کی میرے آہ نے تاثیر
اچٹ کے مجھ پہ لگی میں نے جب لگائی چوٹ
شراب ناب سے تر تھی زمینِ مے خانہ
پھسل کر محتسب سنگ دل نے کھائی چوٹ
نہ کیوں ہو چوٹ مرے دل کی چوٹ پر قاتل
لگائے جبکہ ترا پنجہ حنائی چوٹ
لگائی آپ نے کیوں میری قبر پر ٹھوکر
غضب کیا کہ عبث خاک میں ملائی چوٹ
وبالِ دوش ہوئی بارِ غم سے لاش مری
اٹھانے والوں نے گر کر بہت اٹھائی چوٹ
ادب سے جھک کے چلا راہِ عشق میں ایسا
کہ میرے سر نے مری ٹھوکروں سے کھائی چوٹ

سلام میں نے کیا رکھ کے ہاتھ سینے پر
وہ جانتے ہیں مجھے دیکھ کر چھپائی چوٹ

نشاں پائے صنم سنگ راہ ہوتے ہیں
وہ ناتواں ہوں کہ نقش قدم سے کھائی چوٹ

جب اپنے ہاتھ کی تجھ سے نہ اٹھ سکے فرہاد
حریف ہو کے اٹھائے گا کیا پرائی چوٹ

نگاہ و آہ میں کس کس طرح چلیں چوٹیں
یہ حال تھا ادھر آئی ادھر لگائی چوٹ

علاج درد جگر کیا کروں میں اے ناصح
بری ہے کیا بھلی چنگی لگی لگائی چوٹ

فراق درد محبت فراق یار نہیں
کرے گی دل سے نہ اے چارہ گر جدائی چوٹ

یہ بعد مرگ رہا درد کا اثر اے داغ
کہ استخواں مرے کھا کر ہما نے کھائی چوٹ

☆☆☆☆☆☆

ردیف ثائے مثلثہ

104

لب سے ہماری توبہ ہے کہ جو وفا تو کیا عبث
عجز و نیاز عشق ہیچ خواہش و التجا عبث

میری صدا سے پیشتر آتی ہے یہ ندا کہ بس
باب قبول بند ہے مانگتے ہو دعا عبث

سنتے ہی میرا حال دل بول اٹھے یہ چارہ گر

موت کی کیا دوا کریں موت کی ہے دوا عبث

آپ کا راز داں ہوں میں بلکہ مزاج داں ہوں میں

غیر پہ میرے سامنے لطف ستم نما عبث

واں خط شوق بھی مرا کاغذ مشق بن گیا

کاٹ کے حرف مدعا اس نے بنا دیا عبث

لطف قبول تو یہ ہے لطف اثر حصول ہو

لوگ اخیر وقت میں مانگتے ہیں دعا عبث

گریہ ہے ہے ہنسی مرے داغ سے دل لگی مرے

کوئی نہ کوئی شغل ہو یا ہو بکار یا عبث

مجھ کو سنا کے جب کہا ہم سے کوئی وفا کرے

کہنے کو تھا بجا درست منہ سے نکل گیا عبث

عشق میں تیرے فتنہ گر رنج اٹھائے اس قدر

تکیہ کلام ہے مرا کوئی کرے وفا عبث

صدمہ انتظار کو کچھ تو قیام چاہئے

روز جزا سے پیشتر آئے مری قضا عبث

عشق کیا ہی کرتے ہیں یوں ہی ہزاروں مرتے ہیں

داغ کی جان و مال کو روتے ہیں آشنا عبث

☆☆☆☆☆☆

ردیف جیم تازی

105

شوخی سے ٹھہرتی نہیں قاتل کی نظر آج

یہ برق بلا دیکھئے گرتی ہے کدھر آج

انجام محبت یہ کریں خاک نظر آج
انسان ہے مجبور نہیں کل کی خبر آج

وہ جاتے ہیں آتے ہے قیامت کی سحر آج
روتا ہے گلے مل کے دعاؤں سے اثر آج

مہمان ہے وہ غیرت خورشید و قمر آج
دن آج ہے رات آج ہے شام آج سحر آج

موسیٰ نے نہ دیکھا تھا سر طور وہ جلوہ
دیکھا ہے جو کچھ ہم نے پس روزن در آج

زاہد کا عمامہ ہو کہ ہو شیخ کی دستار
ان دونوں پہ طرہ ہے مراد امن تر آج

امید یہ کہتی ہے وہ آتے ہیں ٹھہر جا
ہے یاس کی تاکید کہ دنیا سے گزر آج

وعدے سے پلٹ جائیں نہ وہ داور محشر
انصاف کر انصاف میں تو دیر نہ کر آج

کل تاب فغاں تھی تو یہ تاثیر کہاں تھی
کیا کیا لب خاموش پہ قربان ہے اثر آج

دھبا شب فرقت کی سیاہی کا نہ چھوٹے
گر چشمہ خورشید میں منہ دھوئے سحر آج

روکا ہے کیا رشک بٹھاتا ہی رہا ضعف
بے تابی دل لے ہی گئی غیر کے گھر آج

جس دوست کو دیکھا مجھے دشمن نظر آیا
جب تک مری نظروں میں رہے تیری نظر آج

اندیشہ فردا نہ رہے حضرت زاہد
مے خانے میں پی لیجئے تھوڑی سی اگر آج

ہر نقش قدم میں ہے اثر خون جگر کا
تلووں سے ترے کس نے ملے دیدۂ تر آج

لالچ بھی ہے قاصد کو مری خوف و خطر بھی
سو مرتبہ خط باندھ کے کھولی ہے کمر آج

ہم ہجر کے دن جا نہ سکے سوئے عدم بھی
سب کہتے ہیں اچھا نہیں اس سمت سفر آج

بسمل ہی کیا اس کو جسے خواب میں دیکھا
سوتے میں بھی لڑتی رہی قاتل کی نظر آج

داغ دل سوزاں پہ رکھا مرہم کافور
کس شمع کو افسوس بجھاتی ہے سحر آج

وعدے پہ مرے ان کے قیامت کی ہے تکرار
اور بات ہے اتنی کہ ادھر کل ہے ادھر آج

یاں قصد عدم کا ہے وہاں قتل کا سامان
دیکھیں تو سہی پہلے بندھی کس کی کمر آج

یہ شوق یہ ارمان یہ حسرت یہ تمنا
کیا ہو مرے قابو میں تم آ جاؤ اگر آج

معلوم نہیں کل مری تقدیر میں کیا ہے
لے نالہ دل عالم بالا کی خبر آج

☆☆☆☆☆

قطعہ

وہ میں کہ میسر تھا مجھے ساغر جمشید
پیتا ہوں تو کرتا ہے کمی خون جگر آج
وہ میں کہ مرا قصر ہر اک رشک ارم تھا
بستر ہی گدایا نہ سر راہ گذر آج
وہ میں کہ مری عرش پہ تھی منزل عالی
کرتی ہے زمین بھی مرے قدموں سے حذر آج
وہ میں کہ مجھے عالم بالا کی خبر تھی
اے بے خبری خاک نہیں اپنی خبر آج
وہ میں کہ مجھے سیر گلستاں سے غرض تھی
ہے خون جگر اور مرا دیدۂ تر آج
سامان تھا دنیا کا مرے واسطے موجود
دنیا سے گزرنے کو نہیں زاد سفر آج
بازار محبت میں لیا غیر نے کیا کیا
ہم کو نہ ملا ایک بھی پتھر کا جگر آج
تھی کل سے تلاش ان کی مرے قتل پہ اے داغ
نکلے وہ عزادار بنے غیر کے گھر آج

☆☆☆☆☆☆

106

آیا ہے جھوم جھوم کے ابر بہار آج
توبہ کو خشت خم سے کروں سنگسار آج
بے وقت کی چڑھے ہے نہ ہو گا اوتار آج
ہوتے ہیں تیرے مست کوئی ہوشیار آج

اے بے خودی وہ آئیں تو میں آپ میں نہ آؤں
وہ بھی تو میری طرح کریں انتظار آج

خالی نہ تھے خراش دل و کاوش جگر
لایا ہے رنگ دیدۂ خو نابہ بار آج

شاید لگی ہے ان کو مرے نزع کی خبر
وہ پوچھتے ہیں حال مرا بار بار آج

بے طرح ہے نگاہ سے دل کی کٹی چھنی
بے ڈھب ہے گرم معرکہ کار زار آج

آئینہ ہو گیا ترے دل میں ستم شعار
کتنا ہوا ہے صاف ہمارا غبار آج

ناصح نے میرا حال جو مجھ سے بیان کیا
آنسو نکل پڑے مرے بے اختیار آج

سچ ہے کھٹک ہی جاتی ہے صورت حریف کی
بلبل نے مجھ کو دیکھ کے کہا یا ہے خار آج

فریاد درد عشق میں کچھ آگیا اثر
ہوتی ہے آپ اپنی صدا دل کے پار آج

ہم خاک ہو کے اٹھتے گر انبار غم رہے
آندھی دبا رہا ہے ہمارا غبار آج

برسوں سے لگ رہی تھی لب بام ٹکٹکی
تھک کے گر پڑے نگہ انتظار آج

اب تیرے درد مند کا بس ہو چکا علاج
کل سے زیادہ اور ہے وہ بیقرار آج

کل جائے گا پیامبر اپنا یہاں یہ شوق
خط کے جواب کا ہے ہمیں انتظار آج

اے داغ دہن بند ہے تجھے کوے یار کی
کمبخت موت ہے ترے سر پہ سوار آج

☆☆☆☆☆

ردیف جیم فارسی

107

غربت کے رنج فاقہ کشی کے ملال کھینچ
اے داغ پر زمانے سی دست سوال کھینچ

نازک بہت ہے رشتہ الفت نہ ٹوٹ جائے
اتنا نہ اپنے آپ کو اے مہ جمال کھینچ

ہو جائے تو نہ طائر دل کی طرح اسیر
صیاد اپنی سمت کو آہستہ جال کھینچ

ظالم کھنچ آئے گا مرا دل بھی سناں کے ساتھ
سینے سے دیکھ بھال کے برچھی کی بھال کھینچ

قامت دکھا کے آج صنوبر کو کر قلم
سولی پہ سرد باغ کو اے نونہال کھینچ

کھینچی تھے جب مصور قدرت نے دل کی شکل
کہتا یہ کون تو نہ اسے بے خیال کھینچ

وہ ٹھنڈے ٹھنڈے چین سے گھر کو چلے گئے
لے اور آہ سرد دل پر ملال کھینچ

ناصح قمار گاہ محبت میں جی نہ ہار

دل کو لگا کے نفع اٹھا خوب مال کھینچ
اے داغ جذب عشق کے دیکھیں گے اب کشش
کی اس کشیدہ رو نے تو ہم سے کمال کھینچ

☆☆☆☆☆☆

108

یوں مصور یار کی تصویر کھینچ
کچھ ادا کچھ ناز کچھ تقریر کھینچ
لے کے دشمن سے خط تقدیر کھینچ
یہ حصار اے دل پہ تسخیر کھینچ
ہے گداز دل سے نالہ ہر خدنگ
میں ہی کھینچوں تو نہ قاتل تیر کھینچ
کیوں کھٹکتا ہے عبث اے خار عشق
یا نکل یا دامن تاثیر کھینچ
کھینچ یوں مال میرا زائچہ
شکل کی جا یار کی تصویر کھینچ
اے مصور کاش لڑ جائے نصیب
اس جبیں پر یہ خط تقدیر کھینچ
لے لوڑی لو جس کے اے پیر مغاں
اب کے ایسے تندو پر تاثیر کھینچ
ہو چکا سفاک عذر ناز کی
تو کماں کی طرح دل سے تیر کھینچ
تیرہ بختوں کا خط تقدیر دیکھ

آنکھ میں اس سرمے کی تحریر کھینچ

دامن یوسف اگر کھینچا تو کیا

اے زلیخا دامن تاثیر کھینچ

رو چکا تقدیر کے لکھے کو میں

اب تو ہاتھ اے کاتب تقدیر کھینچ

سنگ مقناطیس ہیں ہم سخت جاں

کھینچ کے اے قاتل ذرا شمشیر کھینچ

اے فغاں کر دو دل کو بھی شریک

یوں اثر کو باندھ کر زنجیر کھینچ

خواب میرا سن کے ہمدم منہ سے بول

یوں نہ تو آہیں دم تعبیر کھینچ

داغ کو تو نیم بسمل چھوڑ دے

دل سے اے سفاک آدھا تیر کھینچ

☆☆☆☆☆☆☆

ردیف حائے حطی

109

پکارتی ہے خموشی مری فغاں کی طرح

نگاہیں کہتی ہیں سب رازِ دل زبانے کی طرح

بگڑ گئی ہے یہاں بے طرح جہاں کی طرح

کہاں کی وضع کہاں کی ادا کہاں کی طرح

چھڑا دے قید سے اے برق ہم اسیروں کو

لگا دے آگ قفس کو بھی ہم آشیاں کی طرح

کبھی تو صلح بھی ہو جائے زہد و مستی میں
الٰہی شیخ بھی میخوار ہو مغاں کی طرح

جلا کے داغ محبت نے دل کو خاک کیا
بہار آئی مرے باغ میں خزاں کی طرح

حیا نے روک لیا جذب دل نے کھینچ لیا
چلے وہ تیر کی صورت کھنچی کماں کی طرح

جواب خضر ہیں وہ مردہ دل کہ جن کو یہاں
ملی ہے مرگ ابد عمر جاوداں کی طرح

تلاش یار میں چھوڑی نہ سر زمیں کوئی
ہمارے پاؤں میں چکر ہے آسماں کی طرح

جو سمجھے خضر تو قول شہید الفت کو
گرہ میں باندھ رکھے عمر جاوداں کی طرح

سنے جو حضرت زاہد سے وصف جنت کے
تو صاف پھر گئی آنکھوں میں اس مکاں کی طرح

جھکی ہی جاتی ہے کچھ خود بخود حیا سے وہ آنکھ
گری ہی پڑتی ہے بیمار نا تو ان کی طرح

یہ سد راہ ہوا کس کا پاس رسوائے
رکے ہوئے ہیں مرے اشک کارواں کی طرح

لڑاے مطلب دل ہم سے سیکھ جائے کوئی
انہیں سنا ہی دیا حال داستاں کی طرح

مزے ہیں اس دہن زخم کے لئے کیا کیا
جو چوسے تیر کے پیکاں کو زباں کی طرح

سمجھ کے کیجئے برباد میرا مشت غبار
یہ لے نہ آئے کوئی چکر آسماں کی طرح

یہ دل ہے آپ کا گھر رہئے شوق سے لیکن
شکیب و راحت و صبر و قرار و جاں کی طرح

قیامت آئی شب وصل میرے گھر کے پاس
رقیب نے اسے آواز دی اذاں کی طرح

شب اس کے بزم میں تھا شمع پر بھی رشک ہمیں
کہ منہ میں شعلے کو گلگیر لے زباں کی طرح

مجھے یہ حکم ہے زنہار تم نہ کرنا عشق
نصیحتیں بھی وہ کرتے ہیں امتحاں کی طرح

ہم اپنے ضعف کے صدقے بٹھا دیا ایسا
ہلے نہ در سے ترے سنگ آستاں کی طرح

کچھ ان سے کہنے کو بیٹھے تھے ہم کہ خلوت میں
رقیب آ ہی گیا مرگ ناگہاں کی طرح

شکستہ بال ہوں وہ مرغ ناتواں و ضعیف
کہ میں تو میں نہا وڑے میرے آشیاں کی طرح

نہ ہوں گے سوز محبت کے دل جلے ٹھنڈے
بھری ہے آتش غم مغز استخواں کی طرح

نہ چھوڑ صید محبت کو خاک پر صیاد
اسے بھی ڈال لے تو دوش پر کماں کی طرح

زباں خار ہوئی تر ہماری وحشت سے
کہ چھالے پھوٹے بھی چشم خونفشاں کی طرح

خدا قبول کرے داغ تم جو سوئے عدم
چلے ہو عشق بتاں لے کے ارمغاں کی طرح

☆☆☆☆☆☆☆☆

110

دل نہ رہا سینے میں دم کی طرح
ٹوٹ گیا تیری قسم کی طرح
تم مرے دل میں ہو دم کی طرح
دم نہ سہی حسرت و غم کی طرح
خامہ گرا ضعف سے پر انگلیاں
چلتی ہیں کاغذ پہ قلم کی طرح
کوچہ دشمن کو وہ جنت کہیں
مٹ نہ گیا باغ ارم کی طرح
عہد کسی طرح گوارا نہ تھا
اس نے قسم کھائی ہے سم کی طرح
اختر داغ دل و بخت سیہ
عمر کٹے ہے شب غم کی طرح
میری وفا بھی عجب استاد ہے
تم کو سکھاتی ہے ستم کی طرح
جب یہ کہا مرتے ہیں کہتے ہیں وہ
مر نہ گئے اہل عدم کی طرح
غیر کے آگے وہ مرے حال پر
لطف بھی کرتے ہیں ستم کی طرح

داغ دربار ہے کعبہ اگر

بچ نہ گئے صید رم کی طرح

☆☆☆☆☆☆

ردیف خائے معجمہ

111

ہوئی جب سے زباں یار گستاخ

خوشامد گو ہوئے ناچار گستاخ

وہ بد خو بد زباں اغیار گستاخ

ہوا دربار کا دربار گستاخ

نگاہ مست کچھ یوں کہہ رہی ہے

کہ جیسے ہو کوئی میخوار گستاخ

الہٰی حضرت ناصح کی ہو خیر

وہ بت ہے بے ادب اغیار گستاخ

رہوں چپ تو کہیں چپ لگ گئی ہے

اگر بولوں بتائیں یار گستاخ

کیا کیا دم عرض تمنا

ہوا سو بار چپ سو بار گستاخ

مجھے پاس ادب نے روک رکھا

کیا تم شوق نے ہر بار گستاخ

خبر اچھی سنائی نامہ بر نے

کہ بیٹھے تھے وہاں دو چار گستاخ

رکھا دل نے لب جاں بخش پر حرف

مسیحا سے ہوا بیمار گستاخ

تری رحمت اگر حامی نہ ہوتی

نہ ہوتے کافر و دیندار گستاخ

تہ خنجر رہے پاس ادب داغ

نہ ہونا مرتے دم زنہار گستاخ

☆☆☆☆☆☆☆

ردیف دال مہملہ

112

اس نے اگر کرم بھی کیا تو جفا کے بعد

آیا مری خبر کو ستمگر قضا کے بعد

ہمدرد کونسا ہے پھر اس آشنا کے بعد

ہم جی کے کیا کریں گے دل مبتلا کے بعد

آخر بشر کے واسطے کچھ شغل چاہیۓ

کیجئے گا آپ کیا ستم ناروا کے بعد

حسرت سے تک رہا ہوں جو تجھ کو یہ سبب ہے

خاک اڑتے دیکھتا ہوں میں اپنی وفا کے بعد

یہ چاہتا ہے شوق کہے جائیں حال دل

جب تک ہماری زیست ہو روز جزا کے بعد

بھاگوں علاج درد محبت سے کیوں نہ میں

دیں گے طبیب زہر یقیں ہے دوا کے بعد

دیتے ہیں داغ لطف و عنایت سے پیشتر

دل مانگتے ہیں کینہ و جور و جفا کے بعد

بھولے ہم ان کو پہلے ہی ناراض کر دیا
چوکے ہم ان سے کرنے تھے شکوے دعا کے بعد

خاموش میں جو ہوں تو جہاں کامیاب ہے
تاثیر پھر ملے گی نہ میری دعا کے بعد

کہتے ہیں وہ شکایت بیداد و ظلم پر
عاشق وہ ہے جو چاہے کسی کو جفا کے بعد

آرام کے لئے ہے تمہیں آرزوئے مرگ
اے داغ اور جو چین نہ آیا فنا کے بعد

☆☆☆☆☆☆

113

ہے قہر اگر اب بھی نہ ہو راز نہاں بند
لب بند نفس بند دہن بند زباں بند

جس دل کو لگی ہو وہ کرے خاک فغاں بند
کیجئے تیری فریاد پہ کس کس کی زباں بند

موت آئی ہمیں ہائے دم عرض تمنا
دل کھلنے نہ پایا کہ ہوئی اپنی زباں بند

اس عشق نے کیا قفل لگایا ہے دلوں پر
کینہ ہے وہاں بند تو حسرت ہے یہاں بند

ہر دل بر مہ پارہ خریدار ہے تیرا
اک بار ہوئی حسن فروشوں کی دکان بند

اس زلف کا بے طرح جما دل میں تصور
اندھیر ہے اس گھر میں ہوا گھٹ کے دھواں بند

مقبول نہ ہو گی کسی میکش کی دعائیں
میخانے کا دروازہ نہ کر پیر مغاں بند

کیا جانے گئے چھپ کے شب وصل کدھر سے
ناصح جو دیکھا تو رہا قفل مکاں بند

وہ زیست نہیں موت ہے اے داغ پھر اس کو
زنداں علائق میں جو ہو کوئی جواں بند

☆☆☆☆☆☆

114

دل میں ہے غم و رنج و الم حرص و ہوا بند
دنیا میں مخمس کا ہمارے نہ کھلا بند

موقوف نہیں دام و قفس پر ہے اسیری
ہر غم میں گرفتار ہوں ہر فکر میں پابند

ہم دام میں پھنستے ہی ہوئے عاشق صیاد
یہ اور بھی اک بند پہ مضبوط لگا بند

اے حضرت دل جائیے میرا بھی خدا ہے
بے آپ کے رہنے کا نہیں کام مرا بند

اک حرف محبت پہ بگڑتے ہیں وہ سو بار
اب دفتر افسانہ الفت ہی ہوا بند

اس کوچے میں جاتے ہی اجل آئے ہماری
جنت میں ہے یا رب نہ ہوئی راہ قضا بند

اے محتسب اک دم سے تری کتنی جفائیں
شیشہ کا ہے بند صراحی کا گلا بند

دم رکتے ہی سینے سے نکل پڑتے ہیں آنسو

بارش کی علامت ہے جو ہوتی ہے ہوا بند

تقریر سے ناصح کی ہو دل خاک شگفتہ

کرتا نہیں کمبخت لب ہرزہ سرا بند

رک جائے جو روکے سے وہ نالہ نہیں اپنا

محشر میں بھی ہو گا نہ یہ آزاد ذرا بند

کہتے تھے ہم اے داغ وہ کوچہ ہے خطرناک

چھپ چھپ کے مگر آپ کا جانا نہ ہوا بند

☆☆☆☆☆☆☆☆

115

آنکھ سے گرتی ہے خون دل افگار کی بوند

اس کے ہمسر ہو کہاں ابر گہر بار کی بوند

صحن گلشن میں ہے مے پینے کا ساقی جب لطف

پڑتی ہو کوئی ابر گہر بار کی بوند

زاہد چشمہ کوثر ہو مبارک تجھ کو

ہم کو کافی ہے خانہ خمار کی بوند

شربت خضر کو منہ بھی نہ لگاؤں ہر گز

ہو میسر جو لعاب دہن یار کی بوند

ناصحا جانتے ہیں اہل نظر ہے اس کو

لعل ہے اصل میں اس دیدۂ سونبار کی بوند

ہے مشابہ دل ویراں سی ہماری کیا کیا

جس زمیں پر نہ پڑی ابر گہر بار کی بوند

تاب انجم کی دکھاتی ہے فلک بن کے زمیں

خشک ہوتی نہیں گر کر عرق یار کی بوند

صبح گلشن میں جو وہ مہر لقا آتا ہے

خشک ہوتی ہے ہر اک شبنم گلزار کی بوند

ہو گیا خشک لہو دیکھتے ہی قاتل کو

داغ ٹپکی نہ مرے خون تن زار کی بوز

☆☆☆☆☆☆☆

116

چھپتی ہی کب چھپانے سے اے خوبرو پسند

آنکھیں یہ کہہ رہی ہیں کہ آیا ہے تو پسند

ناکام جاوداں کے مجھے آرزو پسند

گم کردہ کارواں کی مجھے جستجو پسند

اے غم معاف کر کہ یہ حصہ ہے عشق کا

مہمان کو نہ آئے گا جھوٹا پسند

خاموشی سنتی رہتی ہے پہروں شب فراق

تصویر یار کو ہے مری گفتگو پسند

زاہد بڑی کریم ہے پیر مغاں کی ذات

واں سب عبادتیں ہیں وضو بے وضو پسند

آفت ہے محتسب کی نظر سے خدا بچائے

ٹوٹا تڑاق سے اگر آیا سبو پسند

جی چاہتا ہے روز بدل جائے روزگار

مٹ جائے وہ زمانہ جسے آئے تو پسند

کہتے ہیں ہم نشیں کو مرے غیر کے عوض
ایسوں سے تم کو ربط ہے ایسوں کے خو پسند

پہلے اسی کو چشم خریدار مول لے
یا رب دلوں کے ساتھ بکے چار سو پسند

یہاں درد وہاں ہے نالہ پے خون گیا وہ تیر
زخم جگر پسند نہ زخم گلو پسند

آنسو گرا جو آنکھ سے تقدیر نے کہا
ملتے ہیں دیکھ خاک میں یوں آبرو پسند

بدنام کر دیا ہے تمہیں عشق غیر نے
اب ہو گیا خطاب تمہارا عدو پسند

حسرت کا یہ مزا ہے کہ دل میں خلش ہے
نکلی ہوئی ہمیں تو نہیں آرزو پسند

گل شمع کا بنے تری محفل میں سب حسین
آیا نہ ایک کا بھی ہمیں رنگ و بو پسند

پہروں پڑھے ہے حضرت داؤد پر درود
جب آ گیا ہے داغ کوئی خوش گلو پسند

☆☆☆☆☆☆☆

ہوتی ہے جنس مہر و وفا چار سو پسند
آ گئے تری پسند کرے جس کو تو پسند

ظاہر بگاڑ دل سے تجھے ہے عدو پسند
یہ جنگ زرگری تو نہیں جنگجو پسند

ممکن کہ تجھ سا دیکھ لے چشم غلط نگر
اس کا کہاں جواب جسے آئے تو پسند

میری طرح سے جائے گی تجھ پر کسی کی جان
میری طرح سے آئے گا عالم کو تو پسند

جنت میں پھول پھول کو میں سونگھتا پھرا
دنیا میں تھی کسی گل عارض کی بو پسند

افسانہ کلیم و تجلی بہت سنا
وہ آنکھ آنکھ ہے جسے آ جائے تو پسند

اے عرض مدعا تری تاثیر دیکھ لی
قاصد کو بھی نہ آئے مری گفتگو پسند

اے شیخ جس کو جو نہ ملے گا بڑھے گا شوق
جنت کو میں پسند جہنم کو تو پسند

کیا کیا بری طرح سے ملایا ہے خاک میں
آنکھوں کو بھی نہیں مرے دل کا لہو پسند

دینے لگے اخیر وہ باتوں میں گالیاں
جانا کہ آئی اس کو مری گفتگو پسند

رگ رگ سے دم نکال یا ڈھونڈ ڈھونڈ کر
درد فراق کی ہے مجھے جستجو پسند

سو حسرتوں میں ایک تو معلوم ہو مجھے
یہ شوق نا پسند ہے یہ آرزو پسند

محشر میں خلق اپنی مصیبت میں مبتلا
یاں یہ تلاش آئے کوئی خوبرو پسند

رغبت ہے ہجر میں اسی آب و طعام سے
آنسو عزیز زہر گوارا لہو پسند
اے داغ ہچکچاتی ہو ذلت سے عشق کے
دنیا میں ہو تمھیں تو بڑے آبرو پسند

☆☆☆☆☆☆☆

118

نہ ہو کیونکر افضل ہمارا محمدؐ
کہ ہے اپنے پیارے کا پیارا محمدؐ
الٰہی یہ محشر میں ہم کہتے جائیں
کہاں ہے کہاں ہے ہمارا محمدؐ
وہیں کشتیِ نوحؑ بھی ڈوب جاتی
نہ دیتے جو اس کو سہارا محمدؐ
ابھی فرش سے عرش مل جائے جھک کر
کریں گر طلب کا اشارا محمدؐ
یہی بات عاشق نے معشوق سے کی
نہیں تیری فرقت گوارا محمدؐ
کہیں گے بھی اس شہ انبیاء سے
وہاں ہوں گے جب آشکارا محمدؐ

☆☆☆☆☆

قطعہ

شفیعِ امم روزِ محشر تمھیں ہو
ہمیں ہے تمہارا سہارا محمدؐ

صدا خیر مقدم کی کعبے سی آئی
حرم سے جب آئے دوبارہ محمدؐ
بلا لو مدینے میں پھر داغ کو تم
نہیں ہند میں اب گذارا محمدؐ

☆☆☆☆☆☆☆☆

ردیف ذال معجمہ

119

لاکھ لکھے انہیں اندوہ و محن کا کاغذ
کب وہ پڑھتے ہیں کسی سوختہ تن کا کاغذ
قاصد آ آ کے بنا جاتے ہیں جھوٹی باتیں
لائیں مہری کوئی اس سیم بدن کا کاغذ
آتش رنگ خامے ترے ہاتھوں میں نگار
جل نہ جائے کہیں اس سوختہ تن کا کاغذ
کوئی مضمون نہیں دل شکنی سے خالی
کس نے لکھا تھا خط عہد شکن کا کاغذ
اشک خونی سے میں لکھ لکھ کر مٹا دیتا ہوں
اپنے حال دل پر رنج و محن کا کاغذ
خط گلزار سے وہ حرف جو کاغذ پہ لکھے
رشک گلزار ہو اس رشک چمن کا کاغذ
ہم نے مضمون گر انباری غم لکھا تھا
دست قاصد میں ہوا سینکڑوں من کا کاغذ
ناتوان ہوں نہ گلے میں مری باندھو تعویذ

توڑ ڈالے مری گردن کا نہ منکا کاغذ

غور سے ہم نے جو دیکھا تو صفت سے تیری

کوئی خالی نہیں ارباب سخن کا کاغذ

آئی پیری تو کہاں رنگ جوانی کی بہار

کہ بگڑ جاتا ہے تصویر کہن کا کاغذ

ورق دل پہ کھنچی داغ صنم کی تصویر

تھا اسی کام کا یہ اور اسی فن کا کاغذ

☆☆☆☆☆☆

120

چاہوں جو پڑے مزار تعویذ

ہوں سنگ ستم ہزار تعویذ

ہیں میرے گلے کے یار تعویذ

اک درد جگہ ہزار تعویذ

کھینچی ہیں زمیں پہ لکیریں

یوں لکھتے ہیں خاکسار تعویذ

دشمن مرے زہر گھولتے ہیں

اور مونس و غمگسار تعویذ

ہیں نجز جمال دونوں بازو

کھل جائیں نہ اے نگار تعویذ

قرطاس فلک جو مجھ کو ملتا

لکھتا پئے حب یار تعویذ

لائے گا اسے یہ گرد نامہ

ہے دیدۂ انتظار تعویذ

ان بازوؤں پہ فدا ہیں جوش
صدقے قربان نثار تعویذ

جوڑا جو کھلا تو کھل پڑا دل
ہم سمجھے تھے اے نگار تعویذ

پردے میں رقیب کی ہے تصویر
سینے پہ ہے آشکارا تعویذ

آیا دم نزع بھی جو قاصد
بن جائے گا خط یار تعویذ

دیکھا نہیں نقش دل سا کوئی
چلتا ہوا سحر کار تعویذ

تسخیر پری کے واسطے داغ
لکھتا ہوں میں بار بار تعویذ

☆☆☆☆☆☆☆

ردیف راء مہملہ

121

تمام حال میں خاک چھانی یہ عشق آخر کو تنگ ہو کر
جب آدمی کو بنایا تو وہ تو دل پہ بیٹھا خدنگ ہو کر

وہی تو ہے شعلہ تجلی کہ دشت ایمن سے تنگ ہو کر
جب اس نے اپنی نمود چاہی کھلا حسینوں پہ رنگ ہو کر

نہ دیکھو دیکھو تم آئینے کو کہ مجھ کو رہتا ہے ہول ہر دم
کہیں نہ جم جائے عکس اس کا رخ مصفا پہ زنگ ہو کر

نگاہ دز دیدہ کس نے دیکھی دکھاؤ آنکھیں کرو نظارے
لڑے گی میدان میں نگہ کیا لڑے اگر خانہ جنگ ہو کر

وہ ہم ہیں مجنوں دشت پیا جنوں کو ہوتا ہے ہم سے سودا
کہ چشم آہو میں بیٹھی وحشت ہماری وحشت سے تنگ ہو کر

بہار گل کیا ہے اس کو پھونکو چمن میں چل کر یہ سیر دیکھو
کہ شمع رخسار پر تمہارے جلے گی بلبل پتنگ ہو کر

برنگ حسرت مثال ارمان جو آ گیا یاں سے پھر نہ نکلا
رہے گا سینے میں تیر تیرا اسیر قید فرنگ ہو کر

کچھ ایسے فتنوں پہ فتنے اٹھے کہ شور محشر بھی چیخ اٹھا
اٹھی قیامت بھی ساتھ میرے بتوں کے کوچے سے تنگ ہو کر

دم قلق وقت بیقراری جو دل پہ رکھا بھی ہاتھ ہم نے
تو ناتوانی سے رہ گیا ہے ہمارے سینے پہ سنگ ہو کر

کھلے الٰہی نہ عقدۂ دل کہ اس سے امید بندہ رہی ہے
عجب نہیں آرزوئیں نکلیں جو دل کی تنگی سے تنگ ہو کر

نہ وہ نظارے نہ وہ اشارے نہ ویسے غمزے نہ ویسی چشمک
غضب ہے پابند شرم ٹھہری نگہ تری شوخ و شنگ ہو کر

وہ قتل کرتے ہوئے جو جھجکے تو یاد آغاز عشق آیا
کہ بار ہا یونہی رہ گئی تھے ہمارے دل میں امنگ ہو کر

بھرے ہوئے ہیں ہزار ارمان پھر اس پہ ہے حسرتوں کا حسرت
کہاں نکل جاؤں یا الٰہی میں دل کی وسعت سے تنگ ہو کر

جھکی ذرا چشم جنگجو بھی نکل گئی دل کی آرزو بھی
بڑا مزہ اس ملاپ کا ہے جو صلح ہو جائے جنگ ہو کر

رہے گا خنجر پہ تیری دھبا کہ تو نے بے جرم اس کو مارا
یہ داغ کا خون ہے ستمگر چھٹے گا ہرگز نہ رنگ ہو کر

☆☆☆☆☆☆☆

122

مرے ہی واسطے بیٹھا ہے پاسباں در پر
ملے جو راہ میں کہتے ہیں آیئے گھر پر

گمان بگولے پہ تھا کچھ یقیں صر صر پر
کسی نے خاک نہ ڈالی مرے مقدر پر

سنا ہے ہم نے یہ آتا ہے موت کا آنا
الٰہی آئے نہ وہ وعدۂ مقرر پر

رکا جو ہاتھ دم ذبح اس ستمگر کا
نگاہ تیز سے چھریاں لگائیں خنجر پر

نہ رکھو حشر پہ موقوف داستاں میری
کرو خدا کے لئے رحم اہل محشر پر

اوڑی ہے خاک زمانے میں جس قدر اب تک
جمی ہے آ کے ہمارے دل مکدر پر

وہ چشم مست پھر اس پر وہ پنجہ مژگاں
کہ جیسے ہاتھ کسی نازنین کا ساغر پر

نیاز و ناز دکھاتا ہے یہ نشیب و فراز
زمیں ہے زیر قدم آسماں ہے سر پر

عجب نہیں تپش داغ معصیت سے مرے
حباب آبلے بن جائے آب کوثر پر

کریں گے خوب ہم آزردہ خاطر احباب
پڑے گا صبر کسی کا تو جان مضطر پر
شب فراق میں کانٹوں پہ میں لٹاؤں اسے
سلاؤں طالع خفتہ کو اپنے بستر پر
نگاہ ملتے ہے تلوار کو اٹھایا ہاتھ
رکھیں نہ تم نے کبھی چار انگلیاں سر پر
ہمارے نالوں سے اٹھ اٹھ کے حشر چیخ اٹھا
اخیر بیٹھ رہا تھک کے یار کے در پر
امید وصل ہو کیا ایک وعدۂ دیدار
اسے بھی تو نے تو رکھا ہے روز محشر پر
کہاں کرشمہ برق جمال و طور کہاں
پڑی تھے آہ کسی دل جلے کی پتھر پر
نہیں ہے ہوش سے خالی ہماری بیہوشی
کہ بے خودی میں گرے بھی جو ہم تو ساغر پر
نفس نفس ہے غبار سیاہ کی صورت
پڑی ہی خاک کہاں کی دل مکدر پر
فلک کرے بھی جو سامان عیش کو برباد
تو جام جم پہ گرے آئینہ سکندر پر
الجھ رہا ہے وہ دیوانہ داغ درباں سے
بپا ہے حشر کا ہنگامہ آپ کے در پر

☆☆☆☆☆☆

کوئی آئے اس بزم سے کیا نکل کر
کہ رہ رہ گیا ہے مرا ذکر چل کر

کیا دل کا جو رنگ غم نے مسل کر
کسی پھول کو دیکھ چٹکی میں مل کر

وہ نازک کہ جامے سے باہر نکل کر
تھکے اس طرح جس طرح کوئی چل کر

رکھوں کاٹ کر ہاتھ قاصد کے دل پر
کہ ان سے کہیں چار باتیں سنبھل کر

مری تشنگی دیکھ کر روز محشر
چھلک جائے گا آب کوثر ابل کر

محبت نے کی جب مری دستگیری
مقدر نے رو رو دیا ہاتھ مل کر

ہماری گواہی نہ دی حشر کے دن
ہوئے کچھ ادھر کچھ ادھر لوگ ٹل کر

نہ اٹھنے دیا دل نے اس انجمن سے
کیا قصد سو بار زانو بدل کر

لکھا خط میں جب ان کا القاب میں نے
قلم حرف مطلب پہ آیا پھسل کر

مجھے شمع وہ بزم میں دل کو دیکھوں
گری ہے کوئی شے بغل سے نکل کر

شب ہجر آخر ہوئی پر ہے اتنی
بنی خضر کی عمر یہ رات ڈھل کر

مرے دل کو باتوں میں بہلائے رکھنا
قیامت کرے گا یہ فتنہ مچل کر

ہوئے ایک دیر و حرم کے مسافر
کچھ اس راہ چل کر کچھ اس راہ چل کر

رہ عشق کی ٹھوکریں ہم سے پوچھو
کہ سنبھلے ہیں گر گر گرے ہیں سنبھل کر

مجھے یاد ہے اپنی صحرا نوردی
گیا تھا گریباں سے پہلے نکل کر

نہ پوچھو شب ہجر کیونکر بسر کی
یہ کروٹ بدل کر وہ کروٹ بدل کر

شب ماہ کا لطف اے شیخ جب ہے
کہ ہالہ بنے تیری پگڑی اچھل کر

گناہوں سے میرے یہ کانپتے فرشتے
کہ اعمال نامہ لکھا خط بدل کر

ہوئی بے اثر سرد مہری بتوں کی
نہ ٹھنڈے ہوئے حضرت داغ جل کر

☆☆☆☆☆

124

عمر کیونکر نہ بسر کیجئے غافل ہو کر
کہ ملا ہے ہمیں اک قطرۂ مے دل ہو کر

جب تڑپ دیکھتے ہیں اس کی وہ مائل ہو کر
لوٹے آپ بھی جی چاہتا ہے دل ہو کر

ہم ہیں وہ گوش بر آواز چمن چاہتے ہیں
شور محشر بھی اٹھے شور عنادل ہو کر

نہ کھلی ناخن تدبیر سے قسمت کی گرہ
ہم کو عقدہ بھی ملا ہائے تو مشکل ہو کر

صدقے اس ابروٗ پہ خم کی تمنا ہے یہی
حشر تک لوٹے اس تیغ کے بسمل ہو کر

پاؤں اٹھتا ہی نہیں وشت بھی زنداں ہے مجھے
جادۂ راہ لپٹتا ہے سلاسل ہو کر

لے گئی دل کو چرا کر تری دزدیدۂ نظر
لٹ گئے ہم تو رہ عشق میں غافل ہو کر

آ گیا مفت کے چکر میں ازل سے ناحق
اے فلک تو مری تقدیر کے شامل ہو کر

قدر داں کوئی نہیں اہل سخن کا اے داغ
کیا کریں آہ کسی کام میں کامل ہو کر

☆☆☆☆☆☆

125

بخار اچھا نکالا سوز دل نے چشم گریاں پر
کہ ہو آنسو برنگ آبلہ ہے نوک مژگاں پر

رہے تھے ایک جا پابند ہو کر کب یہ دیوانے
الٰہی گر پڑے بجلی کہیں دیوار زنداں پر

نمود صبح تک کیا جانے کیا کیا رنگ بدلے گی
ابھی سے بے کسی چھائی ہے میرے شام ہجراں پر

اڑا اتنا نہ تو لطف خلش جاتا ہے اے وحشت

قدم ٹکنے نہیں پاتا مرا خار بیاباں پر

الٰہی خیر ہو بے ڈھب جنون نے ہاتھ دوڑایا

کہ اک آفت ہے دامن پر قیامت ہے گریباں پر

ملے تھے لب ہی اس لب سے کہ مارا تیغ ابرو نے

یہ ناکامی کہ مجھ کو موت آئی آب حیواں پر

ہجوم یاس و نومیدی وفور حسرت و ارماں

چڑھائی لشکر غم کی ہے اک جان پر ارماں پر

یقیں ہے ہم کو ہوں گے سب یہی انداز جنت کے

فرشتوں کی نگاہیں ہیں تری مجلس کے ساماں پر

وہ پیکاں تشنہ خوں ہے جگر میں دم نہیں باقی

غضب ہے مفلسی ثابت ہوئی جاتی ہے مہماں پر

نگاہ و غمزۂ ناز و ادا نے دل کو گھیرا ہے

کیا ان کافروں نے حملہ بیچارے مسلماں پر

الٰہی آبرو رکھ لے مرے رشک مسیحا کی

اجل کے ساتھ جھگڑے ہو رہے ہیں میرے درماں پر

کہاں ہیں داغ مے اے محتسب کچھ خیر ہے تجھ کو

ٹپ کر اشک خونی رہ گئے ہیں جیب داماں پر

ملاتے خاک میں اس قالب خاکی کو اول ہے

اگر یہ جانتے ایسی جفائیں ہوں گی انساں پر

ملا لطف خلش پائے نگہ کو اس کا احسان ہے

لگائے جس نے کانٹے ہر طرف دیوار زنداں پر

یہ خون داغ ہے ہر گز نہیں چھٹنے کا اے قاتل
کہ اس کا حشر تک دھبا رہے گا تیرے داماں پر

☆☆☆☆☆☆

126

ڈالتے ہو کیوں دوپٹے کا تم آنچل دوش پر
بار ہے پہلے ہی گیسوئے مسلسل دوش پر
رب ہمارا غیب داں ہے یہ کراماً کا تبین
رات دن تحریر کیا کرتے ہیں مہمل دوش پر
پہلے افعی تھیں وہ زلفیں اب ہوئیں مار سیاہ
آئیں اب زیر کمر رہتی تھیں اول دوش پر
یہ سنا تھا آج میں نے آپ نے کھینچی تھی تیغ
جیسے گردن کو مری بھاری ہے پل پل دوش پر
شاخ گل پر کچھ نظر کیجئے کہ سنبل کی طرف
دیکھئے اس کی کمر یا زلف کابل دوش پر
میکدے سی ہم چلے بیہوش ہو کر اس طرح
ہاتھ میں رکھا خم مے اور بوتل دوش پر
کشتگان ابرو پر خم کی دلوا دو نیاز
تم نے رکھی ہے کمان اول ہے اول دوش پر
یہ تجلی بل بے اس کے عارض پر نور کی
جم گیا ہے نور گویا دو دو انگل دوش پر
لے گئے ہیں آج تو اسے داغ وہ سینے سے دل
سر سلامت آپ پائیں گے نہیں کل دوش پر

☆☆☆☆☆☆☆

127

یاں دل میں خیال اور ہے واں مد نظر اور
ہے حال طبیعت کا ادھر اور ادھر اور

ہر وقت ہے چتون تری اے شعبدہ گر اور
اک دم میں مزاج اور ہے اک پل میں نظر اور

ناکارہ و ناداں کوئی مجھ سا بھی نہ ہو گا
آیا نہ بجز بے ہنری مجھ کو ہنر اور

دل دے کے لیا رنج والم وائے ری قسمت
ہم سمجھے تھے کچھ اور ہوا ہائے مگر اور

جیتا نہ بچے ایک بھی جانبر نہ ہو کوئی
دو چار ستمگر ہوں ترے سے اگر اور

ہوں پہلے ہی میں عشق میں غرقاب خجالت
کیوں مجھ کو ڈبوتے ہیں مری دیدۂ تر اور

ٹھہرا ہے وہاں مشورۂ قتل ہمارا
لو حضرت دل ایک سنو تازہ خبر اور

اور وہ ہیں آپ آپ ہیں کیا آپ سے نسبت
ہوں لاکھ زمانے میں اگر رشک قمر اور

بھر بھر کے جو دیتے ہیں وہ جام اور کسی کو
لے لے کے مزے پیتے ہیں یاں خون جگر اور

ہم جانتے ہیں خوب تری طرز نگہہ کو
ہے قہر کی آنکھ اور محبت کی نظر اور

اے داغ مئے عشق سے کیا زہر کو نسبت
ہے اس میں اثر اور وہ رکھتا ہے اثر اور

☆☆☆☆☆☆

128

حیف شرمندہ نہیں تو ستم آرا ہو کر
ہم پہ کرتا ہے ستم یار ہمارا ہو کر

یہ تمنا ہے شہیدوں کو ترے اے قاتل
کہ یوں ہیں قتل ہوں ہم زندہ دوبارہ ہو کر

جوش گر یہ بھی تماشا ہے کہ میرے مژگاں
روز ہیں اشک فشاں ایک ہزار ہو کر

کل کچھ اقرار بھی تھا آج ہے بالکل انکار
مٹ گیا حیف ہے اتنا بھی سہارا ہو کر

دل کو جب رنج دیا تم نے یہ پھر جائے گا
کیا ہمارا نہیں ہونے کا تمہارا ہو کر

خاک کس سوختہ جاں کی ہے ترے کوچے میں
کہ ہر اک ذرہ جو اڑتا ہے شرارا ہو کر

بے مزا عشق کا آغاز سے انجام ہوا
ناگوار دل نازک ہے گوارا ہو کر

چھید گئی سوزن مژگاں سے نقاب اس رخ کی
رہ گیا گر کبھی پردے اشارا ہو کر

غیر کے سر میں وہ کرتے ہیں جو کنگھی اپنی
رشک دل چیرتا ہے داغ کا آرا ہو کر

☆☆☆☆☆☆☆☆

129

رکیے اب بہر عیادت نہ قدم گن گن کر
لے رہا ہے یہ مریض آپ کا دم گن گن کر

دے خوشی کے عوض اندوہ و الم گن گن کر
لے شب وصل کے بدلے شب غم گن گن کر

یاد آتی ہے اگر اک نگہ لطف تری
بھول جاتا ہوں ترے لاکھ ستم گن گن کر

چلتے ہیں ساتھ جنازے کے جو چالیس قدم
تو نزاکت سے وہ رکھتے ہیں قدم گن گن کر

پیچ تقدیر کے کیا کیا مجھے یاد آتے ہیں
شب کو اس کاکل پر پیچ کے خم گن گن کر

تھا ہمیں ہجر میں اک ایک مہینہ برسوں
دن گذارے ہیں تری سر کی قسم گن گن کر

انگلیوں پر جو ہوا کرتی ہے گنتی ہر روز
یاد کرتے ہیں وہ انداز ستم گن گن کر

چار ہی داغ دیئے تو نے فلک لالے کو
جو سخی ہیں نہیں دیتے ہیں درم گن گن کر

دس کے دو کہتے ہیں جب لیتے ہیں بوسے ان کے
بھول ہم ڈال دیا کرتے ہیں کم گن گن کر

ابر گھرا نہیں ہوتا ہے تو ہم فرقت میں
صبح کر دیتے ہیں تارے شب غم گن گن کر

ہم کو مطلب نہیں دینار و درم سے اے داغ
شاد ہیں داغ جگر عشق ہم گن گن کر

☆☆☆☆☆☆☆☆

130

روتا ہے تجھ بغیر دل زار زار زار
اور کھینچتا ہے آہ شرر بار بار بار

اے دل قمار عشق میں شاید ہو تیری مقیت
پہلے نکال منہ سے نہ زنہار بار بار

بیمار عشق کا نہ کسی کو خدا کرے
عیسیٰ کو بھی رولائے یہ آزار زار زار

ہم کو اس پر کر کے جو صیاد نے چلا
کیا روئے دیکھ کر سو گلزار زار زار

بے ڈھب ہے یہ خرام عجب کیا کرے اگر
داماں حشر کو ترے رفتار تار تار

وہ گل اگر نہ پاس ہو وقت شناوری
ہو ہم کو موج قلزم زخار خار خار

اب داغ سے علاقہ رہا کیا وہ کون ہے
اب تو ہوئے ہیں آپ کے اغیار یار یار

☆☆☆☆☆☆

131

کیا ہے دیدار اس صنم کو ہزاروں طوفان اٹھا اٹھا کر
لگائیں وہ تہمتیں کہ بولا خدا خدا کر خدا خدا کر

کہا نہ کچھ عرض مدعا پر وہ لے رہے دم کو مسکرا کر
سنا کئے حال چپکے چپکے نظر اٹھائی نہ سر جھکا کر

نہ طور دیکھے نہ رنگ برتے غضب میں آیا ہوں دل لگا کر
وگرنہ دیتا ہے دل زمانہ یہ آزما کر وہ آزما کر

تری محبت نے مار ڈالا ہزار ایذا سے مجھ کو ظالم
رولا رولا کر گھلا گھلا کر جلا جلا کر مٹا مٹا کر

عجیب یہ تیرہ خاکداں ہے اسی کے ہے روشنی جہاں ہے
فلک نے اختر بنا لئے ہیں چراغ ہستی بجھا بجھا کر

جہاں لگی آنکھ کچھ یونہیں سی وہیں چبھی پھانس سی جگر میں
کہ درد دل کی چمک نے کیا کیا دکھائے صدمے جگا جگا کر

تمہیں تو ہو جو کہ خواب میں ہو تمہیں تو ہو جو خیال میں ہو
کہاں چلے آنکھ میں سما کر کدھر کو جاتے ہو دل میں آ کر

ستم کے جو لذت آشنا ہوں کرم سے بے لطف بے مزا ہوں
جو تو وفا بھی کرے تو ظالم یہ ہو تقاضا کہ پھر جفا کر

شراب خانہ ہے یہ تو زاہد طلسم خانہ نہیں جو ٹوٹے
کہ توبہ کرتے گئی ہے توبہ ابھی یہاں سے شکست پا کر

جو ظلم کرنا تھا سر پہ میرے تو اور فتنے اٹھائے ہوئے
اٹھائی ہے تم نے تو قیامت رقیب کو بزم میں بٹھا کر

خیال میں سد راہ زندان نگاہ میں دیدۂ نگہبان
ہمیشہ باتوں میں تولتا ہوں سلاسل اپنی اٹھا اٹھا کر

نگہ کو بے باکیاں سکھاؤ حجاب شرم و حیا اٹھاؤ
بھلا کے مارا تو خاک مارا لگاؤ چوٹیں جتا جتا کر

نہ ہر بشر کا جمال ایسا نہ ہر فرشتے کا حال ایسا

کچھ اور ہے اور ہو گیا تو مری نظر میں سما سما کر

یہ امتحاں ہے کہ جو سخی ہیں ہمیشہ محتاج تر وہی ہیں

دعا نے میری اثر دیا ہے تمام عالم کو ہاتھ اٹھا کر

خدا کا ماننا بہت ہے آسان بتوں کا ماننا ہے سخت مشکل

یقیں نہیں گر کسی کو ہمدم تو کوئی لائے اسے منا کر

الٰہی قاصد کی خیر گذرے کہ آج کوچے سے فتنہ گر کے

صبا نکلتی ہے لڑکھڑا کر نسیم چلتی ہے تھر تھرا کر

رقیب اچھے یہ میں نے مانا برا مجھے تو نے دل میں جانا

بھلوں سے کرتے ہیں سب بھلائی کسی برے کا تو کچھ بھلا کر

فریب دلدار کا ہے احسان کہ ہم کو گردش سے باز رکھا

بچے ہزاروں بلاؤں سے ہم نہ جا سکے اس کے دم میں آ کر

جناب سلطان عشق وہ ہی کرے جو ای داغ اک اشارا

فرشتے حاضر ہوں دست بستہ ادب سے گردن جھکا جھکا کر

☆☆☆☆☆☆

132

رہے گی اک روز جان جا کر رہے نہیں ہوش دل لگا کر

عدو سے کہتا ہوں تنگ آ کر کہ تو مرے حق میں کچھ دعا کر

بچے گی یاروں میں کوئی آ کر یہ توبہ زاہد خدا خدا کر

کہاں کی حجت ہے فیصلہ کر شتاب ناداں پی پلا کر

طبیب کہتے ہیں کچھ دوا کر حبیب کہتے ہیں بس دعا کر

رقیب کہتے ہیں التجا کر غضب میں آیا ہوں دل لگا کر

یہیں جب انصاف کچھ نہ دیکھا تو روز محشر کو خاک ہو گا
پٹک کے اعمال نامہ اپنا پھروں گا مشعل جلا جلا کر
غضب سے چین جو سر جبین ہے یہ نقش دل کندۂ نگیں ہے
لکیر دنیا نے کی نہیں ہے جو صاف کر لو مٹا مٹا کر
جفا پھر ایجاد ہی نہ ہو گی کسی کے فریاد ہی نہ ہو گی
فلک کی بنیاد ہی نہ ہو گی کیا جب اک نالہ دل لگا کر
ہوئی ہے اب موت زندگانی کہاں سے لاؤں تجھے جوانی
کہ زور کرتی ہے ناتوانی نحیف و کمزور مجھ کو پا کر
تلاش تھی مجھ کو نامہ بر کی خبر نہ تھی ہائے اس خبر کی
نہ پاؤں کی سدھ رہی نہ سر کی گئی ہے ایسی صبا سنا کر
تمام ہو خاک اپنا مطلب کہ یار پر قہر شوق بے ڈھب
لکھا ہے اک حرف آرزو اب سو وہ بھی کیا گیا مٹا مٹا کر
یہ جی میں یہاں ٹھن گئی ہے بالکل کہ حال دل کہئے بے تامل
غضب کیا کیوں کیا تغافل گھٹا دیا حوصلہ بڑھا کر
وہ بدگماں نکتہ چیں ہے بے ڈھب کہیں نہ قاصد ہو قتل یا رب
اگرچہ لکھا ہے حرف مطلب ہزار پہلو بچا بچا کر
خدنگ دلدوز سے خدایا بچا نہ پہلو بہت بچایا
اگر جگر سے میں کھینچ لایا تو دل میں بیٹھا یہ گھر بنا کر
جو سوز الفت کے دل جلے ہیں انہیں قیامت کے ولولے ہیں
یہ تفتہ دل آپ لے چلے ہیں بغل میں دوزخ دبا دبا کر
نگاہ دز دیدہ پر شرارت اور اس پہ دزد حنا ہے آفت
مگر وہ عیار ہے قیامت کہ چور دین جس کو دل چرا کر

یہاں نہ ہو خیر جسم و جان کی بچے کہیں جان اک جہان کی

ہوش رہے گی نہ امتحان کی انہیں مرا عشق آزما کر

ملا نہ ایسا تو کوئی ہمدم جو دل کا ہو پاسبان شب غم

وہ بخت خفتہ نہیں کہ اک دم ہم آپ سوئیں جسے جگا کر

نثار اس طرز گفتگو پہ نہیں کہیں داغ سارا نخور

ہنسا دیا ہے رولا رولا کر رولا دیا ہے ہنسا ہنسا کر

☆☆☆☆☆☆

133

زہے تلاش کہ سر گرم جستجو ہو کر

ملاہوں رنگ میں رنگ اور بو میں بو ہو کر

تری گلی میں ترے دل کا نقش ہو کے رہا

رقیب مٹ نہ گیا میری آبرو ہو کر

وہاں کلیم سے وہ ناز یہاں یہ دعوے ہیں

کبھی حجاب نہ ہو ہم سے گفتو ہو کر

نگاہ شق نے کیا خواب میں نہیں دیکھا

نیا حجاب ہے چھپتے ہو رو برو ہو کر

نگہ نگہ سے ترے وار تھا کہ دل میرا

مژہ مژہ سے ٹپکتا رہا لہو ہو کر

ذرا سی چھیڑ پہ جامے سے باہر آپ ہوئے

یہ عیب ہے کہ نہ ہو چین خوبرو ہو کر

لگی ہے پنجہ مژگاں میں خون دل سے حنا

ہماری آنکھ ملی سب سے سرخرو ہو کر

سوال وصل پہ وہ گالیاں ہی دیں لیکن
کوئی تو بات ٹھہر جائے گفتگو ہو کر

ہماری جذب محبت کو دیکھنا قاتل
کہ رہ گیا ترا خنجر رگ گلو ہو کر

بتوں کے خوف سے ڈر ڈر کے رہ گیا ہوں میں
ہزار مرتبہ آمادۂ وضو ہو کر

ہوا ہوں میں بھی اب اے داغ اپنا دشمن آپ
زمانہ دوست ہے اس کا مرا عدو ہو کر

☆☆☆☆☆☆

134

بزم اغیار کا اظہار اثر آنکھوں پر
مہربان آپ کی خفت مرے سر آنکھوں پر

دہن اس کا کمر اس کی نظر آئی نہ کبھی
ہوا اگر عینک خورشید و قمر آنکھوں پر

کہ نظر جانب درگاہ نظر سوے فلک
شب کو صدمے یہ رہے تا بہ سحر آنکھوں پر

رحم آ جائے دم ذبح نہ تجھ کو قاتل
اپنے دامن کو بچھا دے مری تر آنکھوں پر

ہو گیا باغ میں گلشن کو تماشا اس کا
چشم گل لب پہ تو نرگس کی نظر آنکھوں پر

تیری زلفوں پہ بلائیں جو بلا گرداں ہیں
فتنے قربان ہیں اے شعبدہ گر آنکھوں پر

مرتبہ دیکھنے والے کا ترے ایسا ہے

کہ بٹھاتے ہیں جسے اہل نظر آنکھوں پر

صبح اس فتنہ محشر کو جو دیکھا ہم نے

ایک آشوب رہا چار پھر آنکھوں پر

داغ کے دل کا تو کچھ بھید نہ پایا ہم نے

ایک حسرت سی برستی ہے مگر آنکھوں پر

☆☆☆☆☆☆☆

135

دوستی کا ہو زمانے میں بھروسا کس پر

تو مجھے چھوڑ چلا اے دل شیدا کس پر

امتحان نالہ دل کا تو دکھا دوں لیکن

یہ تو سمجھو کہ فلک ٹوٹ پڑے گا کس پر

یوں تو معشوق گل و شمع بھی کہلاتے ہیں

دیکھنا یہ ہے کہ مرتا ہے زمانہ کس پر

فتنہ پرداز دغا باز فسوں گر عیار

ہائے افسوس دل آیا بھی تو آیا کس پر

مجھ سے کہتے ہیں نکالیں گے ہمیں کچھ تدبیر

صاف کہہ دو کہ دل آیا ہے تمہارا کس پر

لے کے دل بھی نہ دیا بوسہ جو مانگا تو کہا

کوئی سنتا بھی ہے کرتے ہو تقاضا کس پر

غرق خون ہے مری مژگاں بھی تر پیکاں بھی

رنگ کھلتا ہے مگر دیکھیے اچھا کس پر

حور کے ناز و ادا کو تو فرشتے سمجھیں
خلد میں کھائیں گے ہم آپ کا دھوکا کس پر

وہی قاتل وہی مخبر ہے وہی منصف ہے
اقربا میرے کریں خون کا دعویٰ کس پر

اس کی تصویر جو یوسف کے مقابل رکھ دوں
دیکھئے گرتے ہیں پھر اہل تماشا کس پر

جو کیا میں نے کیا کس نے ترے ساتھ سلوک
جو ہوا مجھ پہ ہوا ستم ایسا کس پر

دے دیا اس کے مریضوں کو خدا نے بھی جواب
آپ بھولے ہوئے بیٹھے ہیں مسیحا کس پر

سامنے غیر کے تم فتنہ مجھے کہتے ہو
چھائے جاتی ہے یہ دیکھو تو سراپا کس پر

کوئی گل باغ میں اس غیرت گل سا نہیں
آنکھ پڑتی ہے تری نرگس شہلا کس پر

جانب چرخ اشارے سے بتایا اس نے
جب کہا میں نے مرا صبر پڑے گا کس پر

دل چرایا ہے مرا آپ بھری محفل میں
اور کہتے ہیں کہ شبہ تمہارا کس پر

داغ جاتے تو ہیں مقتل میں اول سب سے
دیکھئے وار کرے وہ ستم آرا کس پر

☆☆☆☆☆

تنگ ہے دل وسعت داماں محشر دیکھ کر

اے جنوں ہم پاؤں پھیلائے ہیں چادر دیکھ کر

توڑ ڈالے آئینہ جو ہمسر دیکھ کر

کیا کرے وہ شعلہ خو اپنے سے بہتر دیکھ کر

حسرتیں اترا رہی ہیں آرزوئیں شاد ہیں

میری قسمت دیکھ کر میرا مقدر دیکھ کر

دشنۂ قاتل ہلال عید ہے اپنے لئے

ہم تو ملتے ہیں گلے یاروں سے خنجر دیکھ کر

لن ترانی سے غرض کیا حسن عالم سوز کو

ہم نظر آپی چرا جاتے ہیں اکثر دیکھ کر

خشک ہوتی ہے زبان زاہد کی استغفار سے

منہ میں بھر آتا ہے پانی دامن تر دیکھ کر

روز جا کر اس کے کوچے سے پلٹ آتے ہیں ہم

دیدۂ حسرت سے پہروں جانب در دیکھ کر

سنتے ہی نالہ مرا وہ رہ گئے خنجر بکف

کچھ سمجھ کر سوچ کر ڈر کر سنبھل کر دیکھ کر

دید کے قابل ہے اے زاہد تماشا حشر کا

جائیں گے جنت میں لیکن سیر دن بھر دیکھ کر

وہ خوشی بھی دید کے قابل ہے جب ہوتا ہے شاد

مضطرب کو مضطرب مضطر کو مضطر دیکھ کر

حضرت زاہد خدا کو آپ نے دیکھا نہیں

بندگی کرتے ہیں ہم اے بندہ پرور دیکھ کر

کر سکے کیا لاگ ان سے میری آہ ناتواں

جو نگاہیں تیز ہو جاتی ہیں خنجر دیکھ کر

خوگر رنج و بلا ہوں مجھ کو کچھ پروا نہیں

تم کو سناٹا گذر جائے گا محشر دیکھ کر

جلتے پھرتے بھولے بھٹکے بار ہا پہنچے ہیں ہم

ہائے ظالم غیر کے دل میں ترا گھر دیکھ کر

دیکھنا یار و جگر کو رو رہا تھا اپنے میں

وہ لئے جاتا ہے دل کوئی مکرر دیکھ کر

کیسے جلسے چھوڑ کر ہم آئے ہیں اے اہل حشر

دل بھرے گا سیر سے دو چار محشر دیکھ کر

سخت جانی سے بنی کیا داغ دیکھا چاہئے

آج لائے ہیں وہ سو دو سو میں خنجر دیکھ کر

☆☆☆☆☆☆

ردیف زائے منقوطہ

137

جو دکھاؤ بھی نہ دیکھوں رخ پر حجاب ہر گز

یہ وہ آنکھ ہے کہ دیکھا نہیں جس نے خواب ہر گز

مری کثرت گنہ کی کوئی حد نہیں رہی ہے

نہ غم عذاب مجھ کو نہ غم حساب ہر گز

مری آہ آتشیں ہے کہ دماغ مہ جبیں ہے

یہ بلند آسمان پر نہیں آفتاب ہرگز

وہ ہے تیرا مصحف رخ اگر اس کو دیکھ پائیں

تو یہ کافر کتابی نہ چھوئیں کتاب ہر گز
اگر آپ مول لیتے تو تمیز تشنہ ہوتی
ملے مفت کی جو زاہد وہ نہیں شراب ہرگز
نہ مزاج یار بدلا نہ مرا نصیب پلٹا
نہیں اے فلک ہمیشہ تجھے انقلاب ہر گز
وہ اثر سے میں ڈرا ہوں یہ دعائیں مانگتا ہوں
کہ مری دعا الٰہی نہ ہو مستجاب ہر گز
یہ بجا کہ منع ہو گا رمضان میں آب و دانہ
یہ غضب کہ تیس دن تک نہ پئیں شراب ہر گز
کبھی داغ توبہ کے ہے کبھی پھر شراب پی ہے
نہ عذاب ہی ملے گا نہ ہمیں ثواب ہر گز

☆☆☆☆☆☆☆

ردیف سین مہملہ

138

کیا بے مروت خلق ہے سب جمع ہیں بسمل کے پاس
تنہا مرا قاتل رہا کوئی نہیں قاتل کے پاس
کیونکر دکھاؤں حال دل اس کو بٹھا کر دل کے پاس
نخوت سے جو بائیں طرف بیٹھے نہ اس مائل کے پاس
کوسوں کی دوری یہ بھی ہے معشوق و عاشق میں اگر
لیلیٰ رہی محمل نشیں مجنوں رہے محمل کے پاس
نالا ابھی نکلا نہیں لب سے کہ آ پہنچا اثر
جاتے ہیں ارباب کرم خود دوڑ کر سائل کے پاس

رہبر نے راہ عشق میں برسوں دیئے چکر مجھے

ظالم سے جب پوچھا کہا اب آ گئے منزل کے پاس

میں اپنی آنکھیں ڈھانک لوں میں ہاتھ اپنے باندھ لوں

ڈرتے ہو کیوں آ کر سنو کچھ پردۂ حائل کے پاس

پیر مغاں جو تجھ کو دے اس میں سے مجھ کو بھی ملے

زاہد تجھے لایا ہوں میں کس مرشد کامل کے پاس

بحر محبت جوش پر میں کیا کروں نو مشق ہوں

دم ٹوٹ جاتا ہے مرا آتا ہے جب ساحل کے پاس

باہم ہمیں یکجا رہیں یک رنگ ہو کر حسن و عشق

خال سویدا ہو مرا رخ پر تمہارے تل کے پاس

کب ناخن تدبیر سے کھلتی ہے قسمت کی گرہ

کیا کام ایسے ہاتھ کا اس عقدۂ مشکل کے پاس

ہاں اے ہوش ہمت کہ ہے دست ادب دامن سے دور

ہاں اے طپش جرات کہ ہوں اک جست میں قاتل کے پاس

کیا ماتم حسرت کروں وہ شعلہ زن ہے داغ غم

جل کر پھپولے پڑ گئے جب ہاتھ آیا دل کے پاس

وہ جا کے بزم غیر میں کیا جانے کیا بن جائیں گے

فتنہ قیامت ہو گیا پہنچا جب اس محفل کے پاس

مجنوں تری تقدیر سے ناقے نے کی ہیں شوخیاں

لیلیٰ کھڑی ہے منتظر کچھ دیر سے محمل کے پاس

کیا زیر تیغ امتحان خاموش ہے میری زبان

خنجر بھی چل نکلا جہاں دم بھر رہا قاتل کے پاس

دریائے الفت میں ملے کیا جانے آگے کیا بلا
چین جبیں یار ہے جو موج ہے ساحل کے پاس

قربان جاؤں یاس کے یہ کیا ملی دنیا ملی
اک دولت جاوید ہے اک سلطنت ہے دل کے پاس

چھینٹے دیئے یاں قیس نے اشکوں سے اپنے ہر طرف
اڑ کر غبار کارواں پہنچا ہے جب محمل کے پاس

غربت میں عادت ہو گئی صحرا نوردی کی مجھے
کترا کے پھر جاتا ہوں آتا ہوں جب منزل کے پاس

بیٹھے تھے زلفیں چھوڑ کر اک روز وہ بہر شکار
اس دن سے ساری مچھلیاں رہنے لگیں ساحل کے پاس

ہے تجھ کو بعد امتحاں کیوں دم چرانے کا گماں
یہ دل سے اپنے دور رکھ رکھا نہیں کچھ دل کے پاس

نالوں کے ناوک میں رواں آہوں کے چلتی ہیں خدنگ
ترکش میں قاتل کے نہیں جو تیر ہیں بسمل کے پاس

خط آ گیا رخ پر ترے ہے نظر اپنی وہی
رہتا ہے اب تک پاسباں اس کشت بے حاصل کے پاس

نہ دیکھی ہے اس بیتاب میں نور تجلی کی جھلک
برسوں کیا ہے امتحاں آئینہ رکھ کر دیکھے پاس

دیکھے ہیں حسن و عشق کے ہم نے نرالے شعبدے
موسیٰ کی جو مٹھی میں تھا وہ داغ نکلا دل کے پاس

☆☆☆☆

ردیف شین معجمہ

وہ سمجھے کیا فلک کینہ خواہ کی گردش
اٹھائی جس نے تمہاری نگاہ کی گردش
طریق عشق میں ہو راہ راہ کی گردش
کبھی کبھی کا سکوں گاہ گاہ کی گردش
بلا ہے قہر ہے چشم سیاہ کی گردش
کہ پھیرتی ہے چھری اس نگاہ کی گردش
اف کروں ابھی چکرائیں آسماں و زمیں
بری بلا ہے مری دود آہ کی گردش
شب فراق جو میری ہی گرد پھرتی ہے
مگر شریک ہے بخت سیاہ کی گردش
بنا ہے یار کا ناصح پیام بر دیکھو
مرے لئے مری اس خیر خواہ کی گردش
بلا سے جل کے دل سخت طوطیا ہوتا
کہ پیستی اسے چشم سیاہ کی گردش
کبھی زمین پہ کبھی آسماں پہ تھی شب غم
رہے گی یاد مجھے برق آہ کی گردش
الٰہی دم مری آنکھوں میں پھیر کہا کے نہ آئے
کہ راہ روکو قیامت ہے راہ کی گردش
اسی دوراہے میں اپنے تو پاؤں ٹوٹ گئے
کہ برسوں دیر سے تا خانقاہ کی گردش
کسی کو گردش کعبہ کسی کو گردش دیر

ہمیں تو وہ ہی تری جلوہ گاہ کی گردش
اسے جو ڈھونڈیئے بیٹھے بٹھائے ملتا ہے
نہ یہ کہ خضر سے گم کردہ راہ کی گردش
اٹھے نہ غیر کے پہلو سے آپ کیا جانیں
کسی غریب خراب و تباہ کی گردش
وہ اور بھول کے یوں میرے گھر چلے آئیں
مگر نصیب سے لے آئی راہ کی گردش
حصول محفل رنداں سے کیا ہوا ان کو
مگر جناب مشیخت پناہ کی گردش
اگر یہی ہے نزاکت تو وقت نظارہ
نہ لے اڑے تمہیں دیکھو نگاہ کی گردش
یہ دل تو کیا ہے کہ طوف حرم کو چکرا دے
مژہ کی جنبش کافر نگاہ کی گردش
جنہیں فروغ ہے عالم میں ہیں تہ و بالا
یہی رہی جو تمہاری نگاہ کی گردش
اشارہ کر کے ملا غیر سے وہ روز حساب
مری نظر میں ہے چشم گواہ کی گردش
پھریں گے داغ نہ دلی کے دن یقین مانو
نہیں ہے چرخ میں وہ اب چاہ کی گردش

☆☆☆☆☆☆

مری موت خواب میں دیکھ کر ہوئے خوب اپنی نظر سے خوش

انہیں عید کی سی خوشی ہوئی رہے شام تک وہ سحر سے خوش
کبھی شاد درہم داغ سے کبھی آبلوں کے گھر سے خوش

یہ بڑی خوشی کا مقام ہے غم ہجر یار ہے گھر سے خوش
انہیں بزم غیر میں تھا گماں کہ یہ سادہ لوح بہل گیا

مجھے خوف عزت و آبرو کہ رہا فقط اسی ڈر سے خوش
کہوں وصف بادۂ ناب کیا نہیں زاہد ایسی کوئی دوا

جو باغ اس کے اثر سے تر تو مزاج اس کے اثر سے خوش
اگر آبلہ ہے بھرا ہوا تو ہر ایک داغ جلا ہوا

جنہیں ہم نے سینے میں دی جگہ نہ وہ دل سے خوش نہ جگر سے خوش
وہی دوست ہیں وہی آشنا وہی آسمان ہے وہی زمین

عجب اتفاق زمانہ ہے کہ بشر نہیں ہے بشر سے خوش
مجھے چشم تر سے نہیں گلہ مرے دل کا داغ مٹا دیا

کہ لیا ہے نور بصر اگر تو کیا ہے لخت جگر سے خوش
کبھی حال اہل عدم سنا تو انہیں یہ وہم سا گیا

کسی بے نشان کا تو ذکر کیا نہ رہے وہ اپنی کمر سے خوش
نہ ہو درد وہ آہ و غم و الم کبھی تنگ اپنے مقام سے

یہ ہو سر سے خوش وہ زبان سے خوش یہ ہو دل سے خوش وہ جگر سے خوش
یہ خوشا نصیب کہ یار نے مری موت غیر سے سن تو لی

یہ اگرچہ جھوٹ اڑائی تھی وہ ہوا تو ایسی خبر سے خوش
وہ گلی ہو اور نظارہ ہو یہ نظر ہو اور اشارہ ہو

کبھی شاد جلوۂ بام سے کبھی سیر روزن در سے خوش
مجھے تجھ سے شکوہ ہے اے فلک کبھی تو نے میری خوشی نہ کی

کوئی یہ بھی کام میں کام ہے جو کبھی ہو اہل ہنر سے خوش
دل و دین لیا جو رقیب سے تو مبارک آپ کو یہ خوشی

مجھے فائدہ مجھے نفع کیا کہ جو ہوں پرائے ضرر سے خوش
وہ تو حوریاں بہشت ہیں کہ ہر ایک فقیر سے شاد ہوں

یہ بتان ہند ہیں زاہد یہ حریص ہوتے ہیں زر سے خوش
یہ سنا جو حضرت داغ نے کہ حضور کعبے کو جائیں گے

یہی ذکر ہے یہی فکر ہے شب و روز عزم سفر سے خوش

☆☆☆☆☆

ردیف صاد مہملہ

141

یہ نہ کہیے کہ نہیں کام کی حرص
اور جو کافر کو ہو اسلام کی حرص

ہم نے توبہ میں یہ لذت پائی
ہو گئی بادۂ گلفام کی حرص

اس نگاہ سے مجھے فتنے کی طمع
اس دہن سے مجھے دشنام کی حرص

ہو گیا جان کا خواہاں قاصد
دے نہ اتنا جو ہو انعام کی حرص

ہائے ساقی کا تغافل مجھ سے
اور مجھ رند مے آشام کی حرص

فتنہ گر وہ بھی ہوئی ہے مشہور
تھی قیامت کو ترے نام کی حرص

آنکھ پڑتی ہے تری لیل و نہار
ہے اس گردشِ ایام کی حرص

مل گئے میرے سیہ بختی میں
دیکھنا زلفِ سیہ فام کی حرص

غیر کے ڈھنگ اڑاؤ اے داغ
ہے اگر راحت و آرام کی حرص

☆☆☆☆☆☆

ردیف ضاد معجمہ

142

آئے وہ بیوفا یہاں اس کی بلا کو کیا غرض
جائے در قبول تک میری دعا کو کیا غرض

موت کو اے دلِ حزیں اور بہانے ہیں بہت
آئے جو اس کے ساتھ سے میرے قضا کو کیا غرض

دعویٰ دین گر کیا کہنے لگا وہ بت بجا
بخش دے آپ کو خدا ایسی خدا کو کیا غرض

جبکہ ہو خانہ رقیب خانہ یار سے قریب
لائے جو میری راہ پر راہ نما کو کیا غرض

اس کی گلی سے آئی کیوں نگہتِ زلف لائے کیوں
مجھ کو صبا سے ہے امید مجھ سے صبا کو کیا غرض

یہ تو میرا ہے کام ہے سجدے کروں تو میں کروں
کیوں ترے پاؤں پر گری زلفِ رسا کو کیا غرض

بعد فنا یقیں ہے کھائے گا استخواں مرے

سایہ فگن ہو کس لئے بال ہما کو کیا غرض

ماتم داغ میں شریک ہو نہ ہو اختیار ہے

گھر سے تمہیں بلائیں کیوں اہل عزا کو کیا غرض

☆☆☆☆☆☆

ردیف طائے مہملہ

143

میں اور حرف شکوہ غلط اے صنم غلط

واللہ جھوٹ ہے یہ خدا کی قسم

دیکھے ہزار آئینہ و جام عمر بھر

افسانہ سکندر و احوال جم غلط

آتا ہے وہم لغزش مستانہ دیکھ کر

پڑتے ہیں نامہ بر کے ہزاروں قدم غلط

معشوق کس طرح نہ کرم کے عرض ہوں گرم

ہے ان کی سر نوشت میں لفظ کرم غلط

مطلب نکال لیتے ہیں سب حرف حرف سے

پڑھتے ہیں وہ صحیح جو لکھتے ہیں ہم غلط

تعریف سن کے وہ بولے بہت بجا

مضمون شوق پڑھ کے کہا یک قلم غلط

سن سن کے عرض حال کی تکرار بار بار

کہنا کسی کا ناز سے وہ دمبدم غلط

مصحت نہیں ہے نامہ اعمال ہے مرا

یا رب یہ ہے ہزار جگہ کم سے کم غلط

وہ نیم وعدہ کرتے ہے دل میں پلٹ گئے
آدھی قسم صحیح تھی آدھی قسم غلط

☆☆☆☆☆

قطعہ

کل چھیڑ سے جو ہم نے کہا کیوں ستم شعار
کہتے ہیں ہم فسانہ رنج و الم غلط
کیا رسم و راہ غیر سے رکھتا نہیں ہے تو
کیا جھوٹ ہے یقیں ہمارا بھرم غلط
تجھ سے امید ہو تو خدا سے ہوں نا امید
کیا جانتے نہیں ترے وعدے کو ہم غلط
کیا کوچہ رقیب میں چھپ کر نہیں گیا
ہو جائے گا سراغ نشاں قدم غلط
مشہور کس کا نام ہے جھوٹا جہاں میں
کھاتا ہے روز کون قسم پر قسم غلط
دیکھا ہے تجھ کو آخر شب پاس غیر کے
کہتے ہیں خواب صبح کا ہوتا ہے کم غلط
ایسی ہی خوش گئے ہیں ترے کشتہ فراق
تڑپیں گے تیری یاد میں اہل عدم غلط
اپنے ہی گھر کو آپ سمجھنا کہ ہے بہشت
اس کے سوا حکایت خلد دارم غلط
کہنا یہ نامہ بر سے مرے وہ تو مر گیا
جھوٹا ہے تو یہ نامہ غلط یہ رقم غلط

تجھ سے یقیں کینہ و جور و جفا بجا
چشم وفا و الفت و مہرو کرم غلط

بولے وہ داغ آپ ہیں جھوٹوں کے بادشاہ
معشوق سے شکایت جور و ستم غلط

حوروں سے ملئے خلد بریں کو سدھاریئے
دنیا میں آپ کا نہیں ہونے کا غم غلط

☆☆☆☆☆☆☆

ردیف ظائے معجمہ

144

غم جاوید ہے ہم سے محظوظ
اور ہم تیرے ستم سے محظوظ

دل میں رہتے ہیں جو رہنے والے
کب ہوئے خلد و ارم سے محظوظ

کیوں نہ ہوں چشم کرم کی مشتاق
ہوتے ہیں اہل کرم سے محظوظ

کیوں نہ پس جائے قیامت ظالم
فتنے ہیں تیرے قدم سے محظوظ

نامہ بر تجھ سے وہ مسرور ہوئے
یا مری طرز رقم سے محظوظ

وائے تقدیر کہ مر کر بھی ہم
نہ ہوئے سیر عدم سے محظوظ

نہ ملے وہ تو کہیں بھی کیا خوب

پھر ہوں ہم دیر و حرم سے محظوظ

وصل میں شاد ہو کیسا کیسا

جو ہو جھوٹی بھی قسم سے محظوظ

بے کسی میں ہے غنیمت اے داغ

کیوں نہ ہوں عشق کے غم سے محظوظ

☆☆☆☆☆☆

145

قول و قسم کی شرم ملاقات کا لحاظ

انسان کو ضرور ہے ہر بات کا لحاظ

تھوڑی سی پی ہی لی ہی بہت حجتوں کے بعد

آ ہی گیا پیر خرابات کا لحاظ

دامن جھٹک کے چھڑایا ہزار بار

تم کو ہوا نہ خاک مرے بات کا لحاظ

اے شیخ یاد دوست میں ہوں مست رات دن

لازم ہے مجھ سے رند خوش اوقات کا لحاظ

کل غیر کے بھی سامنے جھپکے گی تیری آنکھ

دن کو مزہ دکھائے گا اس رات کا لحاظ

دیکھو ادھر اٹھاؤ نظر ہو چکی حیا

کیا جانتا نہیں کوئی اس گھات کا لحاظ

کل بھی خدا کے واسطے رکھنا خیال میں

ان منتوں کی شرم و مدارات کا لحاظ

اقرار بھی ہے وصل پہ انکار بھی انہیں

اس بات کا لحاظ نہ اس بات کا لحاظ
فریاد نالہ شور فغاں شیون اشک آہ
ساتوں فلک بھی کرتے ہیں ان سات کا لحاظ
اے داغ میکدے میں گئے ہیں جناب شیخ
ٹوٹا ہے آج قبلہ حاجات کا لحاظ

☆☆☆☆☆☆☆

ردیف عین مہملہ

146

اس شوق کی نہیں بت قاتل کی اطلاع
افسوس ہے کہ دل کی نہ ہو دل کو اطلاع
سارے جہاں کو گردش مجنوں کی ہو خبر
لیکن نہ ہو تو صاحب محمل کو اطلاع
میں ناتواں چلا ہوں دبے پاؤں اس طرح
میری نہیں ہے رہبر منزل کو اطلاع
صورت دکھا کے آئینے کو نام بھیجتاؤ
ہو جائے خوب مد مقابل کو اطلاع
جانکاہ عاشقوں کو ہے یوں ہجر کی خبر
جس طرح ہو خزاں کی عنادل کو اطلاع
ہے آدمی کے پردہ غفلت سے زندگی
مر جائے گر ذرا بھی ہو غافل کو اطلاع
چھپتے ہی کب چھپائے سے اہل کرم کی شان
ہوتی ہے خود بخود دل سائل کو اطلاع

ہم تشنہ کام بزم سے اٹھ آئے لاکھ بار
اس کی نہیں ہے ساقی محفل کو اطلاع

مرتا ہے کون عشق میں کس نے کیا ہے وار
قاتل کو اطلاع نہ بسمل کو اطلاع

وہ پہلو رقیب میں ہے مست و بے خبر
دے اے فغاں پکار کے غافل کو اطلاع

راتوں کو چھپ کے جب وہ گئے ہیں عدو کے گھر
اے داغ ہو گئی ہے مری دل کو اطلاع

☆☆☆☆☆☆☆

ردیف غین معجمہ

147

مانند گل ہیں میرے جگر میں چراغ داغ
پروانے دیکھتے ہیں تماشائے باغ داغ

کب تنگ دل کے دل میں سماتا ہے داغ عشق
میدان حشر چاہئے بہر فراغ داغ

بھر جائے سوز دل کا مزہ آنکھ میں اگر
ہو مثل لالہ دیدۂ نرگس ایاغ داغ

گھرا ہو داغ دل مدد اے ناخن جنوں
لبریز خوں سے رہے ہر دم ایاغ داغ

مرگ عدو سے آپ کے دل میں چھپا نہ ہو
میرے جگر میں اب نہیں ملتا سراغ داغ

دل میں قمر کے جب سے ملی ہے اسے جگہ

اس دن سے ہو گیا ہے فلک پر دماغ داغ

جائیں جو لے کے داغ جنوں وحشیاں عشق

ہو جائے نام گلشن فردوش باغ داغ

تاریکی لحد سے نہیں دل جلے کو خوف

روشن رہے گا تا بہ قیامت چراغ داغ

مولا نے اپنے فضل و کرم سے بچا لیا

رہتا وگرنہ ایک زمانے کو داغ داغ

☆☆☆☆☆☆☆

ردیف فا

148

کیسی حیا و شرم طبیعت ہے بر خلاف

بولے ہزار بار وہ مجھ سے مگر خلاف

باہم تمہارے عشق میں یہ پھوٹ پڑ گئی

آنکھوں سے دل خلاف ہے دل سے جگر خلاف

کشتی نہ ہو تباہ کسی نامراد کی

چلتی ہے آج صبح سے باد سحر خلاف

مجھ کو گمان تھا کہ ملے گا رقیب سے

یہ اتفاق ہے کہ رہا نامہ بر خلاف

بے مہر تیرے جو رسب اس نے بھلا دیئے

کس درجہ بر خلاف ہے دل کس قدر خلاف

افسوس کچھ نباہ کی صورت نہیں رہی

قسمت ادھر خلاف طبیعت ادھر خلاف

تجویز چارہ گر نے تو کی ہے دوائے عشق
یا رب مرے مزاج کی ہو بیشتر خلاف

اس سے زیادہ اور معلم نہیں کوئی
ہے خوش نصیب جس سے زمانہ ہو بر خلاف

مجھ سے مری نگاہ پھری دیکھنا اثر
دیکھی تھی آج میں نے کسی کی نظر خلاف

کیا شعبدے اٹھائے گے یہ بد گمانیاں
لکھے ہیں میں نے ان کو گلے سر بسر خلاف

ایسا نہ ہو کہ مجھ سے بگڑ جائے راہ میں
سب سے مرا طریق ہے اے راہبر خلاف

اے داغ زندگی کی توقع ہو کس طرح
قسمت خراب سخت مرض چارہ گر خلاف

☆☆☆☆

149

کیوں نہیں تم مجھ سے مری جان صاف
چاہئے انسان سے انسان صاف

موت کی صورت نظر آئی مجھے
ہے وہ تیرے تیر کا پیکاں صاف

چھٹ گئی سب بہتر مشتاقوں کی آج
کر دیا سفاک نے میدان صاف

کینہ جو اک صاف باطن تو نہیں
ہیں تری محفل میں سب سامان صاف

خط نہ دیکھا مصحف رخ پر ترے

یہ نظر آیا عجب قرآن صاف

ان کے گھر میں مجمع اغیار تھا

ہم یہ سمجھے تھے کہ ہے میدان صاف

خانہ دل کی صفائی ہو گئی

پھر نہیں مجھ سے مرا مہمان صاف

اس کے ہاتھوں خاک میں مل جائیں گے

دل کدورت سے نہیں اک آن صاف

مشغلہ ہے یہ جناب داغ کا

ہو رہا ہے آج کل دیوان صاف

☆☆☆☆☆☆☆

150

دیکھا نہ ہم نے رشک سے اغیار کی طرف

منہ پھیر بیٹھے بزم میں دیوار کی طرف

اے دل خوشا وہ دل جو پھرے یار کی طرف

دونوں جہاں ہیں ایسے طرفدار کی طرف

وہ دیکھتے ہیں بزم میں اغیار کی طرف

میں دیکھتا ہوں چرخ ستم گار کی طرف

سیل سرشک اپنے ہی گھر میں بہائیں گے

کیوں جائے یہ بلا تری دیوار کی طرف

بیٹھے بٹھائے آئے جو شامت تو کیا علاج

دل نے کہا کہ آؤ چلیں یار کی طرف

شوخی سے دیکھنا نہیں آتا ابھی انہیں
غرفے سے جھانک لیتے ہیں بازار کی طرف

جادو کیا رقیب پہ اس نے تو کیا کیا
دیکھو تم اپنے چشم فسوں کار کی طرف

بے کس رہیں گے حشر میں کب مجرمان عشق
رحمت کہے گی ہم ہیں گنہگار کی طرف

چاہی تھی داد ہم نے دل صاف کی مگر
آئینہ ہو گیا ترے رخسار کی طرف

تصویر کو بھی اس کی یہاں تک غرور ہے
دیکھے کبھی نہ طالب دیدار کی طرف

تقصیر میفروش کی اے محتسب نہیں
یہ چیز اڑ کے جاتی ہے میخوار کی طرف

آتا نہیں قریب کوئی دور دور سے
اٹھتی ہیں انگلیاں ترے بیمار طرف

بولے وہ آپ کب سے بنے ہیں حمایتی
یہ کہہ کے جھک پڑے مرے غمخوار کی طرف

چلتے نہیں وہ شرم سے نیچی نظر کیے
آنکھیں لگی ہیں شوخی رفتار کی طرف

دی جان کس خوشی سے تہ تیغ داغ نے
لب پر تبسم اور نظر یار کی طرف

☆☆☆☆☆☆

ردیف قاف

غم اٹھانے کے ہیں ہزار طریق
کہ زمانے کے ہیں ہزار طریق
غیر کے ذکر پر نہیں موقوف
جی جلانے کے ہیں ہزار طریق
نہیں خالی تسلیاں ان کی
آزمانے کے ہیں ہزار طریق
مہربانی کی ایک راہ تو ہو
گر ستانے گئے ہیں ہزار طریق
خواب میں تم کو کس نے روکا ہے
آنے جانے کے ہیں ہزار طریق
دل میں آیا ہزار راہ سے غم
اس ٹھکانے کے ہیں ہزار طریق
ان کو سو سو بہانے آتے ہیں
ہر بہانے کے ہیں ہزار طریق
جان سے جائیں گے ہم اے دربان
قید خانے کے ہیں ہزار طریق
دی ہے مے اس نے غیر کو جھوٹے
منہ لگانے کے ہیں ہزار طریق
ابھی کم سن ہو تم نہیں واقف
دل دکھانے کے ہیں ہزار طریق
داغ اب فاقہ مست بن بیٹھے

مانگ کھانے کے ہیں ہزار طریق

☆☆☆☆☆

ردیف کاف تازی

152

دعا مانگے دلِ غمگیں کہاں تک
کہوں میں دمبدم آمین کہاں تک

مسلمانوں سے بعض و کیں کہاں تک
کہاں تک اے بت بے دیں کہاں تک

ترے بیمار کو آتی نہیں موت
پڑھے جائے کوئی یسین کہاں تک

تڑپنے دو ابھی میں بھی تو دیکھوں
وہ دیتی ہیں مجھے تسکین کہاں تک

مجھے چھوڑیں خدا پر دوست میرے
یہ ہنگامہ سر بالیں کہاں تک

خدا اس بت کی باتوں کا ہے مشتاق
گیا شور لب شیریں کہاں تک

مرا منہ تھک گیا شکر جفا سے
کروں میں آفریں تحسین کہاں تک

پریشانی سیہ بختوں کی دیکھو
بنے گا طرۂ مشکیں کہاں تک

تصور میں عدو کے تم ہو بیدار
سناؤں قصہ رنگیں کہاں تک

بجا ہے عشق میں بے صبر ہوں
رہے گی آپ کی تمکیں کہاں تک
رہے گا مصطفیٰ آباد میں داغ
غریب و عاجز و مسکین کہاں تک

☆☆☆☆☆

153

جا سکے جو نہ آپ کے در تک
جائے وہ داد خواہ محشر تک
دل کا آئینہ خوب صاف کیا
اور ہم نے مٹائے جوہر تک
پہنچا ناسور سینہ تابہ جگر
ہم نے پہنچایا چور کو گھر تک
ہجر میں یوں بھی تو ہوا نہ وصال
پھیر دیکھے گلے پہ خنجر تک
تو رہے اور خرام ناز ترا
یہی فتنہ ہے بہت محشر تک
آتش توبہ سوز خاک لگے
آنچ آئے نہ دامن تر تک
کیا ٹھکانا ہے اس کدورت کا
خاک اڑتی ہی دیدۂ تر تک
میں نے جب غیر کا سلام لیا
ہاتھ آ کے رہ گیا سر تک

کوئی ملتا ہے داغ دل اے داغ
یہ جلے گا چراغ محشر تک

☆☆☆☆☆

154

ساقیا ابر ہے دے جام شتاب ایک پہ ایک
آج محفل میں گرے مست شراب ایک پہ ایک
ہے ترے عشق میں سرگرم عتاب ایک پہ ایک
اور کھینچے ہوئے شمشیر پہ آب ایک پہ ایک
گل بازی ہے حسینوں میں مرا افسانہ
پھینک دیتا ہے محبت کی کتاب ایک پہ ایک
جوش پر ہے جو ترا حسن تو اے پردہ نشیں
روز کرتا ہے غضب بند نقاب ایک پہ ایک
توڑا اس طرح سے ای نالہ دل ساتوں فلک
کہ گریں ٹوٹ کے یہ خانہ خراب ایک پہ ایک
تہ و بالا جو کیا واں بھی نگاہوں نے تری
تو پڑا ہو گا یونہی روز حساب ایک پہ ایک
گر سنے بزم طرب میں مری آہنگ فغاں
چڑھ کے بولے نہ کبھی تار رباب ایک پہ ایک
دل کو سو داغ نہ دو جان کو سو رنج نہ دو
منصفی شرط ہے لازم ہے عذاب ایک پہ ایک
کبھی پورا نہ ہوا تیری جفاؤں کا شمار
ہم بڑھاتے ہی گئے وقت حساب ایک پہ ایک

لب جو سیر کو آیا ہے جو وہ بحر جمال

ٹوٹا پڑتا ہے تماشے کو حباب ایک پہ ایک

جور پر جور غضب پر غضب ظلم پہ ظلم

بل بے قہر ایک پہ ایک اف رے عتاب ایک پہ ایک

یاد آتی ہے انہیں دم بدم ایک بات نئی

روز آتا ہے مرے خط کا جواب ایک پہ ایک

جب کبھی داغ کیا ہم نے سوال بوسہ

سینکڑوں اس نے دیئے سخت جواب ایک پہ ایک

☆☆☆☆☆☆

155

کتاب عشق کے الٹے ورق اول سے آخر تک

مگر سمجھے نہ ہم اس کا سبق اول سے آخر تک

بری ہے ابتدا بھی انتہا بھی تیری الفت کے

کہ اس میں ہیں غم و رنج و قلق اول سے آخر تک

کبھی ہے عرش اعلی پر کبھی تحت الثریٰ میں ہے

کھلے ہیں شیخ پر چودہ طبق اول سے آخر تک

مے انگور تحفے میں تجھے دیتا ہوں اے زاہد

رہے گا تیز یکساں یہ عرق اول سے آخر تک

ہزاروں دوست دشمن بزم میں اس کے رہے لیکن

رہا اک شکل پر نظم و نسق اول سے آخر تک

ازل سے تا ابد پائی نہ راحت اس جراحت نے

رہا ہم بسملوں کا سینہ شق اول سے آخر تک

بہار عارض گلگوں سے تیرے اس کو کیا نسبت
نہیں اک رنگ پر رہتی شفق اول سے آخر تک

بشر کو گر نہ ملتی کس کو ملتی عشق کی دولت
نہیں تھا کوئی اس کا مستحق اول سے آخر تک

لکھوں اس کو جواب اے داغ کیا میں سخت حیران ہوں
لکھے ہیں خط میں مضمون ادق اول سے آخر تک

☆☆☆☆☆

ردیف کاف فارسی

156

کیوں نہ جہاں مین ہو عیاں عیب و ہنر الگ الگ
دیکھتے ہیں بچشم غور اہل نظر الگ الگ

اس کی تلاش میں مگر ایک کا ایک ہے رقیب
پھرتے ہیں روز و شب جو یوں شمس و قمر الگ الگ

راہ میں ان کو وہم تھا کوئی نہ بدگماں ہو
آئے تو ساتھ وہ مجھ سے مگر الگ الگ

تیغ نگاہ یار کو دیتے ہیں ہر گھڑی دعا
پارۂ دل جدا جدا لخت جگر الگ الگ

روح فزا کسی کو ہے روح گزا کسی کو ہے
بادۂ عشق نے کیا اپنا اثر الگ الگ

کس کا یقیں کیجئے کس کا یقیں نہ کیجئے
لائے ہیں اس کی بزم سے یار خبر الگ الگ

میں ہوں ادھر تو وہ ادھر میں ہوں یہاں تو وہ وہاں

رہتے ہیں مجھ سے دور دور آٹھ پہر الگ الگ

ہوتے ہیں کیونکر اک جگہ یہ عجب اتفاق ہے

جاتے ہیں جانب عدم یاں سے بشر الگ الگ

رنج فراق یار بھی صدمہ روزگار بھی

ایک دل اور اتنے غم چاہئے گھر الگ الگ

غوث کا مرتبہ کیا تو نے قتیل تیغ کا

کٹ کے گرے ہیں دست و پا سینہ و سر الگ الگ

ان کو یہ وہم ہے کہیں ایک سے ایک مل جائے

لوگ بہت ہیں بزم میں سب ہیں مگر الگ الگ

حشر کو اس نے چن لئے داغ گناہ گار عشق

تاڑ گئی ہزار میں اس کی نظر الگ الگ

☆☆☆☆☆☆

ردیف لام

157

مجھ سا نہ دے زمانے کو پروردگار دل

آشفتہ دل فریفتہ دل بیقرار دل

ہر بار مانگتی ہیں نیا چشم یار دل

اک دل کی کس طرح سے بناؤں ہزار دل

مشہور ہو گئی ہے زیارت شہید کی

خون کشتہ آرزو کا بنا ہے مزار دل

یہ صید گاہ عشق ہے ٹھہرائیے نگاہ

صیاد مضطرب سے نہ ہو گا شکار دل

طوفان نوح بھی ہو تو مل جائے خاک میں
اللہ رے غبار ترا پر اغبار دل

پوچھا جو اس نے طالب روز جزا ہے کون
نکلا مری زبان سے بے اختیار دل

کرتے ہو عہد وصل تو اتنا ہے خیال
پیمان سے زیادہ ہے ناپائیدار دل

تاثیر عشق یہ ہے ترے عہد حسن میں
مٹی کا بھی بنائیں تو ہو بیقرار دل

اس کی تلاش ہے کہ نظر آئے آرزو
ظالم نے روز چاک کئے ہیں ہزار دل

عالم ہوا تمام رہا اس کو شوق حور
برسائے آسمان سے پروردگار دل

پہلے پہل کی چاہ کا کیجئے نہ امتحان
آنا تو سیکھ لے ابھی دو چار بار دل

نکلے مری بغل سے وہ ایسے تڑپ کے ساتھ
یاد آ گیا مجھے وہیں مجھے بے اختیار دل

اے عندلیب تجھ کو لگے کب ہوائے عشق
کلیوں کی طرح تجھ میں نہ پھوٹے ہزار دل

عاشق ہوئے وہ جیسے عدو پر یہ حل ہے
رکھ کہہ کے ہاتھ دیکھتے ہیں بار بار دل

اس نے کہا ہے صبر پڑے گا رقیب کا
لے اور بیقرار ہوائے بیقرار دل

بیتاب ہو کے بزم سے اس کی اٹھا دیا
غافل میں ہوں مگر ہے بہت ہوشیار دل

مشہور ہیں سکندر و جم کی نشانیاں
اے داغ چھوڑ جائیں گے ہم یادگار دل

☆☆☆☆☆

158

ہوا زمانہ پیری عذاب میں داخل
جوان تھے تو جوانی تھی خواب میں داخل

پڑھی نماز جنازے کی میرے قاتل نے
گناہ کر کے ہوا ہے ثواب میں داخل

غلط رہا ہے وہی ابتدا سے آخر تک
ہوئی ہے دل کی رقم جس حساب میں داخل

کسی نے دست تسلی سے ایسی چٹکی لی
سکون دل بھی ہوا اضطراب میں داخل

بہت ہے ناز تمھیں حال مصحف رخ پر
مگر یہ نکتہ نہیں انتخاب میں داخل

ہوا یہ شرم معاصی سے پانی پانی میں
تمام غلط عناصر ہیں آب میں داخل

رقیب کو مرے آگے پلائے مے ساقی
کیا نہ زہر ذرا سا شراب میں داخل

بتوں کا روئے کتابی ہوا ہے کیوں مقبول
خدا کا نام نہیں اس کتاب میں داخل

وہ لطف خاص ترا جس سے جان پر بن جائے
نہ ہو کہیں ستم بے حساب میں داخل
اگر نہیں مے و مینا و ساقی و معشوق
بہشت بھی ہے جہاں خراب میں داخل
یہ رشک مانع توبہ ہوا ہے اے زاہد
برے بھلے ہیں سبھی اس ثواب میں داخل
دکھا کے منہ جو چھپاتے ہو کوئی چھپتا ہے
نگاہ شوق رہے گی نقاب میں داخل
کسے مجال جو دیکھے وہ حسن عالم سوز
وہاں ہے برق تجلی حجاب میں داخل
مقام اہل خرابات اور ہے زاہد
نہیں یہ لوگ جہاں خراب میں داخل
یہاں ادائے خاموشی کو ہم جفا سمجھے
وہاں جواب نہ دینا جواب میں داخل
زمانہ بخت جوان لائے گا کہاں تجھ سے
کہیں ہوئی بھی ہے پیری شباب میں داخل
وہ لطف تو سن عمر رواں کے کیا جانے
ہوا ہے پاؤں خضر کا رکاب میں داخل
دوبارہ ہم کو کبھی بھول کر نہ لکھنا خط
یہ شرط ہے مرے خط کے جواب میں داخل
غش آ گیا جو مجھے رات اس کو وہ سمجھے
ہوئی ہے بے خدی شوق خواب میں داخل

گئے تھے داغ تلاش صنم میں کعبے کو
خدا نے مفت کیا ہے ثواب میں داخل

☆☆☆☆☆☆

159

کیوں کہہ کے دل کا حال کریں ہائے ہائے دل
اچھی کہی کہ ہم سے کہو ماجرائے دل

افسوس میں نے روز ازل یہ نہ کہہ دیا
دے مجھ کو سب جہاں کی نعمت سوائے دل

گھبرا کے بزم ناز سے آخر وہ اٹھ گئے
سن سن کے ہائے ہائے جگر ہائے ہائے دل

بہر عیادت آج وہ آکر یہ کہہ گئے
ہو زندگی عزیز جسے کیوں لگائے دل

رہتا ہے دم خفا مرے سینے میں ہر گھڑی
روٹھے ہوئے کو ہائے کہاں تک منائے دل

یہ دلربا ہے اب اسے لے کر نہال ہوں
پروا نہیں رہی ہمیں جاتا ہے جائے دل

کیا اب بھی مشق ظلم کے ارمان رہ گئے
ایک ایک دن میں تو نے ہزاروں ستائے دل

آئینہ جان کر انہیں اغماض ہو گیا
یہ کیا کیا برا ہوا ترا اے صفائے دل

شکوہ کیا کیا کہ شکر کیا تیر یار کا
تھم تھم کے نرم نرم کچھ آئے صدائے دل

پایا نہ اس گلے میں دل اپنا کسی جگہ

یوں ہم گرے پڑے تو بہت ڈھونڈ لائے دل

تعریف ان کی ہوتی ہے کیوں میرے روبرو

تم چاہتے ہو یہ کہ رقیبوں پر آئے دل

جو رسپہرو ظلم بتان سہہ گئے بہت

رستم وہی ہے جس نے اٹھائے جفائے دل

ایسا بناؤں ٹھیک کہ یہ یاد ہی کرے

اب کی کس طرح مرے قابو میں آئے دل

کہتے نہ تھے وہ سن کے برا مان جائیں گے

اے داغ ان سے اور کہو ماجرائے دل

☆☆☆☆☆

ردیف میم

160

چھک گئے ہیں آج اک ساغر سے ہم

ہاتھ دھو بیٹھے مے کوثر سے ہم

بت کدے میں جا کے اس بات کا پتا

پوچھتے پھرتے ہیں ہر پتھر سے ہم

قصد صحرا ہے دل ویراں کے ساتھ

اک بیاباں لے چلے ہیں گھر سے ہم

جب رگ جاں سے کمی کرتا ہے خون

چھیڑ دیتے ہیں اسے نشتر سے ہم

تیر تیرا بڑھ کے مژگاں سے نہیں

کچھ کھٹکتے ہیں اسی نشتر سے ہم

کس قدر کھٹکتی ہے راہ شوق جلد

تیز چلتے ہیں تیرے خنجر سے ہم

کیا کہیں کس سے کہیں کس کے لئے

پھرتے ہیں چاروں طرف مضطر سے ہم

حضرت واعظ نے جو چاہا کہا

پر نہ بولے کچھ خدا کے ڈر سے ہم

دل جو اپنا ہم نے مانگا تو کہا

کیا چرا لائے تمہارے گھر سے ہم

ہمسری تجھ سے کرے گر آسمان

صدقہ کر ڈالیں ترے سر پر سے ہم

وہ ستمگر روبرو ہو گا تو داغ

کیا کہیں گے داور محشر سے ہم

☆☆☆☆☆☆☆

161

ڈرتے ہیں چشم و زلف و نگاہ و ادا سے ہم

ہر دم پناہ مانگتے ہیں ہر بلا سے ہم

معشوق جائے حور ملے مے بجائے آب

محشر میں دو سوال کریں گے خدا سے ہم

گر تو کسی بہانے آ جائے وقت نزع

ظالم کریں ہزار بہانے قضا سے ہم

گو حال دل چھپاتے ہیں پر اس کو کیا کریں

آتے ہیں خود بخود نظر اک مبتلا سے ہم

ناچار اختیار کیا شیوۂ رقیب

کچھ بے حیائی خوب ہیں گذرے حیا سے ہم

مانگی نہ ہو گی خضر نے یوں عمر جاوداں

کیا اپنی موت مانگتے ہیں التجا سے ہم

دیکھیں تو پہلے کون مٹے اس کی راہ میں

بیٹھے ہیں شرط باندھ کے ہر نقش پا سے ہم

مجبور اپنی شیوۂ شرم و حیا سے تم

ناچار اضطراب دل مبتلا سے ہم

یہ آرزو ہے آنکھ میں سرمہ لگائیں گے

اے داغ خاک پائے رسول خدا سے ہم

☆☆☆☆☆

162

شب وصال نہ پتلے بنو حیا کے تم

جفا کے تم سے گلے ہم کریں وفا کی ہم

کوئی خوشی تو ہوئی ہے کہ ہنستی آتی ہو

گئے تھے کیا کسی مردے پر آشنا کے تم

مزا ہو حشر میں دونوں ہوں ایک بار طلب

ہمارے ساتھ چلو سامنے خدا کے تم

کسی طرح نہیں ٹلتے بغیر دل کے لئے

یہ ڈھنگ سیکھ گئے کس کی التجا سے تم

مجھے جو ناز ہوا اپنی بے گناہی پر

کہا انہوں نے سزا وار ہو سزا کے تم
مری زبان جلائے سے کیا جلے گا اثر
کہ جانتے ہی نہیں ہتھکنڈے دعا کے تم
کیا جو شکوہ عزیزوں نے میرے قاتل سے
کہا یہ انہوں نے کہ قائل نہیں قضا کے تم
کہیں نہ حضرت دل ہم سے تم دغا کرنا
ہماری دوست پرانے ہو ابتدا کی تم
تمہارے شعر میں گرمی ہے کس قیامت کی
جلے ہوئے ہو مگر داغ انتہا کے تم

☆☆☆☆☆☆

ردیف نون

163

بے کسی صدمہ ہجراں کی مجھے تاب نہیں
کاش دشمن ہی چلے آئیں جو احباب نہیں
قبر میں بھی نہ بجھی آتش غم وائے نصیب
ہم جہاں دفن ہیں واں زیر زمیں آب نہیں
بخت بیدار نہ یہ دیدۂ درباں یا رب
چشم مشتاق کی تقدیر میں کیوں خواب نہیں
تجھ کو اے بخت سیہ آگ لگا کر دیکھوں
شب ہجراں میں اگر جلوۂ مہتاب نہیں
جام کوثر اسی میکش کو ملے گا زاہد
بول اٹھا جو کوئی ہم کو مئے ناب نہیں

چھیڑ تھمتی ہے کوئی نالہ کوئی رکتا ہے
چارہ گر ناخن وحشت ہے یہ مضر اب نہیں

اب لفافہ بھی نہیں خط کا خدا کی قدرت
پہلے اتنی ہی شکایت تھی کہ القاب نہیں

واں یہ ٹھہری ہے کہ اس کو بھی نظر میں رکھئے
اب جو ٹھہرے تو ہمارا دل بیتاب نہیں

دیکھ بت خانے میں تصویر کا عالم اے شیخ
یاں مصلا نہیں منبر نہیں محراب نہیں

آنکھ لگتی ہے تو کہتے ہیں کہ نیند آتی ہے
آنکھ اپنی جو لگی چین نہیں خواب نہیں

راز دل کس سے کہوں حضرت ناصح کہئے
جو مرے دوست ہیں کیا غیر کے احباب نہیں

نامہ بر مجھ سے یہ کہتا ہے کہ تم تو کیا ہو
بادشہ بھی تو وہاں قابل القاب نہیں

نہ ملے مجھ کو مرے حال پہ رونے والے
عیش کیسا کہ یہاں غم کے بھی اسباب نہیں

مجھ سے بے تاب کی میت پہ ملیں کیوں کافور
کیا میرے مرے احباب کو سیماب نہیں

جستجو چاہئے گو خون جگر ہی مل جائے
رزق انسان کا کمیاب ہے نایاب نہیں

پوچھتے کیا ہو کہ دیکھا شب وعدہ کیا گیا
تم سے تعبیر بن آئے وہ مرا خواب نہیں

موت اب کوچہ قاتل میں کھڑی رہتی ہے
یہ سر قسمت کہ تیری اے دل بیتاب نہیں

طعنے دینے کو محبت میں برا کہنے کو
کون سے روز یہاں مجمع احباب نہیں

حال دل جس سے کہا اس نے کہا بس خاموش
داغ اس درد کے سننے کی ہمیں تاب نہیں

☆☆☆☆☆☆

164

کیا کیا فریب دل کو دیئے اضطراب میں
ان کی طرف سے آپ لکھے خط جواب میں

شوخی نے تم کو ڈال دیا اضطراب میں
کچھ تمکنت کا لطف نہ دیکھا شباب میں

ہے پائیدار رشتہ عمر مسیح سے
میرا بھی تار جیب لگا نہ نقاب میں

کچھ شان مغفرت سے نہیں دور زاہد و
ڈوبیں گناہ بادہ کشوں کے شراب میں

کیا جانیں کیا سکھائیں گے ان کو صلاح کار
ہر روز گفتگو ہے نئی میرے باب میں

اے اہل حشر جمع ہیں یاں سب طرح کے لوگ
وہ کچھ صلاح مجھ کو طبیعت کے باب میں

حوروں کا انتظار کرے کون حشر تک
مٹی کی بھی ملے تو روا ہے شباب میں

پیر مغاں کی دل شکنی کا رہا خیال

داخل ہوا ہوں توبہ سے پہلے ثواب میں

ہر وقت انتظار طلب میں ہیں مستعد

رہتا ہے ایک پاؤں ہمارا رکاب میں

گر وہ نہ آئیں گے تو اجل آئے گی ضرور

تسکین ملی ہوئی ہے مرے اضطراب میں

جی چاہتا ہے چھیڑ کے ہوں اس سے ہمکلام

کچھ تو لگے گی دیر سوال و جواب میں

دنیا کی باز پرس سے اب تک نہیں نجات

الجھا ہوا ہوں حشر کے دن بھی حساب میں

کوئی گلہ کرے گا نہ غصے کی بات کا

کہنا ہو جو کسی کو وہ کہہ لو عتاب میں

رکھنا قدم تصور جاناں سنبھال کر

کائی ہے جا بجا میری چشم پر آب میں

اے شیخ جو بتائے مے عشق کو حرام

ایسے کے دو لگائے بھگو کر شراب میں

اے داغ کوئی مجھ سا نہ ہو گا گناہگار

ہے معصیت سے میری جہنم عذاب میں

☆☆☆☆☆☆

سوز و گداز عشق کا لذت چشیدہ ہوں

مانند آبلہ ہمہ تن آبدیدہ ہوں

سرو سہی ہوں اور نہ شاخ خمیدہ ہوں

تسلیم و راستی کے لئے آفریدہ ہوں

گر تو نہ ہو تو پھر کسی کافر کا دل لگے

دوزخ میں آرمیدہ ارم سے رمیدہ ہوں

نازک مزا جیون نے مجھے تجھ سا کر دیا

اے بے خبر میں اپنے سے آپ ہی کشیدہ ہوں

اللہ رے کشاکش دیر و حرم کہ میں

ظالم ہزار ہاتھ سے دامن دریدہ ہوں

پروانہ پاس شمع کے بلبل ہے گل کے پاس

اک میں کہ تیری بزم میں خلوت گزیدہ ہوں

بے تاب درد ہوں تو دل راز دار ہوں

لبریز شکوہ ہوں تو زبان بریدہ ہوں

افتادگی پہ بھی نہ گئی اس کی جستجو

گویا زمین پہ سایہ مرغ پریدہ ہوں

اے آرزوئے تازہ نہ کر مجھ سے چھیڑ چھاڑ

میں پائے شوق و دست تمنا بریدہ ہوں

صیاد پر ہوں بار تو ہوں باغباں کو خار

آزاد دام و تا بہ چمن نا رسیدہ ہوں

اے داغ جس کے واسطے روز جزا بنا

وہ کون ہے وہ میں ہی تو آفت رسیدہ ہوں

☆☆☆☆☆☆

الٰہی کیا کریں ضبط محبت ہم تو مرتے ہیں
کہ نالے تیر بن بن کر کلیجے میں اترتے ہیں
جفا پر جان دیتے ہیں ستم پر تیرے مرتے ہیں
یہ ناکام محبت سچ تو یہ ہے کام کرتے ہیں
کہیں کیا ہم پہ جو صدمے گزرتے ہیں گذرتے ہیں
لگایا جس گھڑی دل اس گھڑی کو یاد کرتے ہیں
تماشا جب سے دیکھا ہے مرے دل کے تڑپنے کا
تماشا ہے کہ وہ اپنی نظر سے آپ ڈرتے ہیں
پۓ تعظیم اٹھتی ہے قیامت کوۓ جاناں میں
اجل کہتی ہے بسم اللہ جہاں ہم پاؤں دھرتے ہیں
بڑھایا ہم نے دل اس کا یہ کہہ کہہ کر دم بسمل
لگا چک تیغ اے قاتل کہیں قاتل بھی ڈرتے ہیں
مزہ ہے نامہ دلبر میں کیا جس وقت پڑھتا ہوں
تو سن کر کاتب اعمال اس کو حفظ کرتے ہیں
نہ کرنا منفعل اے ناخن غم تیغ قاتل سے
کہ رنگ گریہ کہتا ہے جگر کے زخم بھرتے ہیں
نہیں آتے نہ آئیں وہ گئے تاب و تواں جائیں
تجھی پر آج ہم اے بے قراری صبر کرتے ہیں
تہہ خنجر یہ کہتا تھا ستمگر سے گلو اپنا
جو یوں کٹ کٹ کے لڑتے ہیں وہ کب گھٹ گھٹ کے مرتے ہیں
تسلی دل دہی دلجوئی اک حیلہ بہانہ ہے
مرا دل دیکھتے ہیں وہ جو دل پر ہاتھ رکھتے ہیں

نہ پوچھو کچھ مصیبت درد منداں محبت کی
خدا پر خوب روشن ہے گذر جس طرح کرتے ہیں
قیامت ہی نہ کیوں گذرے ہمیں واں سنگ رہ ہونا
سنا جس رہگذر کو یہ ادھر سے وہ گذرتے ہیں
یہاں تک بد گماں ہیں میرے مرغ نامہ بر سے وہ
کہ پہلے ذبح کرتے ہیں تو پیچھے پر کترتے ہیں
خدا ہی کوئی پوچھے حشر میں ہم سے ترے آگے
کہ واں تم کس پہ مرتے تھے کہیں ہم اس پہ مرتے ہیں
ہم اس غفلت کے صدقے کوئی دم چھٹتے تو ہیں غم سے
کہ جس دم ہوش آتا ہے تو پہروں فکر کرتے ہیں
مرے ہر زخم دل پر بد نصیبی سی برستی ہے
وہ کس کی شور بختی سے نمکداں اپنا بھرتے ہیں
گلی کوچوں میں تم نے اشتہار عشق پھیلائے
کہ اڑا اڑا کر مرے مکتوب کے پرزے بکھرتے ہیں
کبھی یہ دل تماشا گاہ تھا عیش و مسرت کا
اب اس میں حسرت و شوق و تمنا سیر کرتے ہیں
زباں سے گر کیا بھی وعدہ تو نے تو یقیں کس کو
نگاہیں صاف کہتی ہیں کہ دیکھو یوں مکرتے ہیں
کبھی جھلکتا ہوں شیشے پر کبھی گرتا ہوں ساغر پر
مری بیہوشیوں سے ہوش ساقی کے بکھرتے ہیں
الٰہی دیدۂ دل تو نہ ٹھہرے رہگذر ٹھہرے
کہیں حسرت گذرتی ہے کہیں صدمے گذرتے ہیں

کوئی کہہ دے کہ تم نے دل لیا پھر دیکھئے کیا کیا

اچٹتی ہیں اکھڑتے ہیں پلٹتے ہیں مکرتے ہیں

ادا بیساختہ ان گیسوؤں کی کچھ نرالی ہے

بنائے سے بگڑتے ہیں سنوارے سے بکھرتے ہیں

تمہاری بد مزاجی سے ہمیں کیونکر نہ خوف آئے

مثل مشہور ہے صاحب برے سے سب ہی ڈرتے ہیں

ستم دیکھو بیاں رنج پر کہتا ہے وہ ظالم

یہ صدمہ تو نہیں آخر کسی پر ہم بھی مرتے ہیں

نہ پوچھو داغ ہم سے انتظار یار کی صورت

یہ آنکھیں جانتی ہیں خوب جو نقشے گذرتے ہیں

☆☆☆☆☆

167

اس چمن میں گو برنگ سبزۂ بیگانہ ہوں

گل ہے رنگین میں اپنے رنگ کا دیوانہ ہوں

میں تو ہر انداز معشوقانہ کا دیوانہ ہوں

گل پہ بلبل ہوں اگر تو شمع پر پروانہ ہوں

غفلت خوابید گاں خاک کے اوڑتے ہوش ہیں

میں شراب بیخودی سے اس قدر مستانہ ہوں

مجھ پہ سو سو ظلم دل کے واسطے اک اضطراب

اور پھر کہتا ہے میں ہی عشق میں مردانہ ہوں

غیر ناکامی ہوا حاصل نہ اس مے خانے میں

جائے مے حسرت بھری ہے مجھ میں وہ پیمانہ ہوں

جس پہ عاشق ہے صبا اس خاک کا ذرہ ہوں میں
برق جس پر لوٹے ہے اس کھیت کا دانہ ہوں

کر رہیں گے کام کچھ آخر مری ناکامیاں
جس قدر نادان ہوں اتنا ہی میں فرزانہ ہوں

مجھ سے اے گبرو مسلمان کس کے لئے اتنا تپاک
قابل مسجد نہ ہرگز لائق بت خانہ ہوں

وصل کی گرمی بھی ہے بار اپنی نازک طبع پر
شمع سے کافور ہو جاتا ہے وہ پروانہ ہوں

میں اگر ہمدرد کے دل میں ہوں تو اک درد ہوں
میں زبان پر ہم کے ہوں تو اک افسانہ ہوں

ہے سراسر تیرگی اے داغ میری روشنی
گو چراغ خانہ ہوں پر آفت کاشانہ ہوں

☆☆☆☆☆☆

168

میرا چرچا ہوا نہ کس کس میں
میں بنا چور ان کی مجلس میں

ہائے کس طور سے بنے وہ کام
ہو قدم دل کا درمیان جس میں

ہے کسی کا تو انتظار تجھے
آنکھ ملتی ہے تیری نرگس میں

دل کا ویرانہ ہو گیا لیکن
اب بھی ہے تیری آرزو اس میں

درہم داغ دل کو ہاتھ لگا
مال آیا ہے دست مفلس میں

دل بیتاب کے تڑپنے سے
آ گئی جان جسم بے حس میں

ہم ستم سے بھی خوش ہیں اے ظالم
وہ ستم کوئی لطف ہو جس میں

آنکھ اس کی صبا نے دیکھنی ہے
ڈال دی خاک چشم نرگس میں

تم پہ عاشق نہ ہوں تو کس پہ ہوں
تم میں جو بات ہے وہ ہے کس میں

گر کہا تم گلے سے مل جاؤ
مل گیا زہر کون سا اس میں

مجھ کو دشمن سے کیا گلہ اے داغ
انس پاتا نہیں ہوں مونس میں

☆☆☆☆☆

169

جب کہا اور بھی دنیا میں حسین اچھے ہیں
کیا ہے جھنجلا کے وہ بولے کہ ہمیں اچھے ہیں

نہ اٹھا خواب عدم سے ہمیں ہنگامہ حشر
کہ پڑے چین سے ہم زیر زمین اچھے ہیں

کس بھروسے پہ کریں تجھ سے وفا کی امید
کون سے ڈھنگ تری جان حزین اچھے ہیں

خاک میں آہ ملا کر ہمیں کیا پوچھتے ہو

خیر جس طور ہیں ہم خاک نشین اچھے ہیں

ہم کو کوچے سے تمہارے نہ اٹھائے اللہ

صدقے بس خلد کی کچھ ہم تو یہیں اچھے ہیں

نہ ملا خاک میں تو ورنہ پشیماں ہو گا

ظلم سہنے کو ہم اے چرخ بریں اچھے ہیں

دل میں کیا خاک جگہ دوں ترے ارمانوں کو

کہ مکاں ہے یہ خراب اور مکیں اچھے ہیں

مجھ کو کہتے ہیں رقیبوں کی برائی سن کر

وہ نہیں تم سے برے بلکہ کہیں اچھے ہیں

بت وہ کافر ہیں کہ اے داغ خدا ان سے بچائے

کون کہتا ہے یہ غارت گر دین اچھے ہیں

☆☆☆☆☆☆

170

بھر دیں عجب ادائیں اس شوخ سیم تن میں

اک ٹیڑھ سادگی میں اک سیدہ بانکپن میں

مطلب کی چھیڑ ان سے پنہاں سخن سخن میں

سچ یہ کہ داغ پر فن یکتا ہے اپنے فن میں

جیسے لیا ہے میں نے اے شوخ نام تیرا

مشکل ہوا زباں کو رہنا مرے دہن میں

میں سر بسر ہوں شکوہ اے تیغ یار تجھ سے

سو سو گلے بھرے ہیں ایک ایک عضو تن میں

میں ناتواں نہ پہنچا مر کر بھی تا بمنزل
زنجیر ہے مجھے وہ جو تار ہے کفن میں

پوچھوں کچھ کدورت اس داغدار دل کی
آتی ہے خاک لینے آندھی اس چمن میں

یہ گرم و سرد عالم دیکھیں دکھائیں کیا اب
شعلے تھے پیرہن میں کافور ہیں کفن میں

دست جنوں ہمارا چھوڑے نہ تار باقی
گر دامن قیامت پیوند ہو کفن میں

آفت ہے میکشوں کا پیاسا ہلاک ہونا
پھرتی ہے روح میرے ساقی کی انجمن میں

مجنوں کا حوصلہ تھا جو راز دل چھپاتا
اک مشت استخواں بھی رکھی نہ پیرہن میں

میت پر آئیں گے وہ یاں دم ہے مجھ میں باقی
یارو لپیٹ دینا زندہ مجھے کفن میں

اچھے کبھی اسیری مجھ سے شکستہ دل کی
اچھا شکن بڑھایا گیسوئے پر شکن میں

اس رنج بیکسی کی یا رب خبر نہ پہنچے
جائے نہ شام غربت سر پیٹتی وطن میں

خط کو کمر سے باندھا آخر تو بوجھ اٹھایا
میری زباں بھی کھلی اے نامہ بر دہن میں

ہے چارۂ ساز گلچیں گلہائے داغ کا
شامت بہار کی ہے آئی جو اس چمن میں

اک دن حریف محشر ہونا ہے اس سبب سے
بھرتی ہیں روز فتنے وہ چشم سحر فن میں
یہ شوق خود نمائی کیا کچھ جنوں سے کم ہے
بے تاب تجھ کو لایا خلوت سے انجمن میں
یہ کیا کہ دل میں آؤ تو خاک میں ملاؤ
رونق ہو انجمن کی بیٹھو جس انجمن میں
اے داغ ہم نہایت سمجھے اسے غنیمت
جو دم خوشی سے گذرا یاران ہم وطن میں

☆☆☆☆☆☆

171

ساز یہ کینہ ساز کیا جانیں
ناز والے نیاز کیا جانیں
شمع رو آپ گو ہوئے لیکن
لطف سوز و گداز کیا جانیں
کب کسی در کی جبہ سائی کی
شیخ صاحب نماز کیا جانیں
جو رہ عشق میں قدم رکھیں
وہ نشیب و فراز کیا جانیں
پوچھئے میکشوں سے لطف شراب
یہ مزا پاکباز کیا جانیں
بلے چتون تری غضب ری نگاہ
کیا کریں گے یہ ناز کیا جانیں

جن کو اپنی خبر نہیں اب تک
وہ مرے دل کا راز کیا جانیں

حضرت خضر جب شہید نہ ہوں
لطف عمر دراز کیا جانیں

جو گذرتے ہیں داغ پر صدمے
آپ بندہ نواز کیا جانیں

☆☆☆☆☆☆

172

مانا کہ لطف عشق میں ہے ہم مگر کہاں
کیا سوجھتا نہیں کہ پڑی ہے نظر کہاں

زاہد مری شراب کے چسکے ہی اور ہیں
توبہ مئے طہور میں ایسا اثر کہاں

بھرتا ہزار غنچہ پیکاں کو توڑ کر
اتنا مگر یہ دامن زخم جگر کہاں

اے آہ دل میں رہ کہ جو پردہ رہے ترا
جاتی ہے دوڑ دوڑ کے تو بے اثر کہاں

الفت جتایئے تو غلط جھوٹ نا درست
دل مانگئے تو کہتے ہیں کیسا کدھر کہاں

تھم تھم کے وار کر مرا درد مٹ نہ جائے
جب میں نہیں تو لذت زخم جگر کہاں

بھولا ہوں راہ فرط محبت میں دیکھئے
ہوتی ہے آج شام غریبی سحر کہاں

اب آہ بے شرر سے جلے خاک آسمان
گل ہے نہیں شجر میں ہمارے ثمر کہاں

اس زلف میں بھی اے دل مضطر نہ رہ سکا
خانہ خراب تیرے ٹھکانے کو گھر کہاں

دیتے ہیں یار کن کی خبر کیا ہیں بے خبر
یہ تو کہیں ہم اس سے رہے پیشتر کہاں

صورت میں اتحاد تو سیرت میں اختلاف
تجھ سا ہو اور تجھ سا نہ ہو وہ بشر کہاں

آغاز شوق میں نہیں انجام کی خبر
اس مبتدا کی دیکھئے نکلی خبر کہاں

مے خانے کے قریب تھی مسجد بھلے کو داغ
ہر ایک پوچھتا ہے کہ حضرت ادھر کہاں

☆☆☆☆☆☆

173

دل میں گھر بار کے پیکاں کئے بیٹھے ہیں
مجھ پہ قبضہ مرے مہمان کئے بیٹھے ہیں

تیرے وعدے کے ارماں کئے بیٹھے ہیں
تین دن پہلے ہی ساماں کئے بیٹھے ہیں

اللہ رے انہیں میری نظر سے پرہیز
کہ رقیبوں کو نگہباں کئے بیٹھے ہیں

اس طرح بیٹھے ہیں سر کاٹ کے میرا سر بزم
مجھ پہ گویا کہ وہ احسان کئے بیٹھے ہیں

ایسی وحشت نہیں اپنی کہ ہو محتاج بہار
پہلے ہی چاک گریباں کیے بیٹھے ہیں

مہندی ملنے کے بہانے ہیں عبث یوں کہیے
آج اغیار سے پیاں کیے بیٹھے ہیں

دیکھ اے دشمن ایمان کی وفا پر تیری
کس قدر صبر مسلماں کیے بیٹھے ہیں

دیکھیے کون گرفتار بلا ہوتا ہے
آج وہ زلف پریشاں کیے بیٹھے ہیں

اب ہے کیا ہم میں جو لے گی نگہ ناز تری
پہلے ہی جاں کا نقصان کیے بیٹھے ہیں

حسرت و یاس و تمنا کے لئے اک دل تھا
ہم اسے پہلے ہی ویران کیے بیٹھے ہیں

حضرت داغ کو پھر کیا کہیں وحشت اچھلی
آج گھر کو جو بیاباں کیے بیٹھے ہیں

☆☆☆☆☆

174

نالے کرنے دل ناکام برے ہوتے ہیں
کہ برے کاموں کے انجام برے ہوتے ہیں

ذبح کیجئے نہ مجھے میں تو یونہی مرتا ہوں
آپ کیوں لے کے یہ الزام برے ہوتے ہیں

خوب ہوں اہل ہوس کیا کہ نہیں پختہ مزاج
ہے یہ ظاہر ثمر خام برے ہوتے ہیں

ہو تسلی تو گذاروں شب ہجراں سازی

طور میرے تو سر شام برے ہوتے ہیں

چھیڑ معشوق سے کیجئے تو ذرا تھم تھم کر

روز کے نامہ و پیغام برے ہوتے ہیں

مہربانی نہ کرو اور غضب آئے گا

اس بھلائی میں مرے کام برے ہوتے ہیں

ہر قدم ہم کو رہ عشق میں اک منزل ہے

طور اپنے سر ہر گام برے ہوتے ہیں

راہ پر حضرت زاہد کو لگا ہی لائے

سچ تو یہ ہے کہ مے آشام برے ہوتے ہیں

درہم داغ نہ ہو داغ کو کس طرح عزیز

چارہ گر مفت کے کیا دام برے ہوتے ہیں

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

175

پھرا پیامبر اپنا خراب رستے میں

دیا نصیب نے اچھا جواب رستے میں

وہ یوں رقیب سے ہو بے حجاب رستے میں

کرے جو سائے سے بھی اجتناب رستے میں

یہ سچ ہے راہ محبت بڑی ہی ٹیڑھی کھیر

نہ آئے خضر کبھی اس خراب رستے میں

وہ گھر پہ آ کے مرے عرض حال بھول گئے

رہا وہ رستے کا سارا حساب رستے میں

بھٹکتے پھرتی ہیں اس رہگذر میں عاشق
مسافروں کی ہے مٹی خراب رستے میں

لگا کے باتوں میں لے آئے ہم انہیں گھر تک
ہزار ہم پہ ہوئے گو عتاب رستے میں

عجب نہیں کشش دل سے میرے اے قاصد
ملے اگر تجھے خط کا جواب رستے میں

گلی سے یار کی ہم اٹھ کے چل چکے تھے مگر
مچل گیا دل پر اضطراب رستے میں

یقیں ہے زندہ نہ پہنچیں گے کوئے جاناں تک
جو شوق کا ہے یہی اضطراب رستے میں

وہ رستہ کاٹ کے چلتے ہیں اس لئے مجھ سے
کہ کچھ کہے نہ یہ خانہ خراب رستے میں

بغل میں داب کے لے چل عدم کو شیشہ مے
ملے گی داغ نہ تجھ کو شراب رستے میں

☆☆☆☆☆☆☆

176

زاہد نہ کہہ بری کہ یہ مستانے آدمی ہیں
تجھ کو لپٹ پڑیں گے دیوانے آدمی ہیں

غیروں کی دوستی پر کیوں اعتبار کیجئے
یہ دشمنی کریں گے بیگانے آدمی ہیں

جو آدمی پہ گذری وہ اک سوا تمہارے
کیا جی لگا کے سنتے افسانے آدمی ہیں

کیا چور ہیں جو ہم کو درباں تمہارا ٹوکے
کہہ دو کے یہ تو جانے پہچانے آدمی ہیں

مے بوند بھر پلا کر کیا ہنس رہا ہے ساقی
بھر بھر کے پیتے آخر پیانے آدمی ہیں

تم نے ہمارے دل میں گھر کر لیا تو کیا ہے
آباد کرتے آخر ویرانے آدمی ہیں

ناصح سے کوئی کہہ دے کیجئے کلام ایسا
حضرت کو تا کہ کوئی یہ جانے آدمی ہیں

جب داور قیامت پوچھے گا تم پہ رکھ کر
کہہ دیں گے صاف ہم تو بیگانے آدمی ہیں

میں وہ بشر کہ مجھ سے ہر آدمی کو نفرت
تم شمع وہ کہ تم پروانے آدمی ہیں

محفل بھری ہوئی ہے سودائیوں سے اس کی
اس غیرت پری پر دیوانے آدمی ہیں

شاباش داغ تجھ کو کیا تیغ عشق کھائی
جی کرتے ہیں وہی جو مردانے آدمی ہیں

☆☆☆☆☆

177

میکشو مژدہ کہ گھنگھور گھٹائیں آئیں
تم پہ رحمت ہوئیں توبہ پہ بلائیں آئیں

مجھ پہ افلاک سے میری ہی بلائیں آئیں
سیفیاں پڑھتی ہوئیں پھر کے دعائیں آئیں

موت نے مجھ کو پکارا کہ مرے قاتل نے
آیئے آیئے مقتل سے ندائیں آئیں

کس کی زلفیں مجھے یاد آئیں شب ہجراں میں
کہ بلائیں مری لینے کو بلائیں آئیں

آئے دل میں بھی وہ ہمراہ نگہبانوں کے
برچھیاں تانیں ہوئے ساتھ ادائیں آئیں

جب ہوئی خاک مری جمع ترے کوچے میں
شرط باندھے ہوئے اڑا اڑا کے ہوائیں آئیں

گو محبت سے مری خاک نہ آیا مجھ کو
اس پہ مرتا ہوں کہ تم کو تو ادائیں آئیں

ناز ہے ان کو کرم پر کہ نہیں جس کا حساب
کس خطاوار کی گنتی میں خطائیں آئیں

کیا بڑی بات تھی باتوں میں اسے بہلانا
نہ گلے آئے زباں پر نہ دعائیں آئیں

کوے قاتل کی زمیں پر جو رکھا میں نے قدم
آسماں سے مرے ماتم کی صدائیں آئیں

آئینہ دیکھتے ہی بیٹھ گئے تھام کے دل
پھر کہا آہ مجھے کیوں یہ ادائیں آئیں

داور حشر سے اب تک ہے امید انصاف
کیا کریں گے جو پسند اس کی جفائیں آئیں

درد دل کچھ نہ کھلا داغ مگر وقت اخیر
داد بیداد کی دو چار صدائیں آئیں

☆☆☆☆☆☆

178

ہم تری بزم سے اے یار چلے جاتے ہیں
لے چلے جاتے ہیں ناچار چلے جاتے ہیں

اس کا کوچہ ہے کہ ہے عرصہ محشر یا رب
سینکڑوں طالب دیدار چلے جاتے ہیں

حضرت دل کی قضا آئی ہے اس کوچے میں
کہ یہ دوڑے ہوئے ہر بار چلے جاتے ہیں

مرض عشق سے بگڑا ہوں کچھ ایسا کہ مجھے
دور سے دیکھ کے غمخوار چلے جاتے ہیں

منتظر دیر سے ہیں جلوہ دکھا دے ظالم
ورنہ یہ طالب دیدار چلے جاتے ہیں

اس طرح جاتے ہیں اس بزم میں دل کے ہاتھوں
کہ بندھے جیسے گنہگار چلے جاتے ہیں

بل بے ضد آپ کی اللہ رے ہٹ اف رے مزاج
آج تک وصل کے انکار چلے جاتے ہیں

گرچہ سو سو ہیں تغافل کہ نجانے کوئی
ان نگاہوں کے مگر وار چلے جاتے ہیں

ہم نہیں جانتے ہیں دیر حرم کا رستہ
ہم مے عشق میں سرشار چلے جاتے ہیں

بھول کر راہ چلے آئے ہیں اللہ بخشو
ہم خطا وار گنہگار چلے جاتے ہیں

داغ اس ضعف نے کی اپنی تو منزل کھوئی

ہم رہے جاتے ہیں سب یار چلے جاتے ہیں

☆☆☆☆☆☆☆

179

شوخی نے تیرے کام کیا اک نگاہ میں

صوفی ہے بتکدے میں صنم خانقاہ میں

آنکھیں بچھائیں تو ہم عدو کی بھی راہ میں

پر کیا کریں کہ تو ہے ہماری نگاہ میں

بڑھتا ہوں آگے پوچھ کر اس سے مقام عشق

جو فتنہ مجھ غریب کو ملتا ہے راہ میں

دل میں سما گئی ہیں قیامت کی شوخیاں

دو چار دن رہا تھا کسی کی نگاہ میں

راتیں مصیبتوں کی جو گذریں تھیں آج تک

ماتم کو آئے ہیں مری روز سیاہ میں

اس توبہ پر ہے ناز تجھے زاہد اس قدر

جو ٹوٹ کر شریک ہو میرے گناہ میں

آتی ہے بات بات مجھے یاد بار بار

کہتا ہوں دوڑ دوڑ کے قاصد سے راہ میں

تاثیر بچ کے سنگ حوادث سے آئے کیا

میری دعا بھی ٹھوکریں کھاتی ہے راہ میں

کیسا نظارہ کس کا اشارہ کہاں کی بات

سب کچھ ہے اور کچھ نہیں نیچی نگاہ میں

جو کینہ آج ہے ترے دل میں ستم شعار
جائے گا کل یہی تو دل داد خواہ میں
مشتاق اس صدا کے بہت درد مند تھے
اے داغ تم تو بیٹھ گئے ایک آہ میں

☆☆☆☆

180

بھولے بھٹکے جو ترے گھر چلے آتے ہیں
اپنی تقدیر کے چکر میں چلے آتے ہیں
تجھ میں تاثیر ہو گر اے کشش دل کچھ بھی
تو وہ دوڑے ہوئے دم بھر چلے آتے ہیں
وحشت ایسی ہے کہ سائے سے بھی میں کہتا ہوں
آپ کیوں میرے برابر میں چلے آتے ہیں
ہمسری کون کرے فتنہ خرامی سے تری
سینکڑوں کبک سے ٹھوکر میں چلے آتے ہیں
روز سنتے ہیں نیا ایک نہ اک شیدائی
نام نکلے ترے دفتر میں چلے آتے ہیں
چشم بدمست سے پھر ہم کو نہ دیکھو دیکھو
غش یہاں ایک ہی ساغر میں چلے جاتے ہیں
سیر بازار بھی ہے ان کے لئے ایک شکار
دل بند ہے الفت معبر میں چلے آتے ہیں
آپ حسرت ہیں نہ ارمان ہیں نہ ہیں سوز و گداز
کس لئے پھر دل مضطر میں چلے آتے ہیں

تفتہ جاں وہ ہو لادم ذبح کہ اے قاتل دیکھ
جوشِ آب دمِ خنجر میں چلے آتے ہیں
تھک کے بیٹھوں بھی جو وحشت میں تو سر پھرتا ہے
پاؤں کے چرخ میرے سر میں چلے آتے ہیں
داغ جا کر نہ پھرے سوئے عدم اپنی رفیق
ہم یہ سمجھے تھے کہ دم بھر میں چلے آتے ہیں

☆☆☆☆☆☆

181

کشتۂ یاس ہوں مقتولِ تمنا ہوں میں
اور اس زندگیٔ عیش پہ مرتا ہوں میں
کچھ خبر ہی نہیں اللہ رے مری بے خبری
کس کا مشتاق ہوں میں کون ہوں کیا ہوں میں
نظر آتا نہیں ہے جوشِ سرشک اپنا ثبات
کشتیٔ نوح نہیں ہوں کفِ دریا ہوں میں
ظالم و قاتل و سفاک و غضبناک ہو تم
عاشق و شیفتہ دوالہ و شیدا ہوں میں
میں اٹھوں تو طرفِ غیر نگاہیں اٹھیں
مگر اس بزم میں اس چشم کا پردا ہوں میں
تو دہٗ تیرِ حوادث نہ کریں کیوں افلاک
کہ اسی واسطے ہوں خاک کا پتلا ہوں میں
شمع ساں گھلتے ہی گھلتے سحر آ جائے گی
اے شبِ ہجر کوئی منہ کا نوالہ ہوں میں

داب کر تجھ کو بغل میں دل مضطر لے جاؤں
پر یہ ڈر ہے نہ رقیبوں میں تماشا ہوں میں

آپ کی جنبش لب نے تو کیا کام تمام
اسی اعجاز پہ کہتے تھے مسیحا ہوں میں

جان دینے پہ اجازت ہے وہاں بسم اللہ
دل بیتاب پہ لو فاتحہ پڑھتا ہوں میں

آرزو بن کے رہا ہوں کہ نکالے نہ فلک
اس گلی میں ہمہ تن آج تمنا ہوں میں

چپ نہ رہ ناصح مشفق مجھے غافل نہ سمجھ
ہاں کہے جا جو ترے دل میں ہے سنتا ہوں میں

داغ کیا پوچھتے ہو میں نہیں کچھ کہہ سکتا
خیر جس حال میں ہوں شکر ہے اچھا ہوں میں

☆☆☆☆

182

دل مہجور کو آزردہ جو پاتا ہوں میں
اپنے روٹھے کو شب و روز مناتا ہوں میں

جبہ سائی تری دہلیز پہ کچھ فرض نہ تھی
اپنی تقدیر کے لکھے کو مٹاتا ہوں میں

ایک نظارۂ گلشن کی ہوس باقی ہے
رخصت اے کنج قفس پھر ابھی آتا ہوں میں

فرقت یار میں بے موت جو مر جاتا ہوں
ملک الموت کو دیوانہ بناتا ہوں میں

دیکھنا شوق شہادت کو جو وہ بھول بھی جائے

جرم اپنا اسے خود یاد دلاتا ہوں میں

قفس تنگ سے چھٹنا تو بہت مشکل ہے

نو چکر پر سوے گلزار اڑاتا ہوں میں

میرا ساماں ہے تری بزم میں ہنگامہ حشر

اپنی تعظیم کو سو فتنے اٹھاتا ہوں میں

آسماں ٹوٹ پڑا ہے ستم بے جا کا

یہ ہے میرا ہی کلیجا کہ اٹھاتا ہوں میں

دیکھ کر شکل زبوں اس سے نہ دل پھر جائے

اس لئے آئینے سے آنکھ چراتا ہوں میں

چپ کھڑا ہوں پس دیوار جو اس کوچے میں

شور محشر کی طرف کان لگاتا ہوں میں

کتنے ہمدرد ہوا خواہ ہیں یوں تو اے داغ

پر یہ کوئی نہیں کہتا اسے لاتا ہوں میں

☆☆☆☆☆☆

183

باغ میں گل کھلے جاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

انگلیاں سرو اٹھاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

جان مشتاق مری آنکھوں میں آ جاتی ہے

یار جب مژدہ سناتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

جیتے جی کون عیادت کا اٹھائے احسان

اس لئے جان سے جاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

دیر قاصد کو لگی اے دل مشتاق جمال

دیکھیے ہم کو بلاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

سینکڑوں دو قدم آگے ہیں جلو میں فتنے

ساتھ اک حشر کو لاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

ساتھ دشمن کے وہ کیا آئے قیامت آئی

خاک میں ہم کو ملاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

دل و جان پاس سے جاتے ہیں کہ وہ جاتے ہیں

صبر و ہوش و خرد آتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

نہیں منظور جو بچنا تو دم چارہ گری

ہم مسیحا کو ڈراتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

کون آتا ہے برے وقت کسی پاس اے داغ

لوگ دیوانہ بناتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

☆☆☆☆☆☆☆☆

184

یہ لوگ کیا اسے رسوائے عام کرتے ہیں

مرے جنازے پہ کیوں اژدہام کرتے ہیں

تمہاری تیغ و تبر خاک کام کرتے ہیں

گلے پڑے ہی کہ سودے مدام کرتے ہیں

جفا کے شکوے پہ صاحب نگاہ کیوں پھیری

جواب دو ہمیں تم سے کلام کرتے ہیں

وہ ناتواں ہوں میں میری کاتب اعمال

صریر خامہ کی بھی روک تھام کرتے ہیں

تری گلی سے نکلنا ہمیں قیامت ہے

قدم قدم پہ ہزاروں مقام کرتے ہیں

نہیں ہے غور انہیں جن ستم رسیدوں کے

وہاں وہ چرخ کو قائم مقام کرتے ہیں

وہی تو عشق کہ جو قیس کو ہکن نے کیا

یہ کام خوب تمہارے غلام کرتے ہیں

الٰہی غیر نے کی کونسی وفاداری

کہ آج وہ مجھے جھک کر سلام کرتے ہیں

جفائیں کیونکر اٹھیں سب کو جان و دل ہے عزیز

عدو اب ان سے ہمارا پیام کرتے ہیں

وہی خیال وہی انتظار یار انہیں

یہ چشم و دل کوئی میرا بھی کام کرتے ہیں

کہاں وہ زہرہ جبیں داغ پاکباز کہاں

فرشتے پر بھی یہ لوگ اتہام کرتے ہیں

☆☆☆☆☆☆☆

185

جوش سے گریہ سے یہ آنکھیں ابر نیساں ہو گئیں

اب مری بے تابیاں مشہور دوراں ہو گئیں

راز الفت چھپ سکا ہم سے نہ اس کے روبرو

صاف دل کی حسرتیں منہ پر نمایاں ہو گئیں

مر گئے ہم اک اشارے میں نگاہ ناز کی

آج اپنی مشکلیں اک پل میں آساں ہو گئیں

سینکڑوں دل ہو گئے انداز پر تیرے نثار
سینکڑوں جانیں تری چتون پہ قربان ہو گئیں

دن نہ پورا ہو چکا ہم ہو گئے آخر تمام
روز فرقت کی خدا کیا سخت گھڑیاں ہو گئے

جب دیا اس نے دلاسہ شب کو وقت اضطراب
دل کی وہ بیتابیاں سب راحت جان ہو گئیں

اب کسی سے دل لگا کر ہم نہ ہوں گے پائمال
جو خطائیں میں ہو گئیں اے چرخ گرداں ہو گئیں

واہ اے جوش جنون آخر الجھ کر جوش ہے
انگلیاں ہاتھوں کی بھی تار گریبان ہو گئیں

وہ نہ آئے جب شب وعدہ نہ آئی مجھ کو نیند
آرزوئیں دل کی سب خواب پریشاں ہو گئیں

شکوے غیروں کے گر بیجا ہیں بیجا ہی سہی
اب تو یہ گستاخیاں مجھ سے مری جاں ہو گئیں

داغ اب یوسف کہاں لیلیٰ کہاں شیریں کہاں
جو حسین شکلیں تھیں زیر خاک پنہاں ہو گئیں

☆☆☆☆☆

186

دل کو بھلاؤں کہاں تک کہ بہلتا ہی نہیں
یہ تو بیمار سنبھالے سے سنبھلتا ہی نہیں

آپ کا روز مرے دل پہ نہ کیونکر چلتا
کیا مرا حب کا عمل تھا جو چلتا ہی نہیں

چمن دہر میں یہ عاشق ناکام ترا
وہ شجر ہے کہ کبھی پھولتا پھلتا ہی نہیں

نالہ نکلا کبھی دل سے تو کبھی آہ و فغاں
پر ترے وصل کا ارماں نکلتا ہی نہیں

اس کے ہاتھوں نہ ہو جب تک کسی مظلوم کا خوں
اپنے ہاتھوں میں حنا وہ کبھی ملتا ہی نہیں

میں تری راہ محبت میں ہزاروں فتنے
دیکھ مجھ کو بجز اس راہ کے چلتا ہی نہیں

دن ڈھلے آنے کا وعدہ ہے کسی سے لیکن
آج یہ دن وہ قیامت ہے کہ ڈھلتا ہی نہیں

شمع کی طرح سے روتا بھی ہے عاشق تیرا
مثل پروانہ فقط آگ میں جلتا ہی نہیں

موم ہوتا ہے مری آہ سے پتھر لیکن
سنگدل ایک ترا دل کہ پگھلتا ہی نہیں

خضر بھی تو اسی گرداب سے چکراتے ہیں
ڈوب کر بحر محبت میں اچھلتا ہی نہیں

تیرہ بختی نہ گئی اپنی تو جانا ہم نے
کہ کبھی رنگ زمانے کا بدلتا ہی نہیں

کس طرح دل خم ابرو سے نکالوں اے داغ
پڑ گیا پیچ کچھ ایسا کہ نکلتا ہی نہیں

☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت دل آپ ہیں جس دھیان میں
مر گئے لاکھوں اسی ارمان میں

عشق جس کشتی کا ہو تو ناخدا
وہ نہ آئے کس طرح طوفان میں

اس سے پوچھو تم مری آشفتگی
زلف کہہ دے گی تمہارے کان میں

میرے مرنے کی خبر سن کر کہا
واقعی کچھ بھی نہیں انسان میں

گر فرشتہ وش ہوا کوئی تو کیا
آدمیت چاہیے انسان میں

دل کی قیمت اک نگہ ہے اے صنم
آ گئے جو آئے ترے ایمان میں

جس نے دل کھویا اسی کو کچھ ملا
فائدہ دیکھا اسی نقصان میں

لیجیے دیتا ہوں میں دل کے سوا
اور جو کچھ ہے مرے امکان میں

کس نے ملنے کا وعدہ کیا کہ داغ
آج ہو تم اور ہی سامان میں

☆☆☆☆☆☆

188

کس مصیبت سے بسر ہم شب غم کرتے ہیں
رات بھر ہائے صنم ہائے صنم کرتے ہیں

برسوں ترساتے ہیں جب تیغ علم کرتے ہیں

کس تکلیف سے وہ تکلیف ستم کرتے ہیں

دل کو ہو لاگ تو ہو کچھ کسی صورت کا لگاؤ

لطف کیسا کہ وہ اب جور بھی کم کرتے ہیں

اشک خون خجلت عصیان سے نہیں بے تاثیر

نار دوزخ کو یہ گلزار ارم کرتے ہیں

ڈر ہے منہ پھیرے دم ذبح نہ خنجر اس کا

پڑھ کے ہم سورۂ اخلاص کو دم کرتے ہیں

شوخ تم شیفتہ ہم دونوں ہیں بے چین مگر

پھر ذرا صبر جو کرتے ہیں تو ہم کرتے ہیں

آپ کو دوست کے مرنے کی خوشیاں یہ حال

کوئی دشمن بھی جو مرتا ہے تو غم کرتے ہیں

ہائے اس کشتے کی تربت کا مقدر جس کو

سجدے مٹ مٹ کے ترے نقش قدم کرتے ہیں

ہمیں بدنام جھوٹے بھی ہمیں ہیں بیشک

ہم ستم کرتے ہیں اور آپ کرم کرتے ہیں

خوف ہے ان کو یہاں تک تو ہم آغوشی کا

میری تصویر کے بھی ہاتھ قلم کرتے ہیں

بانکپن کرتی ہیں فتنوں سے نگاہیں تیری

حال محشر سے بھی نقش قدم کرتے ہیں

مجھ سے کہتا ہے یہ احسان جتا کر ظالم

ہم سوا تیرے کسی پر بھی ستم کرتے ہیں

جن کو تم داغ بڑا عہد شکن کہتے تھے
لو مبارک ہو وہ پھر قول و قسم کرتے ہیں

☆☆☆☆☆

189

دل ہے تو ہے نہ آئے کیوں دم ہے تو ہی نجائے کیوں
ہم کو خدا جو صبر دے تجھ سا حسین بنائے کیوں

تیری تلافی جفا جب نہ ہوتا بروز حشر
عاشق نامراد عشق اپنے کئے کو پائے کیوں

جملہ رفیق و ہمطریق رہزن راہ عشق ہیں
سایہ خضر ہی کیوں نہ ہو ساتھ ہمارے آئے کیوں

گو نہیں بندگی قبول پر ترا آستان تو ہے
کعبہ و دیر میں ہے کیا خاک کوئی اوڑائے کیوں

لاگ ہو یا لگاؤ ہو کچھ بھی نہ ہو تو کچھ نہیں
بن کے فرشتہ آدمی بزم جہاں میں آئے کیوں

جرات شوق پھر کہاں وقت ہے جب نکل گیا
اب تو ہیں یہ ندامتیں صبر کیا تھا ہائے کیوں

رونے پہ میرے وہ ہنسیں رنج پہ میرے شاد ہوں
چھیڑ میں کچھ تو ہے مزہ ورنہ کوئے ستائے کیوں

عشق و جنوں سے مجھ کو لوگ ہوس و خرد سے اتفاق
پر یہ کہوں تو کیا کہوں میں نے ستم اٹھائے کیوں

ہاں نہیں غیرت رقیب خیر میں بے حیا سہی
جو نہ دوبارا آ سکی بزم سے تیری جائے کیوں

فکر میں ہم تو رہ گئے اور وہ آج کہہ گئے

عیب نہیں تو راز دل ہم سے کوئی چھپائے کیوں

پردۂ عشق ہو چکا داغ یہی قرار تھا

صبر پہ آہ آہ کیا ضبط پہ ہائے ہائے کیوں

☆☆☆☆☆☆☆

190

کیا کہا پھر تو کہو دل کی خبر کچھ بھی نہیں

کیوں یہ کیا ہے خم گیسو میں اگرچہ کچھ بھی نہیں

نہ یہ خورشید قیامت نہ یہ مہر لب غیر

کچھ تو ہو مال مگر داغ جگر کچھ بھی نہیں

جوش ہے اہل ہوس کا مگر الطاف ترا

ابھی سب کچھ ابھی اے شعبدہ گر کچھ بھی نہیں

نہ بصارت نہ اشارت نہ خجالت نہ حیا

تجھ میں تو دیکھنے کو دیدۂ تر کچھ بھی نہیں

آنکھ پڑتی ہے کہیں پاؤں کہیں پڑتا ہے

سب کی ہے تم کو خبر اپنی خبر کچھ بھی نہیں

دل ہے سینے میں نہاں دل میں نہاں کیا کیا کچھ

چھوڑنے کی تری دزدیدہ نظر کچھ بھی نہیں

رات کی رات کا مہماں ہے مریض ہجراں

صبح تم آئے تو کیا آئے سحر کچھ بھی نہیں

دھوم ہے حشر کی سب کہتے ہیں یوں ہی یوں ہے

فتنہ ہے اک تری ٹھوکر کا مگر کچھ بھی نہیں

ان کو بیتاب کیا کچھ نہ کیا نالہ دل
یہ تو کچھ بھی نہ ہوا یہ تو اثر کچھ بھی نہیں

نہ کروں نالہ تو کس شغل میں کاٹوں اوقات
یہ تو مانا کہ یہ مانوس اثر کچھ بھی نہیں

کعبے جانا بھی تو بت خانے سے ہو کر زاہد
دور اس راہ سے اللہ کا گھر کچھ بھی نہیں

لامکاں میں بھی تو کچھ جلوہ نظر آتا ہے
بے کسی میں تو ادھر ہوں کہ جدھر کچھ بھی نہیں

اک جفا تیری جو کچھ بھی نہیں تو سب کچھ ہے
اک وفا میری کہ سب کچھ ہے مگر کچھ بھی نہیں

خواب میں دیکھ لیا خلد کو ہم نے واعظ
اجی بس بیٹھو بھی واں لطف بشر کچھ بھی نہیں

کچھ ہے یاں خاک تو اک جنبش داماں کے لئے
تیری موجوں کے لئے باد سحر کچھ بھی نہیں

آئینہ دیدۂ اعمیٰ ہی سہی پر اے چشم
وہ ہی کچھ دیکھتے ہیں جن کی نظر کچھ بھی نہیں

میرے ہی جوش طبیعت نے اٹھائے ہیں فساد
خیر سے آپ کی طینت میں تو شر کچھ بھی نہیں

عیب بے عیب ہے جب حد سے گذر جاتا ہے
اب بجز بے ہنری مجھ میں ہنر کچھ بھی نہیں

اے نگاہ غلط انداز ادھر کچھ تو سہی
اے تغافل اثر و عربدہ گر کچھ بھی نہیں

غیر کے وصل کا انکار مزا دیتا ہے
پھر اسی طرح کہو بارو گر کچھ بھی نہیں
حشر میں دست جنوں سے نہ خجل ہوں اے داغ
کہ مرے پاس بجز دامن تر کچھ بھی نہیں

☆☆☆☆☆☆

191

دست وحشت کے لئے تاب رگ جان میں نہیں
ہاتھ اس تار میں الجھا جو گریبان میں نہیں
لخت دل کون سے دن پنجہ مژگاں میں نہیں
میں نے وہ پھول چنے ہیں جو گلستاں میں نہیں
تیرے اقرار میں انکار تری ہاں میں نہیں
عہد میں عہد یہ پیماں کسی پیماں میں نہیں
بے ثباتی کے سوا اور کوئی کیفیت
میری توبہ میں نہیں آپ کے پیمان میں نہیں
راہ میں ہم سے ملا دیتی ہے شوخی ان کو
کہ ابھی تو ابھی چشم نگہباں میں ن ہیں
ہم نہ مدت سے یہ کہتے تھے کہ مر جائیں گے
تم نہ برسوں سے یہ سنتے تھے کچھ انساں میں نہیں
گل کر مل کر تری عارض سے ملا حسن قبول
ورنہ کیا سبزۂ بیگانہ گلستاں میں نہیں
خاک دیکھوں تجھے اے چاک جگر کیا دیکھوں
ان کے دامن میں انہیں ان کے گریباں میں نہیں

مجھ کو حیرت کا گماں دل میں تمنا کا یقیں
نالہ کہتا ہے کچھ اس خانہ ویراں میں نہیں

پہلے تھی دل میں کھٹک اب تو ہے رگ رگ میں کسک
چین اے درد تجھے بھی شب ہجراں میں نہیں

جلوۂ ہوش ربا دیکھ لیا اے موسیٰ
یاں تحیر میں وہ لذت ہے جو عرفاں میں نہیں

نگہ شوخ جو ٹھہری تو مرا دم نکلے
نیشتر میں وہ تڑپ ہے جو رگ جاں میں نہیں

داد بیداد ہی گر خاطر سفاک میں ہے
درد بیدرد ہے گر اس دل ویران میں نہیں

دیکھئے راہ میں ٹھوکر سے نہ کھل جائے گرہ
ایک فتنہ ہے یہ دل گوشہ داماں میں نہیں

ناز کو فتنہ بناوٹ کو بلا کہتے ہیں
سادگی اک تری گنتی کسی ساماں میں نہیں

اب کب اس چشم نظر باز نے دھوکا کھایا
جوڑ کیا آپ کے ٹوٹے ہوئے پیمانے میں نہیں

اف رے جلوہ کہ نہیں اور نگہ شوق میں ہے
بل بے پردہ کہ وہ ہے اور دل حیراں میں نہیں

رنگ گل نغمہ بلبل اثر باد بہار
جیسے ہم قید ہوئے کوئی گلستاں میں نہیں

مانگتا قرض ترے واسطے اے چشم خیال
پر سیاہی ہے سفیدی شب ہجراں میں نہیں

ہو جو تاچیر تو ہیرے کی کئی ہے قاتل

کیا کروں اشک مرا تیرے نمکداں میں نہیں

خار ہیں بلبل و پروانہ سر بزم و چمن

یہ کھٹکتے ہوئے کانٹے تو بیاباں میں نہیں

اب تغافل ہی سے ہم چھیڑ کریں گے ناچار

آج لڑتی ہوئی نظریں صف مژگاں میں نہیں

داغ ہم تربت مجنوں پہ چڑھاتے چادر

پر یہاں تار کفن کو بھی گریباں میں نہیں

☆☆☆☆☆☆

192

کہاں وہ گئے عیش و عشرت کے دن

مصیبت کی راتیں ہیں آفت کے دن

خبردار اے دل خبردار ہو

نہیں اب نہیں تیری غفلت کے دن

فزوں روز محشر سے ہے ہر گھڑی

کٹیں کس طرح تیری فرقت کے دن

گذر جائے ہنس بول کر کوئی دم

کہ نزدیک آئے ہیں رخصت کے دن

یہ افسانہ پورا تو ہو گا جبھی

جو دو چار ہوں گے قیامت کے دن

ستم گر نہ پہلے ہی اے نوجوان

ابھی آئے ہیں تیری شہرت کے دن

جوانی کو ترسا کریں خضر آپ

پھریں گے قیامت میں حضرت کے دن

بہلاوا تجھے دے دیا اے اجل

بلا لیں گے ہم تجھ کو فرقت کے دن

وہ راتیں وہ باتیں وہ گھاتیں غضب

جوانی میں تھے کس شرارت کے دن

یہ ہے داغ کی عرض یا مصطفی

نہ محروم ہوں میں شفاعت کے دن

☆☆☆☆☆☆

193

دست گل چیں سے چھٹا آیا کف صیاد میں

میں گل بازی ہوں کیا اس گلشن ایجاد میں

کونسی خوبی نہیں تیرے قد آزاد میں

شاخ ہے کیا سرو میں طرہ ہے کیا شمشاد میں

حشر میں ان کا مرا اس دھوم سے ہو گا ملاپ

اہل محشر کو کٹے گا دن مبارک باد میں

یا رب انداز ستم کوئی نیا نکلا کہ آج

غش ہے وہ بیداد گر خود لذت بیداد میں

بنتی ہیں تیری کمر کی کیا خیالی صورتیں

چھٹتی ہیں باریکیاں کیا مانی و بہزاد میں

ناتوانی نا تمامی نا امیدی نارسی

ہم نے بھر رکھا ہے کیا کیا دامن فریاد میں

ہم اسیروں کی ہے اک باد صبا پرساں حال

پوچھ جاتی ہے کہ کیا باقی رہا معیاد میں

آگے یہ گردش کہاں تھی پر کوئی گردش زدہ

آ گیا تیری نگاہ خانماں برباد میں

ہے یہی ذوق اسیری تو اسیری ہو چکی

میں نہیں پھولا سمانے کا کف صیاد میں

ہے جگر میں داغ یا ہے گنج قارون میں درم

غم ہے دل میں یا ہے قیدی قلعہ فولاد میں

عشق کے کوچے نے ہم کو وہ دکھایا ہے بہشت

حضرت آدم نے جو دیکھا نہ اپنی یاد میں

محتسب پتھر ہے دل تیرا ترے کس کام کا

ڈال دے اس کو کسی مے خانے کی بنیاد میں

میرے دل سے داغ پوچھے کوئی دہلی کے مزے

لطف تھا دونوں جہاں کا اک جہاں آباد میں

☆☆☆☆☆

194

میں کہاں اور بزم خواب کہاں

لائی اے ہستی خراب کہاں

ان سے کہدی ہے آرزو دل کی

اب مری بات کا جواب کہاں

ہم نے بھی صبر دل کو دے ہی لیا

اب وہ اگلا سا اضطراب کہاں

دل پہ گرمی سے تیرے اے بلبل
یوں کلیجا ہوا کباب کہاں
رات اور رات بھی جدائی کی
اب نکلتا ہے آفتاب کہاں
بات کرنی جسے نہ آتی ہو
بات سننے کی اس کو تاب کہاں
وعدۂ حشر آپ کرتے ہیں
چار دن بعد یہ شباب کہاں
کافروں سے ہے جب بھری دوزخ
غیر کے واسطے عذاب کہاں
کعبہ و دیر میں جو داغ نہیں
پھر ہے یہ خانماں خراب کہاں

☆☆☆☆☆☆

195

جلوے مری نگاہ میں کون و مکاں کے ہیں
مجھ سے کہاں چھپیں گے وہ ایسے کہاں کے ہیں
کھلتے نہیں ہیں راز جو سوز نہاں کے ہیں
کیا پھوٹنے کے واسطے چھالے زباں کے ہیں
کرتے ہیں قتل وہ طلب مغفرت کے بعد
جو تھے دعا کے ہاتھ وہی امتحاں کے ہیں
جس دن کچھ شریک ہوئی میری مشت خاک
اس روز سے زمیں پہ ستم آسماں کے ہیں

قاصد یہاں سے برق تھا پر نصف راہ سے
بیمار کی ہے چال قدم ناتواں کے ہیں

بازو دکھائے تم نے لگا کر ہزار ہاتھ
پوری پڑے تو وہ بھی بہت امتحاں کے ہیں

ناصح کے سامنے کبھی سچ بولتا نہیں
میری زبان میں رنگ تمہارے زباں کے ہیں

کیسا جواب حضرت دل دیکھیے ذرا
پیغامبر کے ہاتھ میں ٹکڑے زباں کے ہیں

کیا اضطراب شوق نے مجھ کو خجل کیا
وہ پوچھتے ہیں کہیے ارادے کہاں کے ہیں

عاشق ترے عدم کو گئے کس قدر تباہ
پوچھا ہر ایک نے یہ مسافر کہاں کے ہیں

ہر چند داغ ایک ہی عیار ہے مگر
دشمن بھی تو چھٹے ہوئے سارے جہاں کے ہیں

☆☆☆☆☆☆

196

کھویا گیا ہوں دے کے پتا نامہ بر کو میں
اپنی خبر کو جاؤں الٰہی کدھر کو میں

مجھ کو تباہ چشم مروت نے کر دیا
مل جائے تو چراؤں کسی کی نظر کو میں

بس جاؤ کیا کرو گے نظر سے جگر میں چھید
لو آؤ تم ادھر کو کھڑے ہو ادھر کو میں

خاموش اب تو شکوۂ ہمسایہ نے کیا
پھر تو ہے آہ نیم شبی اور سحر کو میں

جا کر در قبول پہ جھڑ گئی دعا
صد شکر جا کے آپ نہ لایا اثر کو میں

مہر و وفا و راحت و آرام کو رقیب
جور و جفا کاوش خون جگر کو میں

میرا طریق عشق جدا ہے جہاں سے
چلتا ہوں چھوڑ چھوڑ کے ہر رہگذر کو میں

تم تو وہ پارسا ہو کہ در تک کبھی نہ آؤ
آتا تھا منہ چھپائے کہیں سے سحر کو میں

دل دے کے ان کو اور بھی امید بڑھ گئی
جانا تھا یہ کہ چھوٹ گیا عمر بھر کو میں

دونوں میں ایک تو نکل آئے گا سخت جان
دیکھوں گا آج دل سے لڑا کر جگر کو میں

اے داغ صبح حشر تھی صبح شب وصال
جب یہ کہا کسی نے کہا جاتا ہوں گھر کو میں

☆☆☆☆☆☆☆

197

بات میری کبھی سنی ہی نہیں
جانتے وہ بری بھلی ہی نہیں

دل لگی ان کی دل لگی ہی نہیں
رنج بھی ہے فقط ہنسی بھی نہیں

لطف مے تجھ سے کیا کہوں زاہد
ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں

اڑ گئی یوں وفا زمانے سے
کبھی گویا کسی میں تھی ہی نہیں

جان کیا دوں کہ جانتا ہوں میں
تم نے یہ چیز لے کے دی ہی نہیں

ہم تو دشمن کو دوست کر لیتے
پر کریں کیا تری خوشی ہی نہیں

ہم تری آرزو پہ جیتے ہیں
یہ نہیں ہے تو زندگی ہی نہیں

دل لگی دل لگی نہیں ناصح
تیرے دل کو ابھی لگی ہی نہیں

داغ کیوں تم کو بیوفا کہتا
وہ شکایت کا آدمی ہی نہیں

☆☆☆☆☆

198

سحر جو آئینہ یہ رشک ماہ دیکھتے ہیں
نگاہ دیکھنے والے نگاہ دیکھتے ہیں

کچھ اس طرح کے وہ قاتل سوال کرتا ہے
ہمارے منہ کو ہمارے گواہ دیکھتے ہیں

ہمیشہ کسی کی نبھی اور کسی کی نبھتی ہے
نباہے جاتے ہیں جب تک نباہ دیکھتے ہیں

کوئی بھی مجھ سے شب وعدہ یہ نہیں کہتا

اٹھو چلو کہیں جلدی وہ راہ دیکھتے ہیں

خدا کا خوف نہیں پر بتوں سے ڈرتا ہوں

گناہ گار نہ یہ بے گناہ دیکھتے ہیں

اسی کے واسطے آنکھیں خدا نے دیں ہم کو

کہ روز و شب یہ سفید و سیاہ دیکھتے ہیں

غرض نہیں ہے انہیں طور کی تجلی سے

جو خوش نصیب ترے جلوہ گاہ دیکھتے ہیں

خدا کے واسطے لو داغ کی خبر جلدی

ہم اس کا حال نہایت تباہ دیکھتے ہیں

☆☆☆☆☆☆☆☆

199

کیوں قسم کھاتے ہو ہم جور سے باز آتے ہیں

ان فریبوں میں کہیں واقف راز آتے ہیں

یوں تو آفت ہے ہر انداز پریزادوں کا

وہ قیامت ہیں جنہیں راز و نیاز آتے ہیں

کچھ نہ پوچھ جو صدا آتی ہے مے خانے سے

کبھی مسجد سے جو ہم پڑھ کے نماز آتے ہیں

سیکھ لے اے فلک اس کی نگاہ پر فن سے

شعبدے تجھ کو کہاں شعبدہ باز آتے ہیں

قاصد اس شوخ کے اندز قیامت ہوں گے

جس کی تصویر کو سو طرح کے ناز آتے ہیں

آپ کی بزم سے لے جاتے ہیں سورنج و ملال
جی سے جانے کو ہم اے بندہ نواز آتے ہیں

لاکھ تو جال بچھائے مگر آزاد مزاج
تیرے پھندے میں کب اے زلف دراز آتے ہیں

شمع کی طرح سے اپنا نہیں جانا رونا
غش پہ غش ہم کو دم سوز و گداز آتے ہیں

ساتھ نواب کے حج کر کے پھرے ہم اے داغ
ہند میں دھوم ہے مہمان حجاز آتے ہیں

☆☆☆☆☆☆☆

200

کبھی فلک کو پڑا دل جلوں سے کام نہیں
اگر نہ آگ لگا دوں تو داغ نام نہیں

وفور یاس نے یہاں کام ہے تمام کیا
زبان یار سے نکلی تھی نا تمام نہیں

وہ کاش وصل کے انکار پر ہی قائم ہوں
مگر انہیں تو کسی بات پر قیام نہیں

الٰہی تو نے حسینوں کو کیوں کیا پیدا
کچھ ان کی ذات سے دنیا کا انتظام نہیں

سنائی جاتی ہیں در پردہ گالیاں مجھ کو
جو میں کہوں تو کہیں آپ سے کلام نہیں

وہ آئیں گے شب وعدہ یقیں نہیں اے دل
چراغ گھی کے جلاؤں یہ ایسی شام نہیں

سوائے جور و جفا ماورائے بغض و دغا

بتوں کے واسطے دنیا میں کوئی کام نہیں

پیوں پلاؤں تجھے دور ہی سے ترساؤں

یہ روز عید ہے زاہد مہ صیام نہیں

دباؤ کیا ہے سنے وہ جو آپ کی باتیں

رئیس زادہ ہے داغ آپ کا غلام نہیں

☆☆☆☆☆☆☆☆

201

مزا جو چاہئے ان کے ستم میں خاک نہیں

جب آئے خاک اوڑانے کو ہم میں خاک نہیں

مرے غبار کی اٹھکیلیاں تماشا ہیں

ابھی فلک ہے ابھی ایک دم میں خاک نہیں

چلا ہے کعبے کو تو خاک چھاننے زاہد

فقط خدا ہی خطا ہے حرم میں خاک نہیں

ہمیشہ کافر و مومن پہ ظلم ہوتے ہیں

سوائے سنگدلی اس صنم میں خاک نہیں

بنا ہے فتنہ خرامی سی فتنہ ہر ذرہ

زمین پر ترے نقش قدم میں خاک نہیں

بتوں کے بدلے جو حوریں ملیں تو خاک ملیں

ہمارے واسطے باغ ارم میں خاک نہیں

ہمیں تھے وہ جو کبھی تھے خزانہ عرفاں

ہمیں ہیں اب کہ جو ڈھونڈھو تو ہم میں خاک نہیں

ملے تھے خاک میں اس واسطے کہ یار ملے
مگر ملا ہمیں ملک عدم میں خاک نہیں
گئے رقیب کے گھر داغ وہ شب وعدہ
اثر تری تپش و رنج و غم میں خاک نہیں

☆☆☆☆☆☆

202

پھرا ہوا جو کسی کی نظر کو دیکھتے ہیں
لگا کے تیر ہم اپنے جگر کو دیکھتے ہیں
نظر چرا کے وہ یوں ہر بشر کو دیکھتے ہیں
کسی کو یہ نہیں ثابت کدھر کو دیکھتے ہیں
بنے ہوئے ہیں وہ محفل میں صورت تصویر
ہر ایک کو یہ گماں ہے ادھر کو دیکھتے ہیں
فروغ ماہ کہاں یہ شب جدائی میں
چراغ لے کے فرشتے سحر کو دیکھتے ہیں
تمہارے پاس کہیں بھول کر نہ آیا ہو
ہمیں تلاش ہے ہم نامہ بر کو دیکھتے ہیں
ہمیں گمان یہ ہوتا ہے ہم کو روتا ہے
کسی جگہ جو کسی نوحہ گر کو دیکھتے ہیں
خیال بعد فنا بھی ہے دوست دشمن کا
ہم آنکھ بند کئے ہر بشر کو دیکھتے ہیں
الٰہی آج ہی پورا ہو وعدۂ دیدار
نہیں تو اور کسی جلوہ گر کو دیکھتے ہیں

بنی ہوئی ہے لفافے پہ خط کی آنکھ اپنی
قدم روش نامہ بر کو دیکھتے ہیں

مقام رشک ہوا عرصہ قیامت بھی
تجھی کو دیکھتا ہے جس بشر کو دیکھتے ہیں

یہ شک ہے تن لاغر سے ناتوانوں کے
وہ کھینچ کھینچ کے اپنی کمر کو دیکھتے ہیں

بتوں کے واسطے دنیا نہیں ہے جنت ہے
بہشت دیکھتے ہیں جس کے گھر کو دیکھتے ہیں

حیا تو دیکھئے آئینے سے بھی پردہ ہے
وہ اپنے ہاتھ سے پہلے سحر کو دیکھتے ہیں

خدا کرے سر محشر وہ بت ہو بے پردہ
کہ ہم بھی دیکھتے ہیں سب کدھر کو دیکھتے ہیں

نکل نہ آئے کہیں داغ آرزو ڈر ہے
وہ چیر کر مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں

کسی سے کچھ نہیں مطلب کہ دیکھنے والے
تمہاری آنکھ تمہاری نظر کو دیکھتے ہیں

سکندر آئینہ اے داغ جام جم دیکھے
ہم اپنے خسرو والا گھر کو دیکھتے ہیں

☆☆☆☆☆☆☆

203

شراب ناب ہے ہر رنگ کے اپنے پیالے میں
وہ طرہ کونسا گل میں ہے کیا ہی شاخ لالی میں

فغاں میں آہ میں فریاد میں شیوہ میں نالے میں
سناؤں دردِ دل طاقت اگر ہو سننے والے میں

نہ کیوں ہوں لاکھ مستانہ ادائیں میرے نالے میں
گدائے میکدہ ہوں ہر طرح کی ہے پیالے میں

بغل میں دل نہیں معشوق ہے اور وہ بھی ہے تم سا
بھرے ہیں قہر کے انداز اس نازوں کے پالے میں

خبر سن کر مرے مرنے کی وہ بولے رقیبوں سے
خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

قیامت کی خلش آفتکی کاوش قہر کی سوزش
مرے دل میں تیری حسرت ہے یا کانٹا ہے چھالے میں

گھلا جاتا ہے زاہد آرزو میں حوضِ کوثر کے
کوئی تصویر اس کی کھینچ دے میرے پیالے میں

تمہارا اٹھ کے آنا اور مریضِ غم کا مر جانا
مری جاں فرق ہوتا ہے سنبھلنے میں سنبھالے میں

لباسِ سرخ ہوتا ہے کب خونیں کفن کوئی
نچوڑو تو لہو کی بوند تک نکلے نہ لالے میں

عجب کیا ہے شبِ غم عکس سے اپنے جھجک جائے
جو دیکھے منہ پہ اپنا آئینہ لے کر اجالے میں

یہ کیسا رنج ہے یا رب ٹپکتی ہے خوشی جس سے
کہ نغمے کی ہے کیفیت مرے دشمن کے نالے میں

نگاہِ شوخ ہے حلقے میں چشمِ شرم آگیں کے
تماشا ہے کہ بجلی گوندتی ہے آج ہالے میں

ملے مجھ سے تو فرمایا تمہیں کو داغ کہتے ہیں
تمہیں ہو ماہ کامل میں تمہیں رہتے ہو لالے میں

☆☆☆☆☆☆

204

رہے گا کوئی تو تیغ ستم کی یادگاروں میں
مرے لاشے کے ٹکڑے دفن کرنا سو مزاروں میں
کسی کی نرگس مخمور کچھ کہہ دے اشاروں میں
مزا ہے رات دن چلتے رہے پرہیز گاروں میں
وہ غنچہ ہوں شگفتہ دل رہا عالم کی خاروں میں
وہ کانٹا ہوں نہ کھٹکا میں کسی کو گل عزاروں میں
جنوں میں دیکھئے میدان کس کے ہاتھ رہتا ہے
پڑے ہے آبلوں میں پھوٹ اور ایکا ہے خاروں میں
بڑی تمکین میں کچھ شوخی تو کچھ شوخی میں بے تابی
ہوئے تم اور سے کچھ اور آ کر بیقراروں میں
وہ شرمائی ہوئی آنکھیں وہ گھبرائی ہوئی باتیں
نکل کر گھر سے وہ گھرنا ترا امیدواروں میں
عیادت کے لئے وہ بے خبر آیا کہ موت آئی
اشارے ہو گئے کیسے میرے تیمارداروں
اجل کا نام لیں تقدیر کو روئیں مجھے کوسیں
مرے قاتل کو چرچا کیوں ہے میرے سوگواروں میں
دل اپنا کس کا شیدا ہے تمہارا والہ و شیدا
یہ کس کے جان نثاروں میں تمہارے جاں نثاروں میں

پلک اٹھتی نہیں میری طرف کیا تھک گئیں آنکھیں
ابھی تو ہو رہی تھیں غیر سے باتیں اشاروں میں

کوئی جنت اک خواہاں ہے کوئی کوثر کا طالب ہے
اڑا کرتی ہے بے پر کی ہمیشہ بادہ خواروں میں

اسی گلشن کی کھائی ہے ہواتا زندگی میں نے
جو مر جاؤں تو میرے پھول کرنا گلعذاروں میں

ہوا ہے غیر کے طالع میں کیا ثابت یہ سیارہ
نشان مشتری ملتا نہیں میرے ستاروں میں

جو ہم اجڑے ہوؤں پر مہربان ہو چرخ اے گلچیں
بجائے برگ پیدا ہوں نشیمن شاخساروں میں

پھرا جاتا ہے اس بت کی طرف رخ اہل ایماں کا
مسلمان اپنے قبلے سے نہ منہ پھیریں ہزاروں میں

خفا ہوتے ہو کیوں عہد وفا کے ذکر پر سچ ہے
نہ تم وعدہ خلافوں میں نہ ہم بے اعتباروں میں

غضب ہے اور بھی اس سادگی پر مر گئے لاکھوں
کہاں تھا کس نے بن بیٹھیں وہ میرے سوگواروں میں

ملے کیا تیر ہر ہر زخم میں ہے چورائے قاتل
اجل کے ہوش گم ہوتے ہیں تیرے دل فگاروں میں

جلانا داغ کا اچھا نہیں یہ دم غنیمت ہے
کہ ایسا وفا اک آدھ نکلے گا ہزاروں میں

☆☆☆☆☆☆☆☆

کوئی جانے تو کیا جانے وہ یکتا ہے ہزاروں میں

ستم گاروں میں عیاروں میں دلداروں میں یاروں میں

کسی کا دل تو کیا شیشہ نہ ٹوٹا بادہ خواروں میں

یہ توبہ ٹوٹ کر کیوں جا ملی پرہیز گاروں میں

کہاں ہے دخت رازی محتسب ہم بادہ خواروں میں

ترے ڈر سے وہ کافر جا چھپے پرہیز گاروں میں

ملے گا بعد میرے پھر نہ مجھ سا قدر دان اس کو

قیامت تک رہے گا بخت تیرہ سوگواروں میں

ہوئی گرم عنان جب ہوش و صبر و تاب و عقل و دین

دل بے تاب بھی داخل ہوا پانچوں سواروں میں

جوار مانوں میں دم میرا تو پیکانوں میں دل میرا

یہ خوش ہے اپنے یاروں میں وہ خوش ہے اپنے یاروں میں

فرشتوں سے سر روز جزا تکرار ہوتی ہے

لگا رکھا ہے ہم کو بھی کسی نے جان نثاروں میں

کوئی غنچہ دہن ہنس کر ہمیں اب کیا ہنسائے گا

بہاریں ہم نے لوٹی ہیں بہت اگلی بہاروں میں

دکھا دیں گے صفت محشر میں ہم کتنے نکلتے ہیں

جو پوچھا اس نے کوئی ہے مرے امیدواروں میں

پڑیں جو تری گردن میں وہ ٹوٹیں ہاتھ اے ظالم

کہ بولے غیر آتی ہے مجھے پھولوں کے ہاروں میں

خوشی مرگ عدو کی لاکھ غم سے ہو گئی بدتر

مری آنکھوں نے دیکھا ہے کسی کو سوگواروں میں

تغافل مانع دیدار ہو گا میں نہ مانوں گا
نگہ تیری تڑپ کر جا ملے گی بیقراروں میں

مرا ہے دل نہ ہو میں ہی نہ ہوں اے مرگ مایوسی
خدا جانے یہ کس کی فاتحہ ہے آج یاروں میں

حقیقت برق کی کیا ہے مگر اس سے بھی ڈرتے ہیں
سنبھل کر بیٹھنا جب بیٹھنا تم بیقراروں میں

خدا کے سامنے قسمیں نہ کھانا دیکھنا ڈرنا
ہمیں تو آپ نے ٹھہرا دیا بے اعتباروں میں

انہیں لوگوں کے آنے سے تو مے خانے کی عظمت ہے
قدم لو شیخ کے تشریف لائے بادہ خواروں میں

تری برق تجلی گر ٹھہر جاتی تو کیا ہوتا
کہ ان بیتابیوں پر لوٹ ہے امیدواروں میں

وہ ہی افسردہ دل عالم بجا ہے یہ اگر کہئے
کہ مردے ہیں زمیں پر اور زندے ہیں مزاروں میں

وہ کترا کر چلے ہیں میکدے سے حضرت زاہد
بڑے مرشد ہیں ہاتھوں ہاتھ لانا ان کو یاروں میں

مرا اختر جلایا اے فلک تجھ پر گرے بجلی
شب فرقت یہ کیسی آگ روشن تھی ستاروں میں

پڑا رویا کرے وہ داغ بے کس اس طرح تنہا
کہ جس کی راتے دن ہنس بول کر گذری ہو یاروں میں

☆☆☆☆☆☆

مکر جاتے ہو دل لے کر یہ دلداروں کی باتیں ہیں
تمہاری تو وہ باتیں ہیں جو عیاروں کی باتیں ہیں

سوال وصل پر تکرار کیا کیا لطف دیتی ہے
انہیں دل سے پسند اپنے خریداروں کی باتیں ہیں

خراباتی ہیں سب اللہ والے لوگ اے زاہد
جو باتیں مرشدوں کی ہیں وہ میخواروں کی باتیں ہیں

تجلّی دیکھتے ہی حضرت موسیٰ کو غش کو آیا
نہ نکلی بات بھی منہ سے یہ ہشیاروں کی باتیں ہیں

دکھائیں لب ترے اعجاز یا جادو کریں آنکھیں
بظاہر فرق ہے پر ایک ان چاروں کی باتیں ہیں

نہ کر عشق و جنوں میں گفتگو اے ناصح ناداں
ترا منہ ہے کہ تو بولے یہ سرکاروں کی باتیں ہیں

فرشتوں کی الٰہی کے سنوں میں قبر کے اندر
کہ میرے کان میں اب تک عزاداروں کی باتیں ہیں

دکھا دی کس نے چشم مست جو ایسے بھک اٹھے
کہ مجھ سے آج کچھ بہکی ہوئی یاروں کی باتیں ہیں

بتوں کی ایک چپ اے داغ لاکھوں کو ہراتی ہے
جسے سمجھے خاموش وہ عیاروں کی باتیں ہیں

☆☆☆☆☆☆

207

دیر سے کعبے کو ڈرتے ہوئے ہم جاتے ہیں
دیکھ لیتا ہے جو کوئی وہیں تھم جاتے ہیں

آپ نے گھر سے نکالا ہمیں ہم جاتے ہیں
پھر نہ آئیں گے کبھی کھا کے قسم جاتے ہیں

بے خطا سر مرے قاصد کا قلم ہوتا ہے
غیر کو تحفے میں بن بن کے قلم جاتے ہیں

دیکھتے ہی مجھے محفل میں رقیبوں سے کہا
فتنے اٹھتے ہیں جہاں ان کے قدم جاتے ہیں

یوں تو دم بھر نہیں آتا انہیں شوخی سے قرار
جب تصور میں وہ آتے ہیں تو کم جاتے ہیں

مر گیا میں تو کس افسوس سے ظالم نے کہا
ہاتھ آئے ہوئے انداز ستم جاتے ہیں

دل کا کیا حال کہوں صبح کو جب اس بت نے
لے کے انگڑائی کہا ناز سے ہم جاتے ہیں

خوف عصیان ہے کہ مردوں نے کفن پہنا ہے
بھیس بدلے طرف ملک عدم جاتے ہیں

حضرت داغ یہ ہے کوچہ قاتل اٹھئے
جس جگہ بیٹھتے ہیں آپ تو جم جاتے ہیں

☆☆☆☆☆☆

208

تیری صورت کو دیکھتا ہوں میں
اس کی قدرت کو دیکھتا ہوں میں

جب ہوئی صبح آ گئے ناصح
انہیں حضرت کو دیکھتا ہوں میں

وہ مصیبت سنی نہیں جاتی
جس مصیبت کو دیکھتا ہوں میں

دیکھنے آئے ہیں جو میری نبض
ان کی صورت کو دیکھتا ہوں میں

موت مجھ کو دکھائی دیتی ہے
جب طبیعت کو دیکھتا ہوں میں

شب فرقت اٹھا اٹھا کر سر
صبح عشرت کو دیکھتا ہوں میں

دور بیٹھا ہوا سر محفل
رنگ صحبت کو دیکھتا ہوں میں

ہر مصیبت ہے بے مزا شب غم
آفت آفت کو دیکھتا ہوں میں

نہ محبت کو جانتے ہو تم
نہ مروت کو دیکھتا ہوں میں

کوئی دشمن کو یوں نہ دیکھے گا
جیسے قسمت کو دیکھتا ہوں میں

حشر میں داغ کوئی دوست نہیں
ساری خلقت کو دیکھتا ہوں میں

☆☆☆☆☆☆

209

دنیا میں وضعدار حسیں اور بھی تو ہیں
معشوق اک تمہیں تو نہیں اور بھی تو ہیں

تیرے ہی در پہ حشر کا ہنگامہ ہے بپا
اس شہر میں مکاں و مکیں اور بھی تو ہیں

اے آہ اک فلک کو جلایا تو کیا کیا
ایسے ہزاروں بر سرکیں اور بھی تو ہیں

نکلا نہ دل سے تیرا ترا بیٹھ کر کبھی
ہونے کو ورنہ گوشہ نشیں اور بھی تو ہیں

کیا فرض ہے ملے تو یہ زاہد ہی کو ملے
خواہاں حور خلد و بریں اور بھی تو ہیں

مرنا شب فراق میں جینے سے خواب ہے
بہلے گا دل کہ زیر زمیں اور بھی تو ہیں

کرتا ہے یوں علاج کوئی درد عشق کا
تیرے علاوہ چارہ گزیں اور بھی تو ہیں

کیوں چھوڑتی ہے جان و جگر کو تری نگاہ
سینے میں دل جہاں ہے وہیں اور بھی تو ہیں

تم نے مری خبری بھی پوچھی چلے گئے
غم خوار وقت باز پسیں اور بھی تو ہیں

تم خواب میں بھی آئے تو منہ کو چھپا لیا
دیکھو جہاں میں پردہ نشین اور بھی تو ہیں

یہ رنج یہ الم ہو تو کیونکر ہو زندگی
عاشق جہاں میں داغ حزیں اور بھی تو ہیں

☆☆☆☆☆☆

خاک میں مل جائے دل گر مدعا پیدا کروں
جب مٹا لوں ایک کو تو دوسرا پیدا کروں

کیا کہوں اللہ قدرت دی تو کیا پیدا کروں
پیشتر سب سے ترے دل میں وفا پیدا کروں

آفرینش سے مری کچھ اور تو مطلب نہ تھا
مدعا یہ تھا کہ پیدا کر کے نا پیدا کروں

میں تو خواہاں اجل ہوں چارہ کر گویہ تلاش
ڈھونڈھ کر سارے زمانے میں دوا پیدا کروں

یہ بتا دیتے ہیں دشمن کو بھی اکثر راہ دوست
خضر مر جائیں تو کوئی رہنما پیدا کروں

جو زمانے سے نرالا ہو فلک سے ہو جدا
فکر ہے ان کو وہ انداز جفا پیدا کروں

روز اک دل میرے سینے میں خدا پیدا کرے
اور میں ارمان اس دل میں نیا پیدا کروں

غیر کو میرے جلانے کے لئے پیدا کیا
واں تو یہ تھا آدمی ہر کام کا پیدا کروں

ہائے کیوں آیا نہ صورت آفریں کو خیال
آئیں گے کس کام یہ بت ان کو کیا پیدا کروں

سب دکھانے کے ہیں قابل دل میں جتنے داغ ہیں
کونسا پوشیدہ رکھوں کونسا پیدا کروں

دل کو ہے اے داغ عمر جاوداں کی آرزو
میں کہاں سے چشمہ آب بقا پیدا کروں

☆☆☆☆☆☆

211

وہ سویا بھی تو یوں سویا بت عیار پہلو میں
کہ رکھ کر تکیہ شب کو کھینچ لی دیوار پہلو میں
حرارت عشق کی دل میں برہمن کے نہیں ورنہ
برنگ موے آتش دیدہ ہو زنار پہلو میں
چھپایا ہے ترے تیروں کو تیری ہی نگاہوں سے
ہزاروں بار سینے میں ہزاروں بار پہلو میں
اسے لائیں مجھے لے جائیں یا پیغام پہنچائیں
یہ کیا کرتے ہیں سب بیٹھے ہوئے غمخوار پہلو میں
جگر کی ناتوانی میں کہوں یا دل کی رنجوری
ادھر بیمار پہلو میں ادھر بیمار پہلو میں
کلیجا پیٹتا ہے دل مسلتا ہے کوئی میرا
کہاں سے آ گئی ظالم تری رفتار پہلو میں
مرید اے شیخ صاحب آپ کو سر پر بٹھا لیں گے
بٹھاتے ہیں بھلا ایسوں کو کب میخوار پہلو میں
یہ بجلی کی طرح تڑپے یہ بسمل کی طرح لوٹے
رہا تو کیا رہا گر دل رہا بیکار پہلو میں
یہ نقشہ ہو گیا ہے داغ اب تو ان کی محفل کا
کہ ہر دم آئینہ ہے سامنے اغیار پہلو میں

☆☆☆☆☆☆☆

212

کیوں نا امید ہوں وہ خدا ہے بشر نہیں
فردوس واعظو کوئی قارون کا گھر نہیں
وہ مست ناز ہو کہ کسی کی خبر نہیں
اپنے بھی حال پر تمہیں اب تو نظر نہیں
آتا ہے مجھ کو یاد سوال وصال پر
کہنا کسی کا ہائے وہ منہ پھیر کر نہیں
کیونکر یقین ہو کہ کیا وعدہ غیر سے
ہم نے سنی ہے منہ سے ترے عمر بھر نہیں
دو ہوتے میرے دشمن جان ایک ہی جگہ
اچھا ہوا کسی کا ترے دل میں گھر نہیں
میں صبر دے بھی لوں گا دل بیقرار کو
ٹھہری جو ایک پل وہ تمہاری نظر نہیں
ثابت جو بغض وکین ہو تو آ جائے مجھ کو صبر
پھر کیا ہے دل میں آپ کے یہ بھی اگر نہیں
وحشت میں شغل چاک گریباں کا ہو گیا
اب ہاتھ بھی مرا دل بیتاب پر نہیں
رہتا ہے کوئی جوش جنوں بے اثر کیے
وحشت کی جو نہ لے وہ مرا چارہ گر نہیں
بیشک مجھے ہے عشق ترا پر خدا گواہ
جتنا ترے گمان میں ہے اس قدر نہیں
اے داغ کب چھپائے سے چھپتا ہے آفتاب
شہرہ کہاں نہیں ہے تمہارا کدھر نہیں

☆☆☆☆☆☆

213

رخنہ گر یہ بت ہوں یوں اسلام میں

دخل ہے کس کو خدا کے کام میں

جنگ ہے ایک ایک مٹے آشام میں

بچ رہی تھی کس کی جھوٹی جام میں

گالیاں دے کر پھڑک جاتے ہیں آپ

کیا مزا ہے تلخئ دشنام میں

جب وہ سنتے ہیں بنا لیتے ہیں منہ

مل گیا کیا زہر میرے نام میں

ناز ہم سے اور دشمن سے نیاز

طاق ہے وہ فتنہ گر ہر کام میں

جب شب غم کی دعا آئی ندا

صبح محشر ہے ابھی آرام میں

دل سے وابستہ ہیں لاکھوں حسرتیں

زلف سے بڑھ کر پھنسے اس دام میں

شور یا رب سے وہ کافر ڈر گیا

ہے اثر بیشک خدا کے نام سے

کوئے جاناں کی زمین ہے فتنہ خیز

آسماں ہے مفت کے الزام میں

چشم دلبر نے دکھایا یہ طلسم

دل نہیں دیکھا کسی بادام میں

داغ زاہد سے کہو کھینچتی ہے مے
ہو شریک اس کار نیک انجام میں

☆☆☆☆☆☆

214

فلک دیتا ہے جن کو عیش ان کو غم بھی ہوتے ہیں
جہاں بجتے ہیں نقارے وہیں ماتم بھی ہوتے ہیں

گلے شکوے کہاں تک ہوں گے آدھی رات تو گذری
پریشان تم بھی ہوتے ہو پریشان ہم بھی ہوتے ہیں

جو رکھے چارہ گر کافور دونی آگ لگ جائے
کہیں یہ زخم دل شرمندہ مرہم بھی ہوتے ہیں

وہ آنکھیں سامری فن ہیں وہ لب عیسیٰ نفس دیکھو
مجھی پر سحر ہوتے ہیں مجھے پر دم بھی ہوتے ہیں

زمانہ دوستی پر ان حسینوں کی نہ اترائے
یہ عالم دوست اکثر دشمن عالم بھی ہوتے ہیں

بظاہر رہنما ہیں اور دل میں بدگمانی ہے
ترے کوچے میں جو جاتا ہے، آگے ہم ہی ہوتے ہیں

ہمارے آنسوؤں کی آبداری اور ہی کچھ ہے
کہ یوں ہونے کو روشن گوہر شبنم بھی ہوتے ہیں

خدا کے گھر میں کیا ہے کام زاہد بادہ خواروں کا
جنہیں ملتی نہیں وہ تشنہ زمزم بھی ہوتے ہیں

ہمارے ساتھ ہی پیدا ہوا ہے عشق اے ناصح
جدائی کس طرح سے ہو جدا توام بھی ہوتے ہیں

نہیں گھٹتی شب فرقت ہے اکثر ہم نے دیکھا ہے
جو بڑھ جاتے ہیں حد سے وہ ہی گھٹ کر کم بھی ہوتے ہیں

بچاؤں پیرہن کیا چارہ گر میں دست وحشت سے
کہیں ایسے گریباں دامن مریم بھی ہوتے ہیں

طبیعت کی کجی ہرگز مٹائے سے نہیں مٹتی
کبھی سیدھے تمہارے گیسو پر خم بھی ہوتے ہیں

جو کہتا ہوں کہ مرتا ہوں تو فرماتے ہیں مر جاؤ
جو غش آتا ہے تو مجھ پر ہزاروں دم بھی ہوتے ہیں

کسی کا وعدہ دیدار تو اے داغ برحق ہے
مگر یہ دیکھیے دل شاد اس دن ہم بھی ہوتے ہیں

☆☆☆☆☆☆

215

روح کو چین ہجوم غم دلبر میں نہیں
صاحب خانہ کو آرام بھرے گھر میں نہیں

مجھ کو امید ہے مشکل مری آسان ہو گی
جو رکاوٹ ترے دل میں ہے وہ خنجر میں نہیں

اے غم عشق نجانا مرے دل سے باہر
ایسے مہمان کی توقیر کسی گھر میں نہیں

کس سے وعدہ ہے جو گھبرائے ہوئے پھرتے ہو
یہ وہ گردش ہے جو میرے بھی مقدر میں نہیں

مجھ پہ بیداد کرو تو بھی غنیمت جانوں
تم سے امید کسی طرح کی محشر میں بھی نہیں

آپ کے لطف و عنایت کا بھروسا کیا ہو

کہ گھڑی بھر میں اگر ہے تو گھڑی بھر میں نہیں

دل کے ٹکڑوں کا مزا حلق کے برش میں کہاں

نگہ ناز کی تیزی دم خنجر میں نہیں

لکھ لئے جاتے ہیں جو شیفتہ کہلاتے ہیں

کونسا نام ہے جو آپ کے دفتر میں نہیں

تیسرا ایک جہان اور بنا دے یا رب

ہے لب عہد شکن پر ابھی محشر میں نہیں

سخت جانوں سے جو منہ پھیر لیا اے قاتل

عرق شرم تو آب دم خنجر میں نہیں

ہمہ تن درد ہو عاشق تو مزا ہے یہ کیا

سر میں ہے دل میں نہیں دل میں جو ہے سر میں نہیں

میں کیا جانے کیوں سجدہ کیا اس بت کو

جانتا ہوں کہ خدا اور ہے پتھر میں نہیں

غیر کے عیش سے جلتا ہے عبث تو اے داغ

اس کی تقدیر میں ہے تیرے مقدر میں نہیں

☆☆☆☆☆☆

216

جس سر راہگذار پھرتے ہیں

وہ بہت ہوشیار پھرتے ہیں

کس کی آمد ہے میرے بالیں پر

مضطرب غمگسار پھرتے ہیں

عشق خانہ خراب کے ہاتھوں
در بدر شہر بار پھرتے ہیں

میکدے میں عجب تماشا ہے
چار بیٹھے ہیں چار پھرتے ہیں

حشر میں اینڈ تے ہوئے یا رب
کس کے تقصیر وار پھرتے ہیں

بات پر اپنی جان دے دیں گے
قول سے جان نثار پھرتے ہیں

دن مرے ہائے دیکھئے کس دن
اے شب انتظار پھرتے ہیں

صدقے ہوتے ہیں شمع و اس پر
گرد پروانہ دار پھرتے ہیں

وہی کوچہ ہے اس کا اے قاصد
کہ جہاں بیقرار پھرتے ہیں

ہائے ان کا خرام مستانہ
پی کے جب بادہ خواہر پھرتے ہیں

داغ کا ذکر سن کے وہ بولے
ایسے ایسے ہزار پھرتے ہیں

☆☆☆☆☆☆☆

217

کر نہ لے اپنا ٹھکانا دشمن
دوست نادان ہے دانا دشمن

دیکھے گر اس کی پلک یا اللہ
تو ہو تیروں کا نشانہ دشمن

دیدۂ تر نہ بہانا آنسو
ڈھونڈھتی ہیں یہ بہانا دشمن

دوست کو دوست نہ سمجھا تم نے
اور دشمن کو نہ جانا دشمن

دوستی کی نہ رہی پھر امید
کاش ہو جائے زمانہ دشمن

دشمن جان ہیں بہت پرائے عشق
تجھے جانا تجھے مانا دشمن

تم سمجھتے ہو اے یار قدیم
دل ہے اے داغ پرانا دشمن

☆☆☆☆☆

218

مزے عشق کے کچھ وہی جانتے ہیں
کہ جو موت کو زندگی جانتے ہیں

شب وصل لیں ان کی اتنی بلائیں
کہ ہمدم مرے ہاتھ ہی جانتے ہیں

نہ ہو دل تو کیا لطف آزار و راحت
برابر خوشی نا خوشی جتاتے ہیں

جو ہے میرے دل میں انہیں کو خبر ہے
جو میں جانتا ہوں وہی جانتے ہیں

پڑا ہوں سر بزم میں دم چرائے
مگر وہ اسے بے خودی جانتے ہیں

کہاں قدر ہم جنس ہم جنس کو ہے
فرشتوں کو بھی آدمی جانتے ہیں

کہوں حال دل تو کہیں اس سے حاصل
سبھی کو خبر ہے سبھی جانتے ہیں

وہ نادان انجان بھولے ہیں ایسے
کہ شب شیوۂ دشمنی جانتے ہیں

نہیں جانتے اس کا انجام کیا ہے
وہ مرنا میرا دل لگی جانتے ہیں

سمجھتا ہے تو داغ کو رند زاہد
مگر رند اس کو ولی جانتے ہیں

☆☆☆☆☆☆

219

چاک ہو پردۂ وحشت مجھے منظور نہیں
ورنہ یہ ہاتھ گریباں سے کچھ دور نہیں

وصل سے یاس ہو ایسا دل مہجور نہیں
بت اگر دور ہے مجھ سے تو خدا دور نہیں

چھین لیں دل کو اگر وہ تو یہ مجبوری ہے
میں کہے جاؤں گا محتاج ہوں مقدور نہیں

سجدے کرنے سے مٹا خط جبیں اے زاہد
ہم کہے دیتے ہیں قسمت میں ترے حور نہیں

دل کو ہوتی ہے خبر آپ کہیں یا نہ کہیں

ہم کو معلوم ہے وہ بات جو مشہور نہیں

محتسب مانع علت ہے گمان مے سے

سونگھنے کو بھی میسر مجھے انگور نہیں

لب تک آئی تھی شکایت کہ محبت نے کہا

دیکھ پچھتائے گا خاموش یہ دستور نہیں

رات دن نامہ و پیغام کہوں تک ہوں گے

صاف کہہ دیجئے مانا ہمیں منظور نہیں

تم نے دی کو ہکن و قیس سے مجھ کو نسبت

کوئی دیوانہ نہیں میں کوئی مزدور نہیں

کیا کرے داغ کوئی اس کی محبت کا علاج

وہ کلیجا ہے نہیں جس میں یہ ناسور نہیں

☆☆☆☆☆☆☆☆

220

گلے ملا ہے وہ مست شباب برسوں میں

ہوا ہے دل کو سرور شراب برسوں میں

خدا کرے کہ مزا انتظار کا نہ مٹے

مرے سوال کا وہ دیں جواب برسوں میں

بچیں گے حضرت زاہد کہیں بغیر پئے

ہمارے ہاتھ لگے ہیں جناب برسوں میں

حیا و شرم تمہاری گواہ ہے اس کی

ہوا ہے آج کوئی کامیاب برسوں میں

یہ ضعف دل ہی کی خوبی ہے بلکہ ہے احسان
کبھی ہوا تو ہوا اضطراب برسوں میں

شب وصال اسے کیوں نہ شرم آ جائے
جب آئینے سے بھی ٹوٹے حجاب برسوں میں

ہمارے بعد کچھ ایسا ہوا مزاج ان کا
کہ لطف روز ہے پر عتاب برسوں میں

نگاہ مست سے اس کے ہوا یہ حال مرا
کہ جیسے پی ہو کسی نے شراب برسوں میں

کہاں ہوا ہے رخ یار قابل بوسہ
یہ دن دکھائے گا یہ آفتاب برسوں میں

نہ کیوں ہو ناز مجھے اپنے دل پر اے ظالم
کیا ہے تو نے جسے انتخاب برسوں میں

وہ بولے داغ کی صورت کو ہم ترستے تھے
ملا ہے آج یہ خانہ خراب برسوں میں

☆☆☆☆☆☆

221

یہ فتنہ آتش الفت کا پہنچے گا نہ محشر میں
لگی ہے آپ کے گھر سے بجھے گی آپ کے گھر میں

خمار آلودہ آنکھیں بل جبیں پر درد ہے سر میں
رہے تم رات بھر بے چین کس کمبخت کے گھر میں

ہوا جب چاک دامن پارسا لکھے گئے یوسف
پھٹے میں پاؤں یہ ضرب المثل ہے نام دفتر میں

مزا جاتا رہا چوری چھپے بھی دیکھ لینے کا
لگا دی غیر کی تصویر اس نے روزن در میں

تری تو مے کشی بھی جھوٹ سے خالی نہیں ظالم
مجھے ملتی ہے وہ جو بچ کے رہ جاتی ہے ساغر میں

بدل جائے گی قسمت حشر کو اہل مصیبت کی
نہیں ہے جب بھی تو ہو جائے گا میرے مقدر میں

مذمت کر رہا ہے بادۂ انگور کی واعظ
مزا جب ہے کہ ہو ایسی ہی تلخی آب کوثر میں

اثر ہوتا ایسا جذب کامل اس کو کہتے ہیں
بجائے آب خون بے گناہ ہے تیرے خنجر میں

تڑپ کر لوٹ کر رویا ہوں میں جس دم شب فرقت
تو عالم موج دریا کا رہا ہے چین بستر میں

نکال اہل حسد کی بے گناہی ورنہ واعظ
رقیبوں سے گلے ملنا پڑے گا مجھ کو حشر میں

چلو کعبے ملے گی تصویر وصل صنم تم کو
کمی کس چیز کی اے داغ ہے اللہ کے گھر میں

☆☆☆☆☆☆☆

222

کوئی اب تجھ سے آرزو ہی نہیں
اب جو دیکھا تجھے وہ تو ہی نہیں

ناصحوں سے کلام کون کرے
اپنی ایسوں سے گفتگو ہی نہیں

اس قدر ناز ہے تمھیں گویا
کوئی دنای میں خوبرو ہی نہیں

جو ترے لطف سے نکل جائے
وہ مرے دل کی آرزو ہی نہیں

ہے وہ صورت پرست بھی دیکھو
فقط آئینہ عیب جو ہی نہیں

روکش اس کا ہو کیا گل فردوس
وہ نزاکت وہ رنگ و بو ہی نہیں

سادہ لوحی تو عشق میں دیکھو
جانتا ہوں کوئی عدو ہی نہیں

تیغ تیری عبث ہے تشنہ خون
اس تن زار میں لہو ہی نہیں

عشق میں وضع کیا رہے اے داغ
کہ تجھے پاس آبرو ہی نہیں

☆☆☆☆☆☆

ردیف واو

223

ضعف سے بیمار الفت کیا سنبھالے ہاتھ پاؤں
اس تپ اعضا شکن نے توڑ ڈالے ہاتھ پاؤں

تجھ سے کیا نسبت کہ تھے لیلیٰ کے کالے ہاتھ پاؤں
حق نے تیرے نور کے سانچ میں ڈھالے ہاتھ پاؤں

ہاتھ پکڑے مجھ کو کھینچے پھر سو دشت بلا

اے جنوں اب کر دیئے تیرے حوالے ہاتھ پاؤں
صدقے ایسی قید کے قربان اس زنجیر کے
وہ کہے یہ مجھ سے تب جانیں چھٹا لے ہاتھ پاؤں

آپ اور مجھ کو نہ زانو دبا کر کیجئے ذبح
بیٹھے بھی ہیں صاحب دیکھے بھالے ہاتھ پاؤں

خواہ باندھیں خواہ جکڑیں ان کو زنجیروں میں وہ
ہم ان زلفوں کے ہاتھوں بیچ ڈالے ہاتھ پاؤں

درد سے ہو ہم اسیروں کی خبر کیونکر اسے
صورت زنجیر کب کرتے ہیں نالے ہاتھ پاؤں

دوڑنے دو اپنی رہ میں پیٹنے دو سر مجھے
ذبح سے پہلے ہی یہ مجرم تھکالے ہاتھ پاؤں

سینکڑوں کو قتل لاکھوں کو کیا ہے پائمال
یہ نکالے میری جان تم نے نرالے ہاتھ پاؤں

ہاتھ الجھے جیب سے پھر پاؤں لپٹے خار سے
ہم نے زنداں سے نکلتے ہی نکالے ہاتھ پاؤں

سر سناں نے سینہ خنجر نے لیا ناوک نے دل
ہیں یہ تیری نذر اے تیغ جفا لے ہاتھ پاؤں

ذبح کرتے ہیں یہی پائمال کرتے ہیں یہی
پھر بچائے رکھتے ہیں یہ حسن والے ہاتھ پاؤں

کر دیا ہے چور ہم کو نشہ الفت نے داغ
اب بھلا کوئی سنبھلتے ہیں سنبھالے ہاتھ پاؤں

☆☆☆☆☆☆☆

سچ ہے تیری ہی آرزو مجھ کو
کہیں جینے دے یونہی تو مجھ کو

بندۂ نو خرید ہوں میں
رکھیے آنکھوں کے روبرو مجھ کو

کل تک اس کی تلاش تھی لیکن
آج ہے اپنی جستجو مجھ کو

پہلے وہ تھا کہ تم نہ تھے آگاہ
اب وہ ہوں س لو کو بہ کو مجھ کو

حشر میں کیا کہوں گا جب وہ کہیں
کیا نہیں جانتا ہے تو مجھ کو

واں شکایت پہ وہ حکایت ہے
کہ نہیں جائے گفتگو مجھ کو

اے حیات دو روزہ لے آئی
کن گرفتاریوں میں تو مجھ کو

نگہت گل ہے ناگوار دماغ
کیا سمائی ہوئی ہے بو مجھ کو

داغ یکسو ہو خوش نہیں آتے
نا امیدی نہ آرزو مجھ کو

☆☆☆☆☆

225

دکھانا گر تمہیں مد نظر ہے روے روشن کو

لگایا کیوں ہے پردہ تم لگاؤ آگ چلمن کو

ہمیں صیاد گلشن میں بھی تھا شوق گرفتاری

بنایا بار ہا شکل قفس اپنے نشیمن کو

خدا چاہے اگر سنگین دلوں کو سرنگوں کرنا

تو پھر کیا ہے عجب گربت کرے سجدۂ برہمن کو

دم بسمل ہوئی کیوں دیر اتنی دم نکلنے میں

قضا کیا مژدہ پہنچانے گئی ہے میرے دشمن کو

ملیں روز ازل ہم غم زدوں کو نعمتیں کیا کیا

دل بیتاب ماتم کو لب فریاد شیوں کو

اسے کہتے ہیں وصل عاشق و معشوق اے قاتل

کہ مل کر تیرے خنجر نے نہ چھوڑا میری گردن کو

لباس عاشق دیوانہ بھی گویا ہے دیوانہ

گریبان آستین کو آستین لپٹی ہے دامن کو

ستم تیرے جو دیکھے جل گئے معشوق سے عاشق

بجھاتے ہیں پر پروانہ میری شمع مدفن کو

اجل کے ہاتھ سے اے داغ بچنے کا نہیں کوئی

نہ چھوڑا دوست کو اس نے نہ چھوڑے گی دشمن کو

☆☆☆☆☆☆☆

پوشیدہ جب ہو راز کہ منہ میں زبان نہ ہو

ہم بات بھی کریں تو بغیر از فغاں نہ ہو

لے جائیں آہ مجھ کو مری بدگمانیاں

ظالم وہاں کہ تیرا پتا بھی جہاں نہ ہو

رکھنا ہماری خاک سے کچھ راہ اے صبا

مرقد میں بند سوز جگر کا دھواں نہ ہو

مارا نگاہ ناز سے پہلے جگر پہ تیر

پھر اس پہ حکم دیا ہے کہ لب پر فغاں نہ ہو

زاہد عذاب عشق صنم لطف حق سمجھ

یعنی عذاب ہم کو یہاں ہو وہاں نہ ہو

کچھ چاہئے بشر کے لئے غم کی چھیڑ چھاڑ

ہم بھی نہ ہوں اگر ستم آسماں نہ ہو

اٹھوں گا خاک ہو کے تری رہگذر سے میں

تابعد مرگ میرا جنازہ گراں نہ ہو

نیرنگی چمن جو مجھے یاد آ گئی

گل پر ہوا گماں کہ برگ خزاں نہ ہو

تم کو مزا نہ دے گی کبھی داستان عشق

جب تک ہمارے منہ سے یہ قصہ بیاں نہ ہو

کہتے ہیں لوگ زیر زمین جس کو آسمان

وہ کشتگان آتش غم کا دھواں نہ ہو

باز آئے ایسے لطف سے جو ہو تم شریک

ظالم خدا کے واسطے تو مہربان ہو

رکھتے ہیں کیا چھپا کے غم یار دل میں ہم

ڈر ہے کہ یہ نصیب دل دشمناں نہ ہو

اس بے خودی میں میں نے گذاری شب فراق

زندہ ہوں پر گماں ہے کہ تجھ کو گماں نہ ہو

ناقے کو تمیں کیا نہ لگا لائے راہ پر

لیلیٰ کا راز دار اگر ساربان نہ ہو

تہمت کسی کو ظلم کی اے داغ کیوں لگائیں

شکوہ بتوں سے کیا جو خدا مہرباں نہ ہو

☆☆☆☆☆☆☆

227

یہ سن سن کے مرنا پڑا ہر کسی کو

نہیں مرتے دیکھا کسی پر کسی کو

خدا دے تو دے اپنا غم ہر کسی کو

کرے پر نہ مائل کسی پر کسی کو

نہ جاؤں گا تنہا بہشت بریں میں

کہ لے جاؤں گا دل کے اندر کسی کو

یہ بجلی نہیں جس کی اک سیر کر لی

تڑپ جاؤ دیکھو جو مضطر کسی کو

نہ کرنا صبا ایسی دیوانی باتیں

یہ کیا کھینچ مارا جو پتھر کسی کو

زہے منصفی قتل تو نے کیا ہے

وفا پر کسی کو دغا پر کسی کو

مجھے دیکھ لو ہو کے چین بر جبیں تم
نہ دیکھا ہو گر زیر خنجر کسی کو

محبت میں جس جا گئے لٹ گئے ہم
لیا دل کسی نے دیا سر کسی کو

رہے تشنہ دید مشتاق ان کے
ملا بھی تو زہر آب خنجر کسی کو

بہت چھیڑ کر ہم کو پچھتائے گا
ستاتے نہیں بندہ پرور کسی کو

یہ کہتی ہے اے داغ چتون تمہاری
کہ تم چاہتے ہو مقرر کسی کو

☆☆☆☆☆

وقت آخر پوچھتے ہو کیا ہماری آرزو
اشک باری ہے تمنا بیقراری آرزو

خاک کرتا ہے تغافل گرچہ ساری آرزو
اس پہ تجھ سے آرزو بل بے ہماری آرزو

ایک سے ہے ایک الفت میں گر انبار الم
دل ہے مجھ پر بار تو ہے دل پہ بھاری آرزو

چشم تر گر یہ سے کب نکلے مرے دل کی مراد

ساتھ اشکوں کے نہیں ہونے کے جاری آرزو

کہدو یہ اہل ہوس سے لے رکھیں کام آئے گی

کوڑیوں کے مول بکتی ہے ہماری آرزو

گر لگا رکھنے کا مشتاقوں کے آ جائے مزا

تم کو ہو جائے مری امیدواری آرزو

نبھ گئی اک وضع سے اب تک تو آگے دیکھئے

چھوڑتی ہے یا نہیں یہ وضعداری آرزو

کون تھا مجھ سا تمنائی کہ برسوں میرے بعد

قبر پر آ آ کے چلائی پکاری آرزو

لطف حسن و عشق تو جب ہے کہ دل سے ملے

کچھ ہماری آرزو ہو کچھ تمہاری آرزو

رفتہ رفتہ تیر سینے سے مرے قاتل نکال

لطف کیا نکلے اگر اک بار ساری آرزو

پھر مرے داغ کہن اے داغ تازہ ہو گئے

دل میں آئی صورت باد بہاری آرزو

کیا چاک کیا تو نے مری جان مرے دل کو

میرا ہی بنایا ہے گریبان مرے دل کو

اک کھیل ہوئی الفت جاناں مرے دل کو

دشوار جو مجھ کو ہے وہ آسان مرے دل کو

تجھ کو ہے قسم درد محبت مرے دل کی

تو چین نہ دینا کسی عنوان مرے دل کو

پھر حسرت و ارماں و تمنا بھی نہ ہوں گے

اے یاس نہ کر بے سروسامان مرے دل کو

یا اس بت گمراہ کو لا راہ وفا پہ

یا پھیر دے اے گردش دوران مرے دل کو

اچھی کہی اچھا نہیں کچھ دل کا لگانا

یہ لگ گئی اے ناصح نادان مرے دل کو

تاثیر دکھا جائے محبت تو عجب کیا

سینے سے لگا آج مری جان مرے دل کو

کچھ دور نہیں بتکدہ و کعبہ سمجھ لیں

کافر تری آنکھوں کو مسلمان مرے دل کو

ہے لطف تو یہ تجھ کو ہو محشر میں بھی انکار

اور داغ کہے تو نے لیا ہاں مرے دل کو

جوہر دکھاؤ صاحب جوہر کے روبرو

ہے قدر آئینے کی سکندر کے روبرو

دل لے چلا ہے باندھ کے دلبر کے روبرو

جاتا ہے اسیر ستمگر کے روبرو

کہتا ہے سرو شاخ ثمر ور کو دیکھ کر

مفلس ہے بیوقار تونگر کے روبرو

رو کر تہی شم کو بھریں کیوں نہ اہل حرص

شیشے کو ہچکی لگتی ہے ساغر کے روبرو

ڈر ہے کہے نہ یار سے چرخ ستم شریک

رویا ہوں شب کو دیدۂ اختر کے روبرو

اس بت میں اک خدائی کا جلوہ ہے ورنہ شیخ

سجدے کئے سے فائدہ پتھر کے روبرو

آنسو بہا رہا ہوں خط یار پڑھ کے میں

یوں دانہ ڈالتا ہوں کبوتر کے روبرو

حاصل ہوئی بھی عقل فلاطون اگر تو کیا

چلتی نہیں کسی کے مقدر کے روبرو

اے داغ ہو گا ہم سے کسی کا جواب کیا

مقدار چشمہ کیا ہے سمندر کے روبرو

طریق عشق میں اے دل ہیں پیچ و خم سو سو

غلط پڑے ہیں یہاں خضر کے قدم سو سو

برس پڑے وہ مجھے دیکھ کر خدا کی پناہ

ہزار ناز ہر اک ناز میں ستم سو سو

دل شکستہ کا مضمون لکھا نہیں جاتا

کہ ایک نکتہ پہ ٹوٹا کئے قلم سو سو

ہزار جلوے سے معمور ہے یہ کافر دل

اس ایک سنگ سے پیدا ہوئے صنم سو سو

خطر بھی پھینک نہ دے مرغ نامہ بر مکتوب

کہ نامے باندھتے ہیں ایک پر میں ہم سو سو

کھلیں نہ ہم سے کبھی پیچ ان کی باتوں کی

جو ایک بات کے پہلو بٹھائیں ہم سو سو

بنو گے حشر میں تم داد خواہ کس کے

یہی سوال وہ کرتے ہیں دم بدم سو سو

بہار خالد سے آباد تھا جہاں آباد

ہر ایک کوچے میں تھے گلشن ارم سو سو

ابھی سے چرخ کی گردش کا داغ کیا شکوہ

ابھی تو لائے گا چکر پہ یہ ستم سو سو

232

ہم تو مرتے ہیں ادا پر دلستاں ہو کوئی ہو

دوست دشمن مہربان نا مہربان ہو کوئی ہو

اس نے لی ہے دست نازک میں بڑے دعوے سے تیغ

یا الٰہی نیم بسمل نیم جان ہو کوئی ہو

شادہوں کیا وعدۂ فرد اسے اے خلوت گزیں

یہ تو ممکن ہی نہیں ہے تو جہاں ہو کوئی ہو

سر میں ہو گردن میں ہو پہلو میں ہو سینے میں ہو

تیغ ہو خنجر ہو پیکاں ہو سناں ہو کوئی

غیر اچھا میں برا سچے ہو تم جھوٹے نہیں

آدمی کا آدمی راحت رساں ہو کوئی ہو

میرے قصہ میں برائی کیا ہے سن تو لیجئے

خواب راحت سے غرض ہے داستاں ہو کوئی ہو

آدمی کے واسطے چشم بصیرت چاہیۓ

دل سے ہو منظور نظروں سے نہاں ہو کوئی ہو

ہم نہیں اے آہ تو سارا زمانہ ہیچ ہے

پھونک دے سب کو زمیں ہو آسماں ہو کوئی ہو

اے فلک یہ کیا ابھی کچھ تھا ابھی کچھ ہو گیا

غم ہو یا شادی ہو لیکن جاوداں ہو کوئی ہو

آشنا عرف تمنا سے ہو تو کیجیۓ قلم

میں نہیں کہتا کہ میری ہی زباں ہو کوئی ہو

وہ نہ ہو تو یاس ہو یہ تو نہ ہو کوئی نہ ہو

خانہ دل میں الٰہی میہماں ہو کوئی ہو

غیر کو کیوں چھوڑتے ہو قتل گاہ عام میں

امتحاں کی جب کہ ٹھہری امتحاں ہو کوئی ہو

بزم دشمن میں ہے اذن عام یا رب بھیج دے

حشر ہو طوفاں ہو مرگ ناگہاں ہو کوئی ہو

مدفن عشاق پر کافی ہے تیرا نقش پا

عاقبت ان بے نشانوں کا نشاں ہو کوئی ہو

بعد مجنوں داغ سے آباد ہے دشت جنوں

اس خرابی کے لئے بے خانماں ہو کوئی ہو

نالہ کھینچیں گے اگر تاثیر الٹی ہو تو ہو

راست ہے تدبیر گو تقدیر الٹی ہو تو ہو

وہ بھی برہم میں بھی راضی قتل کا سامان درست

اب رواں گردن پہ گر شمشیر الٹی ہو تو ہو

کر لیا وعدہ انہوں نے ہو گئی تدبیر وصل

اور اس پر بھی اگر تقدیر الٹی ہو تو ہو

کچھ خیال وصل سے اے دل نہیں ہوتا وصال

ہاں مگر اس خواب کی تعبیر الٹی ہو تو ہو

ہم گنہگاروں کا لکھا ہو سکے تبدیل کیا

نامہ اعمال کی تحریر الٹی ہو تو ہو

مر بھی جاؤں تو نہ ہو ان کو مرا مردہ عزیز

بلکہ میری لاش کی تشہیر الٹی ہو تو ہو

ہم نے جو نالہ کیا تدبیر اپنی ہی درست

عقل تیری آسمان پر الٹی ہو تو ہو

اس ستمگر سے دل نا فہم امید کرم

بے گناہی پر تجھے تعزیر الٹی ہو تو ہو

سیدھے سیدھے ہم تو باتیں ان کو لکھ بھیجیں گے داغ

واں الٹ پھیروں کی گر تقریر الٹی ہو تو ہو

اب فلک چاہئے جی بھر کے نظارا ہم کو

جا کے آنا نہیں دنیا میں دوبارا ہم کو

کبھی ایما نہ کنایا نہ اشارا ہم کو

کم نگاہی نے تری جان سے مارا ہم کو

ہم کسی زلف پریشان کی طرح اے تقدیر

خوب بگڑے تھی مگر خوب سنوارا ہم کو

جب کھنچے ان سے ہوئے اور زیادہ مضطر

مرض عشق کے پرہیز نے مارا ہم کو

شکر صد شکر کہ اب قبر میں ہم جا پہنچے

تو سن عمر نے منزل پر اتارا ہم کو

روز تکرار کرے کون خریداروں سے

دل کی اس گرمی بازار نے مارا ہم کو

چل تو اے دل رہ الفت میں کہیں راہ نما

مل رہے گا کوئی اللہ کا پیارا ہم کو

اب تو ہم تذکرۂ غیر پہ آفت ٹھہرے

پھر قیامت میں جو چھیڑو گے دوبارہ ہم کو

باتیں اس آئینہ رو کی بھی میں گویا کہ چلسم

آج تو خوب ہی شیشے میں اتارا ہم کو

آپ سے اب نہ بنے گا کوئی سودا اپنا

پھیر دیجیے دل بیتاب ہمارا ہم کو

ہم سیہ رو ہیں سوا مردمک چشم سے بھی

پر جو دیکھے تو کہے آنکھ کا تارا ہم کو

بد سلوکی میں مزا کیا ہے مزا ہے اس میں

کہ ہمارا ہو تمہیں پاس تمہارا ہم کو

بحر ہستی میں ہوئے کشتی طوفانی ہم

نہیں ملتا کہیں اے داغ کنارا ہم کو

وہ طریق مہر و وفا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

تمھیں روز یاد دلاؤں گا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کیا پہلے خط میں بہت رقم کہا پھر زبان سے اپنا غم

مگر اس پہ بھی مرا ماجرا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

ہمیں کس کی شرم و لحاظ کیا یہ خدا کے واسطے کیا کہا

تمھیں آئینہ سے بھی تھی حیا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ کسی کا شکوہ کوئی خجل وہ کسی کا داغ کسی کا دل

وہ کسی کا کوئی تھا آشنا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

مجھے ڈر ہے یہ نہ ہوں حجتیں کہ پڑی ہیں حشر کی مدتیں

دم باز پرس مری خطا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

چڑھے ذہن پر نہ زبان پر اب مرے چار حرف وصال جب

تو پھر آگے کہنے کا لطف کیا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

ابھی قول کر کے جو بھولے تم ہوئی اس سے تو مری عقل گم

کہ خدا کا نام بھی مہ لقا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

یہ کہاں کہ بیٹھو ہزار میں تمھیں شرم آتی تھی چار میں

یہ تو وہی دن کا تھا ماجرا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ جو داغ سحر بیاں رہا کہ ثنا گر اس کا جہاں رہا

کوئی شعر اس کا برا بھلا تمھیں یاد ہو کہ نہ یادہو

کیا ڈبوئے گا ترے عشق کا قلزم مجھ کو
موج ساحل ہے سفینہ ہے تلاطم مجھ کو

اپنے رونے پہ کچھ آیا جو تبسم مجھ کو
یاد نے اس کی کہا بھول گئے تم مجھ کو

دیکھ اے وادی ایمن مجھے وہ خاک ہونے میں
کہ فرشتوں نے لیا بھر تیمم مجھ کو

رشک نے جلوۂ دیدار سے رکھا محروم
کہ رہے مدنظر دیدۂ مردم مجھ کو

دیکھنا چھیڑ سر حشر مرے پاس آ کر
کہتے ہیں کون ہوں میں جانتے ہو تم مجھ کو

ہنستے ہنستے کبھی روتا ہوں تصور میں ترے
روتے روتے کبھی آتا ہے تبسم مجھ کو

آتش تر سے یہ مے خانہ ہے آتش خانہ
یاں وضو چاہیے زاہد کہ تیمم مجھ کو

معجزہ حضرت عیسیٰ کا غلط بھی تو نہیں
درد اٹھتا ہے وہ کہتے ہیں اگر قم مجھ کو

یا سنا دے مرے مطلب کی کوئی اے ناصح
یا یہ کہہ دے کہ نہیں تاب تکلم مجھ کو

ساقیا نشہ مئے کیا تری آنکھیں کم ہیں
کہ ملے جام مجھے شیشہ مجھے خم مجھ کو

جم گئی گرد رہ میکدہ مجھ پر واعظ

خاک سے پاک کرے بحر نہ قلزم مجھ کو
سہم جاتی ہے خوشی ڈرتی ہے فرحت مجھ سے
کبھی آتا ہے تو دزدیدہ تبسم مجھ کو

جب گئے کہہ کے گئے میری دعا سے تاثیر
گم کرے تجھ کو خدا تو نے کیا گم مجھ کو

میں نے اس حال پہ بھی دل کو بہت سمجھایا
ضعف سے گرچہ نہ تھی تاب تکلم مجھ کو

تم کہاں غیر کہاں جھوٹ غلط محض دروغ
خفتان ہے یہ جنوں ہے یہ تو ہم مجھ کو

ضعف نے نام کو تھوڑا سا نشان رکھا تھا
تو نے اے بے خودی شوق کیا گم مجھ کو

ضبط وہ شے ہے کہ اے حضرت موسیٰ دیکھو
آپ دیتے ہیں وہ تکلیف تکلم مجھ کو

لطف توبہ کا مزہ توبہ کا یہ ہے زاہد
ضد سے ساقی نے پلائے ہیں کئی خم مجھ کو

کیوں نہ حیران و پریشان ہوئے سننے والے
میں بھلا تم کو کہوں اور برا تم مجھ کو

میں بھی حیران ہوں اے داغ کہ یہ ہے کیا بات
وعدہ ہو کرتے ہیں آتا ہے تبسم مجھ کو

عرصہ عشق میں اللہ کرے گم مجھ کو

اور پھرو ڈھونڈھتے گھبرائے ہوئے گم مجھ کو

دیکھے مستی میں جو سرگرم تکلم مجھ کو
کہے واعظ بھی کہ للہ کوئی خم مجھ کو

غیرت ماہ کہے خسرو انجم مجھ کو
نام کو داغ ہوں کیا جانتے ہو تم مجھ کو

ساقیا اس میں کھینچے کیا کسی مجذوب کی روح
کوئی کھینچے لئے جاتا ہے سوے خم مجھ کو

جیسے آنکھوں میں سمائی ہیں وہ کافر نظریں
رات دن اپنی نظر سے ہے تو ہم مجھ کو

دل نے سرمایہ صد راحت و آرام و نشاط
کھو کے پایا تھا اسے پا کے کیا گم مجھ کو

اس تمنا سے مرے در پے آزار نہ ہو
کہ مجھے ہو یہ گماں چاہتے ہو تم مجھ کو

غم و شادی کے لئے شرط ہے الفت تیری
نالہ بلبل مجھے دے غنچہ تبسم مجھ کو

کیوں گناہ لیتے ہیں تھوڑی سے پلانے والے
کل ملے کوثر اسے آج جو دے خم مجھ کو

دیکھنا پیر مغاں حضرت زاہد تو نہیں
کوئی بیٹھا نظر آتا ہے پس خم مجھ کو

کیا کرے دیکھئے کوثر پہ مری تشنہ لبی
سوکھا جاتا ہے یہاں دیکھ کے قلزم مجھ کو

مسکرائے مری میت پہ وہ منہ پھیر کے داغ

حشر تک یاد رہے گا یہ تبسم مجھ کو

اللہ رے تلون ابھی کیا تھی ابھی کیا ہو

شوخی ہو تو شوخی ہو حیا ہو تو حیا ہو

محشر میں اسی بت کا طرفدار خدا ہو

جنت سے بدل جائے جہنم تو مزا ہو

بسمل کے تڑپنے کا تماشا تو ذرا ہو

تھم تھم کے چھرے پھیریئے رہ رہ کے جفا ہو

گھر اپنے گئے ہیں وہ مٹاتے ہوئے کس کو

یہ تو نہ ہو وہ غیر کا نقش کف پا ہو

برباد کروں گا اسی کوچے میں وفائیں

کیوں رکتی ہے آگے مرے اے باد صبا ہو

فریاد جگر نغمہ نے نالہ بلبل

دلکش ہو کسی طرح کی ہو کوئی صدا ہو

کیوں وصل کی حسرت مرے دل سے نہیں مٹتی

یہ کاش الٰہی اسی بد خو کی وفا ہو

نیرنگی خون شہداء دیکھ تو قاتل

پانی ہو بہائے سے لگائے سے حنا ہو

ہے عید کی اقرار پہ لی ہے رمضان میں

یہ قرض ادا ہو تو بڑا فرض ادا ہو

دعویٰ مجھے دل پر ہے زباں پر ہے تمھیں ناز

یہ شرط ٹھہر جائے کہ جھوٹے کو سزا ہو

تعریف نے کوثر کی مجھے خوب پلائی

کیا بات ہے واعظ تری عقبیٰ کا بھلا ہو

بے وجہ چھپایا نہیں قاصد نے خط ان کا

ایسا نہ ہو کمبخت کی مٹھی میں قضا ہو

کیا توبہ کروں عشق سے اے حضرت ناصح

ڈرتا ہوں کہ یہ بھی نہ شب غم کی دعا ہو

اس دل سے مجھے لاگ ہے بے مہر تو میں ہوں

تم شان وفا کان وفا جان وفا ہو

واعظ نہ کرے طعن مرے جرم و خطا پر

اس کا ہی اگر بخشنے والے کو مزا ہو

کیونکر نہ پھروں کعبے سے بت خانے کو زاہد

پھر جائے مرے ساتھ اگر قبلہ نما ہو

کیوں داغ کا نام آتے ہی نفرت ہوئی تم کو

اک شخص ہے وہ تم اسے سمجھے ہوئے کیا ہو

کچھ سوچ سمجھ کر دل مضطر پہ جفا ہو

ایسا نہ ہو اس میں کوئی تیری بھی ادا ہو

میں نی جو کہا سیر ہو کل روز جزا ہو

فرماتے ہیں واں بھی ہمیں سچے ہوں تو کیا ہو

کیوں صبح شب وصل خدا کو مجھے سونپا

دشمن ہی کو دے دو جو مرے حق کی دعا ہو

اس طرح سے قاصد نے تو رک رک کے کہا حال

جیسے کہ سبق پڑھ کے کوئی بھول گیا ہو

جاتا ہوں الٰہی نفس سرد سے اپنے

اس کو نہ جلائے تو جہنم کو سزا ہو

دل ہم نے بنایا ہے ہدف تیر لگانے

اب جس قدر انداز کی چٹکی میں قضا ہو

ڈر ہے نہ اگیں خار مژدہ قبر پہ میرے

یہ حسرت دیدار نہ انگشت نما ہو

قاصد یہ سمجھنا کہ یہی شہر ہے اس کا

مشہور جہان نام تغافل کا حیا ہو

رنجش مری بڑھ کر ہے تمہاری خفگی سے

میں جان سے بیزار ہوں تم مجھ سے خفا ہو

جی چاہتا ہے غیر کو دوں اپنا مقدر

کیا اس میں برائی ہے کسی کا جو بھلا ہو

میں اور کروں دعویٰ خون مجھ سے نہ ہو گا

تم چھوڑ بھی دو ہاتھ کوئی سوچتے کیا ہو

مطرب سے کہو ان کو سنائے وہ سنیں گے

جس ساز میں اک ٹوٹے ہوئے دل کی صدا ہو

چاہت کا مزہ بعد ہمارے نہ ملے گا

ہر شخص سے تم آپ کہو گے ہمیں چاہو

ہوتی ہے وہاں روز جفاؤں کی ترقی

اے ذوق فزوں ہوا بھی اے شوق سوا ہو
دیوانے لگاتے ہیں عجب رنگ کی مہندی
جب آبلوں میں خون چھلک آئے حنا ہو
بدلوں نہ کبھی اور حسینوں کی وفا سے
وہ کینہ بھی اچھا جو ترے دل میں رہا ہو
دل بت سے بگاڑے نہ بن آئے گی تمہیں داغ
کیا پیش چلے جس کا طرف دار خدا ہو

240

کیا خود وعدہ عیاری تو دیکھو
دل آزاروں کی دلداری تو دیکھو
مرے دل کی وفاداری تو دیکھو
پھر اس پر اپنی عیاری تو دیکھو
کیا جب وعدہ آنے کا نہ آئے
اس آسانی کی دشواری تو دیکھو
بنا روز جزا جس کی سزا کو
مری قدر گنہگاری تو دیکھو
وہ کہتے ہیں مرے غم میں نہ مرنا
یہ مجبوری یہ ناچاری تو دیکھو
بنا لیں شرم آلودہ نگاہیں
تغافل میں یہ ہوشیاری تو دیکھو
مٹا نقش وفا اس بت کا دل سے

ہماری گریہ و زاری تو دیکھو

نہ عاشق کا نہ یہ معشوق کا دوست
فلک کی تم ستم گاری تو دیکھو

پھنسایا اس بت بیگانہ وش کو
محبت کی گرفتاری تو دیکھو

خدا سے بخشوانے کو ہیں موجود
رقیبوں کی طرفداری تو دیکھو

خدا نے دی ہیں آنکھیں دیکھنے کو
تم اپنی مردم آزاری تو دیکھو

نہ آئی قبر میں بھی نیند مجھ کو
مری قسمت کی بیداری تو دیکھو

غزل کیا خاک لکھیں حضرت داغ
ہجوم کار سرکاری تو دیکھو

چلتے نہیں ہیں ساتھ مرے ہمسفر کے پاؤں
ہر گام پر دبانے پڑے راہبر کے پاؤں

آنکھوں کے بل چلوں گا تری راہ شوق میں
موے مژدہ بنیں گے مری چشم تر کے پاؤں

کیا مضطرب رہی شب فرقت مرے عزیز
پھرتی ہے پھرتے ٹوٹ گئے سارے گھر کے پاؤں

آتی ہے کوے یار سے مستانہ کس قدر

کیا لڑکھڑائے جاتے ہیں باد سحر کے پاؤں
وقت خرام ناز تعجب نہیں اگر
فتنے بھی اڑ کے چوم لیں اس فتنہ گر کے پاؤں
ہے کچھ جواب سست مقرر کو جو ادھر
اٹھتے ہیں دیر دیر مرے نامہ بر کے پاؤں
چل کر وہ میرے ساتھ بتائیں جو راہ دوست
آب بقا سے دھوکے پیوں میں خضر کے پاؤں
صیاد ہم قفس سے چھٹے بھی تو کیا چھٹے
کس کام کے ہیں طائر بے بال و پر کے پاؤں
لاکھوں میں مجھ کو تاڑ گیا وہ نگاہ باز
رکھا جو میں نے محفل اعدا میں ڈر کے پاؤں
آنا وہ دوڑ کر شب غم اے دعائے وصل
اللہ نے بنائے نہیں ہیں اثر کے پاؤں
تھک تھک کے بیٹھ جائے نہ کیوں تیری رہ میں
لوہے کے تو نہیں ہیں الٰہی بشر کے پاؤں
وہ آئے کس طرح یہ گیا کس طریق سے
ہیں میرے دل کے پاؤں تیری نظر کے پاؤں
سینے سے اپنے ساتھ اڑا کر یہ لے گئے
گویا تمہارے تیر تھے میرے جگر کے پاؤں
پہنچی ہے ایک آن میں باب قبول تک
پھیلائے کیا دعا نے مرے ہاتھ بھر کے پاؤں
اے داغ آدمی کی رسائی تو دیکھنا

سر پر دھرے ہیں عرش نے خیر البشر کے پاؤں

242

جو دل قابو میں ہو تو کوئی رسوائے جہاں کیوں ہو
خلش کیوں ہو طپش کیوں ہو قلق کیوں ہو فغاں کیوں ہو

مزا آتا نہیں تھم تھم کے ہم کو رنج و راحت کا
خوشی ہو غم ہو جو کچھ ہو الٰہی ناگہاں کیوں ہو

یہ مصرع لکھ دیا ظالم نے میرے لوح تربت پر
جو ہو فرقت کی بے تابی تو یوں خواب گراں کیوں ہو

ہمیشہ آدمی کا آدمی غمخوار ہوتا ہے
یہی بے اعتباری ہو تو کوئی راز داں کیوں ہو

غضب آیا ستم ٹوٹا قیامت ہو گئی برپا
یہ پوچھا تھا کہ تم آزردہ مجھ سے میری جان کیوں ہو

بہت نکلیں گے روز حشر تیرے جور کے خواہاں
ستم کا حوصلہ دنیا میں صرف امتحان کیوں ہو

انہیں گو رنجش بے جا ہے لیکن ہے تو ہم سے ہے
محبت گر نہ ہو باہم شکایت درمیان کیوں ہو

گئے ٹھکرا کے مجھ کو اور پھر کہتے گئے یہ بھی
نصیب دشمناں تو پائمال آسماں کیوں ہو

نئی تاکید ہے ضبط محبت کی وہ کہتے ہیں
جگر ہو تو فغاں کیوں ہو دہن ہو تو زباں کیوں ہو

شریک در مے بزم عدو میں خاک ہوتے ہم

کسی نے رات بھر اتنا نہ پوچھا تم یہاں کیوں ہو

تحمل کر سکے حسن نازک ان نگاہوں کا

اسے میں نے چھپایا ہے وگرنہ وہ نہاں کیوں ہو

خدا شاہد خدا شاہد ہے کیوں کہتے ہو وعدوں پر

خدا کو کیا غرض میرے تمہارے درمیاں کیوں ہو

جگر سے کم نہیں ہے چارہ گر داغ مجھ کو

جو پیدا کی ہو مر مر کر وہ دولت رائیگاں کیوں ہو

نوید جانفزا ہے کیا خبر قاتل کے آنے کی

بتاؤ تو سہی تم داغ ایسے شادماں کیوں ہو

ردیف ہائے ہوز

243

اڑ گئی یار گلعذار سے آنکھ

اب نہیں جھپتی ہزار سے آنکھ

کچھ وہ حیرت سے کچھ وہ حسرت سے

خون بنتی ہے انتظار سے آنکھ

دید کا بھی ہے کیا برا لپکا

نہیں رہتی ذرا قرار سے آنکھ

ان کو دیکھا ہے جو مکدر آج

بھر گئی سرمہ غبار سے آنکھ

تو دہ ناوک نظر کیجئے

کیوں چرائی مرے مزار سے آنکھ
وہ بدو یوں ہے مے کشی کا مزہ
جام سے لب ملے تو یار سے آنکھ
اشک خونیں نے گل کھلائے ہیں
آج آئی ہے کس بہار سے آنکھ
کیا بچے ناوک نظر سے دل
چوکتی ہی نہیں شکار سے آنکھ
بولے وہ شکوۂ تغافل پر
ملی کس کس امیدوار سے آنکھ
یار سے آنکھ کیا ملاؤں میں
نہیں ملتی ہے راز دار سے آنکھ
نشہ تیرا اتر گیا اے داغ
کھل گئی غفلت خمار سے آنکھ

یوں شب وعدہ رہی طالب دیدار کی آنکھ
جس طرح سوئے چمن مزغ گرفتار کی آنکھ
کبھی لگتی ہی نہیں نرگس بیمار کی آنکھ
اس نے دیکھی ہے چمن میں کسی ہوشیار کی آنکھ
ہم دکھا دلائیں تجھے نرگس بیمار کی آنکھ
ڈورے ڈالے گی مگر بلبل گلزار کی آنکھ
آنکھ تقدیر نہ پھیرے نہ پھرے یار کی آنکھ

کیا ہوا ہم سے اگر پھر گئی اغیار کی آنکھ
نیند آئی ہے سر شام شب وصل انہیں
کیا برے وقت لگے طالع بیداد کی آنکھ
شوق نظارۂ گلشن ہو تو لے چل صیاد
سیر گلزار کو اس مرغ گرفتار کی آنکھ
رقص بسمل کے تماشے کا ہوا شوق ایسا
بن گیا حلقہ جوہر تری تلوار کی آنکھ
زلف دیتی ہے تری ابرو پہ خم کا جواب
داد دیتی ہے تری شوخی رفتار کی آنکھ
طور بے طور ہوئی دل کی خدا خیر کرے
بے طرح گھات میں ہے اس بت عیار کی آنکھ
وہ تھی موسیٰ ہے جنہیں تاب نظارہ نہ ہوئی
یاں نہ جھپکے گی ترے طالب دیدار کی آنکھ
اے دل صاف صفائی کے تو یہ معنی ہیں
کبھی میلی نہ ہو اس آئینہ رخسار کی آنکھ
اشک خوں دیکھے آنکھیں نہ نکال اے ظالم
دکھنے آئی ہے تری طالب دیدار کی آنکھ
کیوں نہ پر خون ہو ازل سے کہ ملا ہے مجھ کو
شیشہ بادہ کا دل ساغر سرشار کو آنکھ
جلوۂ یار نے دو رنگ دکھائے اپنے
ایک ظاہر میں تو ہے کافر و دیندار کی آنکھ
اللہ اللہ کشش حسن کے ہمراہ نگاہ

کھچی جاتی ہے ترے طالب دیدار کی آنکھ
ہوئی جاتی ہے سوا بوسہ لب کے قیمت
دیکھتے جاتے ہیں وہ اپنے خریدار کی آنکھ
آگ عشق دل فرہاد کے بجھنے کی نہیں
بنے دریا بھی اگر چشمہ کہسار کی آنکھ
گفتگو سے جو تھی بات اشاروں سے بڑھی
جب تھکی ان کی زبان لڑنے کو تیار کی آنکھ
اے صبا اس کی گلے میں نہ اڑا خاک مری
کہیں میلی نہ ہو اس روزن دیوار کی آنکھ
دل چرایا ہے وہ اب آنکھ ملائیں کیونکر
سامنے ہوتی ہے مشکل سے گنہگار کی آنکھ
ٹپکے پڑتی ہے نگہ سے تری الفت اے داغ
کوئی چھپتی ہے محبت کی نظر پیار کی آنکھ

یاں تو بنا ہے جاتے ہیں عشق بتاں کے ساتھ
زاہد نبیڑ لیں گے وہاں کی وہاں کے ساتھ
پھونکا نہ دام کو نہ جلایا قفس مرا
بجلی کی تیزیاں تھیں فقط آشیاں کے ساتھ
میرے غبار نے بھی کیا منہ نہ اس طرف
مجھ کو کدورتیں جو رہیں آسمان کے ساتھ
آ جائے خوب ناز و نزاکت کی تم کو چال

تم دو قدم چلو اگر اس ناتواں کے ساتھ

مانا کہ وہ ہیں گھر ہی میں اپنے گریباں

سو جھتیں ہیں روز دل بد گماں کے ساتھ

واماندگی نے ایک جگہ تو بٹھا دیا

پھرتے تری تلاش میں کیا کارواں کے ساتھ

اے عشق باز آئے رفات سے تیرے ہم

تو بھی کہیں روانہ ہو عمر رواں کے ساتھ

سب کو ہے تیری یاد کی لذت جدا جدا

دل کی ہے دل کے ساتھ زباں کی زباں کے ساتھ

زاہدکو ایک قطرۂ زمزم پہ ناز ہے

یہاں خم کے خم اوڑائے ہیں پیر مغاں کے ساتھ

مٹتی نہیں ہے خانہ خرابی کسی طرح

کیا میری بے کسی بھی بنی تھی مکاں کے ساتھ

ہم ایک کہہ کے سنتے ہیں دو چار گالیاں

اک چھیڑ ہو گئی ہے ترے پاسباں کے ساتھ

اقرار حشر اے دل مضطر غلط نہ جاں

تھوڑا یقیں بھی چاہئے وہم و گماں کے ساتھ

اللہ کرے کہ بند نہ ہو داغ کی زبان

تعریف آپ کی ہے اسی خوش بیاں کے ساتھ

دن گذار اب دل مجبور صداقات کے ساتھ

وہ مزے رات کے ناداں گئے رات کے ساتھ
حفظ تسلیم ادب خلق تواضع تعظیم
کتنی تکلیف ہے اے شوق ملاقات کے ساتھ
بے قراری تو ٹھہرتی ہے ٹھہرتی جائے
آ گیا صبر مگر مرگ مفاجات کے ساتھ
چار مل بیٹھے جہاں پھر وہی رنگ اور ترنگ
کچھ عجب لطف ہے زنداں خرابات کے ساتھ
لب ترے ذکر مسی پر مجھے یاد آتے ہیں
چشمہ خضر کا مذکور ہے ظلمات کے ساتھ
جلوہ دیکھے جو بت ہوش ربا کا صوفی
روح کیا سلب نہ ہو جائے کرامات کے ساتھ
اپنے مذہب میں ہے برسوں کی عبادت سے فزوں
گذرے جو کوئی گھڑی رند خوش اوقات کے ساتھ
دست نواب گہر بار فلک دریا بار
داغ برسات نئی آئی ہے برسات کے ساتھ

یا رب ہمیں دے عشق صنم اور زیادہ
کچھ تجھ سے نہیں مانگتے ہم اور زیادہ
دل لے کے نہ کچھ مانگ صنم اور زیادہ
مقدور نہیں تیری قسم اور زیادہ
ہستی سے ہوئی فکر عدم اور زیادہ

غم اور زیادہ ہے الم اور زیادہ
بھرتا نہیں جب زخم کسی شکل سے قاتل
بھرتا ہوں تری تیغ کا دم اور زیادہ
تھی بخت زلیخا میں خریداری یوسف
اوروں نے لگائے نہ درم اور زیادہ
تلوار جو ہو جائے کمان خوب نہیں ہے
ابرو میں نہ دو تاں کے خم اور زیادہ
انسان کی خواہش کو بڑھاتی ہے سخاوت
کرتے ہیں ستم اہل کرم اور زیادہ
یا رب ہیں مرے ساتھ بہت حسرت و ارماں
ہو وسعت صحرائے عدم اور زیادہ
زنداں سے بیاباں میں تواضع ہوئی بڑھ کر
کانٹوں نے لئے میرے قدم اور زیادہ
ہے دل میں کسی عالم تصویر کی تصویر
بس چھیڑ نہ کر ناخن غم اور زیادہ
دشمن کی طرف سے وہ ادھر بھول کے آ جائیں
تاریک ہو تو اے شب غم اور زیادہ
القاب ہی پر ختم ہوا نامہ کروں کیا
چلتا نہیں مطلب پہ قلم اور زیادہ
گھر بیٹھے کرے دل سے طواف اس کی گلی کا
جھگڑا ہے بس اے اہل حرم اور زیادہ
پہنچا ہوں ادھر عرش سے اے ہمت عالی

اچھا ہے پڑے بڑھ کے قدم اور زیادہ
لے آئے دل بیمار تمنا شفا کر
درمان سے ہوا درد و الم اور زیادہ
جب تک وہ تماشے کو کھڑے تھے لب ساحل
بے تاب تھی موج لب یم اور زیادہ
دل پیچ میں تقدیر کے پابند پھیرو اس پر
طرہ ہے تری زلف کا خم اور زیادہ
رہبر نے ترا کوچہ دکھا کر مجھے چھوڑا
آگے نہ بڑھا چار قدم اور زیادہ
پہنچا ہوں لب گور تو میں اے غم الفت
اب چھوڑ کر مجھ میں نہیں دم اور زیادہ
بگڑی تھی ہوا آہ کی آخر شب وعدہ
نکلا مرے نالوں کا بھرم اور زیادہ
کیا صلح کریں دل کی ترے تیر نظر سے
چھنتی ہے صفائی میں بہم اور زیادہ
دل بوسے پہ ٹھہرا تھا جگر چھین لیا کیوں
کیا مفت میں لی ایک رقم اور زیادہ
پائی ہے امان کس نے تری تیغ نظر سے
قربان ہوئے صید حرم اور زیادہ
وہ حال ہے میرا کہ عدو کہتے ہیں ان سے
کرنا نہ خبردار ستم اور زیادہ
خط ان کا بہت خوب عبارت بہت اچھی

اللہ کرے حسن رقم اور زیادہ

قاصد مگر اغیار کا لکھا ہے جہان حال

پاتا ہوں وہاں زور قلم اور زیادہ

صد شکر کہ نواب کی الطاف سے اے داغ

چند اہل غم جمع ہیں کم اور زیادہ

248

نہیں ہوتی بندے سے طاعت زیادہ

بس اب خانہ آباد دولت زیادہ

محبت میں سو لطف دیکھے ہیں لیکن

مزا دے گئی ہے شکایت زیادہ

مریض محبت کی اچھی دوا کی

اسے کل سے ہے آج غفلت زیادہ

وہ تشریف لاتے ہی بولے کہ رخصت

نہیں ہم کو ملنے کی ضرورت زیادہ

الٰہی زمانے کو کیا ہو گیا ہے

محبت تو کم ہے عداوت زیادہ

عدم سے سب آتے ہیں یاں چار دن کو

نہیں ہوتی منظور رخصت زیادہ

بنے حوض مے صحن مے خانہ بھر کر

زیادہ برس ابر رحمت زیادہ

تم آئینہ دیکھو تو ہم بھی یہ دیکھیں

کہ ہے کونسا خوبصورت زیادہ

مری بندگی سے مرے جرم افزوں

ترے قہر سے تیری رحمت زیادہ

حیا اس کی آنکھوں میں کیونکر ہو یا رب

کہ شوخی سے بھی ہے شرارت زیادہ

بہکتے نہ تھے داغ یوں گفتگو میں

مگر پی گئے آج حضرت زیادہ

ردیف ہائے تحتانی

249

مجھ کو جنت میں نہ راحت ہو گی

گر یہی دل یہی قسمت ہو گی

اس برے حال پہ وہ کہتے ہیں

رنج و غم کی یہی صورت ہو گی

جان دل دوں تجھے پر ڈرتا ہوں

کہ امانت میں خیانت ہو گی

تیرے ہاتھوں مجھے اے رنج فراق

کبھی مرنے کی بھی فرصت ہو گی

یا مری داد ملے روز جزا

یا قیامت پہ قیامت ہو گی

کوچہ یار کوئی چھٹتا ہے

میں نہ ہوں گا مری تربت ہو گی
جس کو کہتے ہیں جہنم کی آگ
غیر کی گرمی صحبت ہو گی
اپنے مطلب کی تو سن لو مجھ سے
یہ نہ جانو کہ شکایت ہو گی
اب کے مے خانے سے اٹھ کر اے داغ
کعبے جائیں گے جو وحشت ہو گی

250

جب وہ بت ہمکلام ہوتا ہے
دل و دین کا پیام ہوتا ہے
ان سے ہوتا ہے سامنا جس دن
دور ہی سے سلام ہوتا ہے
دل کو روکوں کہ چشم گریاں کو
ایک ہی خوب کام ہوتا ہے
آپ ہیں اور مجمع اغیار
روز دربار عام ہوتا ہے
زیست سے تنگ ہیں نہ چھیڑ ہمیں
دیکھ غصہ حرام ہوتا ہے
لیجے موسیٰ سے لن ترانی کی
اب تو ہم سے کلام ہوتا ہے
داغ کا نام سن کے وہ بولے

آدمی کا یہ نام ہوتا ہے

اللہ اللہ رے پریشانی مری
زلف جاناں بھی ہے دیوانی مری
کیا ٹھکانا مجھ سے نازک طبع کا
ہو چکی جنت سے مہمانی مری
تیرے خنجر تو قتل نازنین
سخت دشواری ہے آسانی مری
روبرو اس بدگمان کے ذکر عشق
میرے آگے آئی نادانی مری
آجکل ہے ان کو تصویروں سے شوق
کیا کبھی دیکھی تھی حیرانی مری
روسیا ہی کام آئی روز حشر
شکل زاہد نے نہ پہچانی مری
بن گیا کعبہ وہی میرے لئے
ٹک گئی جس در پہ پیشانی مری
ہائے دل لے کر ترا ناز و غرور
وائے دل دے کر پشیمانی مری
تر ہوا دامن مے گلرنگ سے
رنگ لائی پاک دامانی مری
اس گرفتاری پہ اپنے میں نثار

لو وہ کرتے ہیں نگہبانی مری

آگ داغ ان کے دل میں یہ غرور

مشکل ہے دنیا میں لاثانی مری

252

بے لاگ ہے تیغ جنگجو کی

رکھتے ہی نہیں لگی گلو کی

جب پاؤں تھکے تو جستجو کی

جب دل نہ رہا تو آرزو کی

رستے پہ ترے چلے قیامت

سچ ہے کہ بڑی ہی چال چوکی

جب تم نہ ملے تو درد دل نے

اٹھ اٹھ کے اجل کی جستجو کی

مطلب کی کہی نہ ایک ظالم

کیا بات ہے تیری گفتگو کی

ان کو ہے عدو سے وہ تمنا

جس بات کی ہم نے آرزو کی

پھر وحشت دل ہے اور صحرا

کیں خار نے دھجیاں رفو کی

کچھ کم نہیں قدر نا امیدی

ہے یہ بھی ہزار آرزو کی

ہم بادہ کشوں کی خاک سے بھی

آ ئے گی صدا سبو سبو کی
اللہ کو کیا جواب دوں گا
عادت ہے بتوں سے گفتگو کی
کچھ ضبط ہماری خاطر اے چشم
کچھ شرم ہمارے آبرو کی
چھوڑا نہ ستم **فلک** کے دل کا
اللہ رے تلاش کینہ جو کی
اس خانہ خراب دل میں اے داغ
مٹی ہے خراب آرو ک

تدبیر سے قسمت کی برائی نہیں جاتی
بگڑی ہوئی تقدیر بنائی نہیں جاتی
دل لے کے وہ اب جان طلب کرتے ہیں ہم سے
یہ ایسی دھڑی ہے کہ اٹھائی نہیں جاتی
مے پی تو سہی توبہ بھی ہو جائے گی زاہد
کمبخت قیامت ابھی آئی نہیں جاتی
آنسو نہ بچے جائیں گے اے ناصح ناداں
ہیرے کی کنی جان کے کھائی نہیں جاتی
پہنچا ہے یہاں تک تری رفتار نے ظالم
آندھی سے مری خاک اڑائی نہیں جاتی
دل میرا مرا ہو کہ تہ تیغ نہ اف کی

اک پھانس کی تکلیف اٹھائی نہیں جاتی

گرتی تھی نشیمن پہ مری کوند کے بجلی

صیاد کے گھر آگ لگائی نہیں جاتی

ہر چند ہے افشائے محبت میں خرابی

یاروں سے مگر آنکھ چرائی نہیں جاتی

لے دے کے یہاں دل میں ہے کیا ایک تمنا

وہ تابزبان خوف سے لائی نہیں جاتی

اللہ رے تنگی دہن و ناز کی لب

وعدے پہ قسم آپ سے کھائی نہیں جاتی

للہ مری ذبح پہ تکبیر تو پڑھو لو

اتنی بھی زبان تم سے ہلائی نہیں جاتی

یا رب کوئی آفت تھا محبت کا پتنگا

وہ آگ لگی ہے کہ بجھائی نہیں جاتی

اے داغ کہا حال دل اس دشمن جان سے

نادان ترے دل کی صفائی نہیں جاتی

اشک خون رنگ لائے جاتا ہے

داغ اپنی جمائے جاتا ہے

کس صفائی سے تیرے دل کا غبار

مٹتے مٹائے جاتا ہے

کتنا با وضع ہے خیال اس کا

بے کسی میں بھی آئے جاتا ہے
دیکھنا رشک اس کی محفل میں
ایک کو ایک کھائے جاتا ہے
نا امیدی مٹائے جاتی ہے
شوق نقشہ جمائے جاتا ہے
ہمت اے خاک ہاں مدد اے ضعف
کوئی دامن بچائے جاتا ہے
وہ جدھر کو گئے اٹھا یہ شور
وہ قیامت اٹھائے جاتا ہے
دل وہ نعمت ہے تجھ سا شیریں لب
نظروں نظروں میں کھائے جاتا ہے
آتش شوق کیا بجھے ناصح
تو پتنگے لگائے جاتا ہے
غم نے اس کے گھلا دیا دیکھو
مجھ کو مہمان کھائے جاتا ہے
اس کا آنا تو درکنار اے داغ
دل ہی قابو سے ہائے جاتا ہے

ہر بات میں کافر کی کیا آن نکلتی ہے
واں آن نکلتی ہے یاں جان نکلتی ہے
سو حسن ابلتے ہیں سو ناز برستی ہیں

اے اصل علی تجھ میں کیا شان نکلتی ہے
قسمت یہ مری کیا کیا رمال کو حیرت ہے
جو شکل نکلتی ہے حیران نکلتی ہے
وعدہ نہ وفا کرنا پھر اس پہ یہ تاکیدیں
تا حشر ٹھہر جاؤ کیوں جان نکلتی ہے
یہ خانہ دل جیسا سنسان نظر آیا
بستی کوئی کم ایسی ویران نکلتی ہے
آبادی دل کا ہے اس درجہ خیال اب تو
حسرت بھی نکلتی ہے تو جان نکلتی ہے
چتون کے مٹیں گے بل ابرو کے کھلیں گے خم
پر دل کی گرہ کوئی آسان نکلتی ہے
دلبر ہیں ادائیں بھی دلکش ہیں جفائیں بھی
اک آن ستمگر میں ہر آن نکلتی ہے
بے طرح کبھی جی میں اے داغ پلک اس کی
یہ پھانس کوئی دل سے نادان نکلتی ہے

داغ ہر چند جہان گرد ہے رسوائی ہے
آپ کے سر کی قسم آپ کا سودائی ہے
صورت وصل نہ تھی کوئی بجز رنجش غیر
وہ جو بگڑے ہوئے آئے ہیں تو بن آئی ہے
اور کیا خاک ملے گی دل بسمل کی مراد

جو تماشا ہے جہان کا وہ تماشائی ہے
شکوۂ ظلم پہ اول تو وہ خاموش ہوئے
پھر یہ جھنجلا کے کہا کیا مری رسوائی ہے
جب کبھی بیٹھے بٹھائے خفقان اچھلا ہے
ہم نے جا کر اسی کوچے کی ہوا کھائی ہے
نہیں معلوم کہ ہیں کون بلا حضرت عشق
یوں تو اپنی بھی زمانے سے شناسائی ہے
مژدہ اس کو ہے جو ناکام ازل ہے تجھ سے
حسرت اس پر ہے جو کمبخت تمنائی ہے
نہ سنی ایک بھی میں نے دم بوسہ ان کی
وہ یہ کہتے ہی رہے موت تری آئی ہے
داغ گو اب کسی گلرو سے ملاقات نہیں
ہم نے برسوں اسی گلشن کی ہوا کھائی ہے

ہمارے قتل کی تدبیر روز واں ٹھہری
یہ زندگی تو نہ ٹھہری بلائے جان ٹھہری
ہزاروں دفن ہوئے مجھ سے مضطرب یا رب
یہ کس طرح سے زمین زیر آسمان ٹھہری
ہماری خاک کی بربادیاں ذرا دیکھو
کہاں کہاں سے اوڑی اور کہاں کہاں ٹھہری
مرے تڑپنے سے شب کو تمہیں تو چین آیا

چلو تمہاری طبیعت تو مہربان ٹھہری

سر نیا زہوا ٹھوکروں ہی میں پامال

جبیں عجز مری سنگ آستاں ٹھہری

پڑھا دیئے جو اسے چند حرف بے تابی

پیامبر کی دہن میں نہ پھر زبان ٹھہری

جب آیا چین ہمیں اس نے کر دیا بے چین

تری نگاہ ہمارے مزاج داں ٹھہری

یہاں یہ غم کہ چکا دل کا مول اک بوسہ

وہاں یہ فکر کہ قیمت بہت گراں ٹھہری

ہزار رنگ دکھائے گا داغ جگر

مری بہار نہ ٹھہری کوئی خزاں ٹھہری

258

تجھ سے دل خاک ملے دل سے بھی تو ملتا ہے

کوئی ملنے ہی سے اے مریدہ جو ملتا ہے

اس طرح دشمن جان سے نہیں ملتا کوئی

کیا لپٹ کر تری خنجر سے گلو ملتا ہے

کیجئے اے قسمت برگشتہ تلاش دشمن

دوست کو ڈھونڈھتی ہیں ہم تو عدو ملتا ہے

مل گیا دل سے یکایک تری سوفار کا رنگ

ورنہ بیگانے سے برسوں میں لہو ملتا ہے

چرخ کم مایہ سے کچھ ہم کو ملے یا نہ ملے

یہ بڑی دولت دنیا ہے کہ تو ملتا ہے

دیکھ چل کر مرے ساقی کی سخاوت زاہد
ایک ساغر کوئی مانگے تو سبو ملتا ہے

گل کھلائے گی عجب رنگ کی یہ شاخ مژہ
اس کو پانی کی جگہ روز لہو ملتا ہے

ارمغان دیتی ہیں ہم پیر مغان کو جا کر
کوئی اچھا جو ہمیں ظرف وضو ملتا ہے

خاک میں داغ ملاتے ہیں جو عزت تیری
مر بھی کمبخت کہ ایسوں ہی سے تو ملتا ہے

چھوٹے ہزار مرتبہ قاتل کے ہاتھ سے
نکلے نہ ایک بار بھی ہم دل کے ہاتھ سے

اے قیس گر صبا نے اوڑایا تو لطف کیا
اٹھا نہ پردہ صاحب محمل کے ہاتھ سے

اے اضطراب شوق یہ کیسا اثر کیا
تلوار چھوٹی پڑتی ہے قاتل کے ہاتھ سے

ہے خط جادہ راہ محبت میں تیغ تیز
کٹتے ہیں پاؤں دوری منزل کے ہاتھ سے

بدلے شراب کے ہے مجھے زہر بھی قبول
اس انجمن میں ساقی محفل کے ہاتھ سے

ٹھہرو ذرا الگ ہے وار کر چلے

دامن بچائے جاتے ہو بسمل کے ہاتھ سے
کوئی سمجھ کی بات کرے تو جواب دیں
دم ناک میں ہے ناصح جاہل کے ہاتھ سے
پہنچے نہ اہل فیض سے نوبت سوال کی
خود ہاتھ وہ ملاتے ہیں سائل کے ہاتھ سے
اے داغ دستگیر ہے وہ پیر دستگیر
مل جائے ہاتھ مرشد کامل کے ہاتھ سے

260

بے وجہ اجتناب نے رسوا کیا مجھے
ظالم ترے حجاب نے رسوا کیا مجھے
میں نے جو آہ کی تو کہا اس نے غیر سے
اس خانماں خراب نے رسوا کیا مجھے
کہہ دی ہے اس نے نشے میں سب دل کی آرزو
اک ساغر شراب نے رسوا کیا مجھے
یاروں پہ کھل گیا اثر الفت نہاں
اس بت کو اضطراب نے رسوا کیا مجھے
اس بد گمان سے پوچھ کے تعبیر ہوں خجل
میرے بیان خواب نے رسوا کیا مجھے
محشر میں حال دل دم پرسش کسے بتا
کیا کیا مرے جواب نے رسوا کیا مجھے
کچھ ان کے مہرو لطف نے مشہور کر دیا

کچھ رنجش و عتاب نے رسوا کیا مجھے

اس زلف خم بخم نے کیا شہرہ آپ کا

اس دل کے پیچ و تاب نے رسوا کیا مجھے

اے داغ سب یہ حضرت دل کے سلوک ہیں

جو کچھ کیا جناب نے رسوا کیا مجھے

261

آئینہ منہ پہ برا اور بھلا کہتا ہے

سچ ہے یہ صاف جو ہوتا ہے صفا کہتا ہے

دم اعجاز مسیحا کو برا کہتا ہے

اب ترا سحر کچھ اے ہوش ربا کہتا ہے

میرے افسانے پہ وہ ہو کے خفا کہتا ہے

کوئی سنتا بھی ہے اس کی کہ یہ کیا کہتا ہے

حق ہے اس بات میں ناصح کا طرفدار ہوں میں

دل کی کہتا ہے جو اس دل کو برا لگتا کہتا ہے

ہر دم اپنا دم آخر کی سناتا ہے خبر

ہر نفس ہر نفس احوال فنا کہتا ہے

چل چکی خوب ستمگر ترے خنجر کی زبان

دہن زخم کی سن تو کہ یہ کیا کہتا ہے

غیر اچھے جو زمانے کے برے کہلائیں

میں برا ہوں کہ جہاں مجھ کو بھلا کہتا ہے

ہے ترے شربت دیدار کی تاثیر عجیب

زہر کہتا ہے کوئی دوا کہتا ہے
دیکھنا میرے بت ہوش ربا کا جلوہ
دیکھ کر شیخ جسے صلی علی کہتا ہے
شور محشر ترے مستوں پہ بہت چلایا
یہ بھی جانا نہ کسی نے کہ یہ کیا کہتا ہے
ہند سے تا بہ دکن داغ ہے شہرت تیری
اب تو کچھ اور ترا بخت رسا کہتا ہے

262

اس انجمن سے بہت بے وقار ہو کے چلے
سرور ہو کے ہم آئے خمار ہو کے چلے
بتوں کے کوچے سے ہم دل فگار ہو کے چلے
شکار کرنے کو آئے شکار ہو کے چلے
بجھا لے میری سر شک رواں میں اے قاتل
کہ خوب تیغ تری آبدار ہو کے چلے
تری نگاہ بہت مست ہے سنبھل کے ذرا
سمند ناز و ادا پہ سوار ہو کے چلے
نہیں ہے بادہ کو ساغر تو اتنی اے ساقی
نگاہ مست مئے خوشگوار ہو کے چلے
الٰہی جائیں گے کس گھر یہ ہم سے وحشت ناک
بہشت سے بھی اگر بیقرار ہو کے چلے
پیامبر بھی تو انسان ہے فرشتہ نہیں

الٰہی صبر بیقرار ہو کے چلے

وہ تفتہ دل ہوں جو دیا میں ہاتھ ڈالوں میں

تو موج بحر یقیں ہے غبار ہو کے چلے

کسی کی آنکھ میں وہ انتظار ہو کے رہے

کسی کے دل سے شکیب و قرار ہو کے چلے

خبر نہ ہو مجھے وہ کشتۂ تغافل ہوں

جو حشر بھی مرے ہوئے مزار سوئے چلے

گلے لگا کے انہیں عذر پھر کیا میں نے

مری گلی سے جب شرمسار ہو کے چلے

نگاہ یار کی پھرتی ہے بزم سے اے داغ

رقیب بھی مرے یاروں کے یار ہو کے چلے

263

طبیعت کوئی دن میں بھر جائے گی

چڑھی ہے یہ آندھی اتر جائے گی

رہیں گے دم مرگ تک خواہشیں

یہ نیت کوئی آج بھر جائے گی

رہے پیروی ہجر ہو یا وصال

کہ اک بات آخر ٹھہر جاے گی

نہ تھی یہ خبر ہم کو اپنی بہار

ادھر آئے گی اور ادھر جائے گی

محبت میں اے دل نہ ڈر سر پہ کھیل

وہ بازی نہیں یہ کہ ہار جائے گی
کہوں گا نہ میں حشر کو تیرے ظلم
یہ خلق خدا کیا مکر جائے گی
خدا کے لئے آج اقرار کر
کہ پھر بات کل حشر پر جائے گی
نہ گذری شب ہجر سمجھے تھے ہم
تڑپتے پھڑکتے گذر جائے گی
مرا حال بہتر ہے ان سے کہو
ڈریں گے جو سچی خبر جائے گی
نہ جائے کوئی میری میت کے ساتھ
مری بے کسی نوحہ گر جائے گی
رہے گا ترا جلوہ مد نظر
جہاں تک ہماری نظر جائے گی
شب وعدہ آ جاؤ ورنہ قضا
مرے سر پہ احسان دھر جائے گی
نہ چھوڑے گی دامن کبھی مشت خاک
صبا ہم سے اڑ کر کدھر جائے گی
صبا اس گلی سے مری خاک کو
جب آئے گی برباد کر جائے گی
دیا دل تو اے داغ اندیشہ کیا
گذرنی جو ہو کی گذر جائے گی

دشمنوں سے دوستی غیروں سے یاری چاہئے

خاک کے پتلے بنے تو خاکساری چاہئے

عشق میں کچھ یاس کچھ امیدواری چاہئے

کچھ تحمل چاہئے کچھ بیقراری چاہئے

جن کو عشق و حسن کے دعوے ہیں ان کے واسطے

دل ہمارا چاہئے صورت تمہاری چاہئے

وعدہ تو کر لو زبان سے پھر وفا کرنا نہ تم

نا امیدوں کے لئے امیدواری چاہئے

اس تغافل اس حیا سے کب چھپا راز نہاں

اب نرالی کوئی طرز پردہ داری چاہئے

چار حرف آرزو ہی سن لو ساری رات میں

اور قصے کے لئے تو عمر ساری چاہئے

دیکھ ہنس ہنس کر نہ کہو اپنی وفا کا اعتبار

مرگ عاشق پر ستمگر اشکباری چاہئے

کھل گیا جب راز تو اخفا کئے سے فائدہ

اٹھ گیا پردہ تو پھر کیا پردہ داری چاہئے

مست و بے خود اس قدر اپنی نہیں تجھ کو خبر

او تغافل کیش کچھ تو ہوشیاری چاہئے

چارہ گر مشکل ہے میرے داغ سودا کا علاج

جائے پنبہ دامن باد بہاری چاہئے

اے فلک مٹ کر ہی کچھ رہ جائیں ہم انجام کار

اس مرقع میں کوئی صورت ہماری چاہیئے

مل گیا ہم کو وفا و عشق و الف کا صلہ

بندہ پرور آپ کی بس یادگاہی چاہیئے

دل پہ گر قابو نہیں اے داغ تو ہی جائے شکر

عاشقوں کے واسطے بے اختیاری چاہیئے

265

حسرتیں لے گئے اس بزم سے چلنے والے

ہاتھ ملتے ہی اٹھے عطر کے ملنے والے

وہ گئے گور غریباں پہ تو آئی یہ صدا

تھم ذرا اور روش ناز سے چلنے والے

دیکھیے کیا ہو الٰہی مرے نامے کا جواب

پاس ان کے ہیں بہت زہر اگلنے والے

ان جفاؤں پہ وفا کوئی نہ کرتا لیکن

دل بدلتا نہیں او آنکھ بدلنے والے

شرم آلودہ نگاہیں تو کریں گی بسمل

اب کوئی آن میں یہ تیر ہیں چلنے والے

دل نے حسرت سے کہا تیر جو اس کا نکلا

دیکھ اس طرح نکلتے ہیں نکلنے والے

دل بیتاب وہ آتے ہیں خبر آئی ہے

صبر کر صبر ذرا میرے مچلنے والے

امتحان تیغ جفا کا جو انہیں ہو منظور

بچ بچا کر ابھی ٹل جاتی ہیں ٹلنے والے
گرمی صحبت اغیار کے شکوے پہ کہا
آپ اے داغ ہمیشہ کے ہیں جلنے والے

266

جفا کرتا ہے تو بدلے وفا کے
خدا کو مان اے بندے خدا کے
کسی کے عشق نے کی دل میں گرمی
کھلے رہتے ہیں بند ان کی قبا کے
پریشان کر دیا دل نے الجھ کر
کھلے جاتے ہیں بل زلف دوتا کے
ہوا ہوں کشتہ پائے نگاریں
مرا خون سر ہوا رنگ حنا کے
نہ خوش ہو اے بتو ہم کو ستا کر
ڈرو سو کارخانے ہیں خدا کے
ہوئی جاتی ہیں کیوں نیچی نگاہیں
کہو تو کیا ہے قربان اس حیا کے
وہ روئے دیکھ کر میت کو میری
پچھے آنسو ذرا اہل عزا کے
الجھنا زلف سے لڑنا نگہ سے
بنے ہیں حضرت دل بھی بلا کے
مری مشکل ہوئی اے داغ آساں

جنوں میں تن پہ لباس غبار باقی ہے
کب اپنے پاس کفن کو بھی تار باقی ہے
ابھی نزاکت رفتار یار باقی ہے
ابھی زمانہ ناپائیدار باقی ہے
خزاں ہے دیکھ کے وحشت سی چھا گئی دل پر
ابھی زمانہ نا پائیدار باقی ہے
خزاں ہے دیکھ کے وحشت سی چھا گئی دل پر
ابھی نظارے فصل بہار باقی ہے
نہ دیکھی عیش گذشتہ کی پھر کبھی صورت
غلط کہ گردش لیل و نہار باقی ہے
وہ چشم زار کا سنتے ہی ماجرا گھبرائے
ابھی تو شرح دل بیقرار باقی ہے
خرام ناز نے تھوڑی قیامتیں کیں ہیں
وہ دیکھئے تو کسی کا مزار باقی ہے
رہے نہ پھر عدو دل میں کینہ جو کی جگہ
جو ہم نہیں تو ہمارا غبار باقی ہے
جو یہ نہیں ہے تو کچھ بھی خلش نہیں باقی
جو عشق ہے تو غم بیشمار باقی ہے
امید وصل چلی جائے ہاں دل ناداں

بہت ابھی تو شب انتظار باقی ہے
جنوں کے ہاتھ سے تار نفس بچائے خدا
رہا سہا یہی لے دے کے تار باقی ہے
صبا اڑا نہ سکی آسمان مٹا نہ سکا
کہ دل میں ان کے ہمارا غبار باقی ہے
کروں گا میں بھی ترا ایک ہی لہو پانی
جو دم میں دم مرے اے تیغ یار باقی ہے
صفائیوں سے مجھے خاک میں ملاتے ہو
صفائیوں پہ بھی اتنا غبار باقی ہے
بیان سوز جگر پر یہ آپ گھبرائے
نکالنا ابھی دل کا غبار باقی ہے
مریض عشق کی کیا پوچھتے ہو یہ پوچھو
اگر بقا ہے تو کل اختیار باقی ہے
پھر اب کے لوٹ لے ظالم نگاہ ناز سے تو
کہ دل میں مایہ صبر و قرار باقی ہے
دم اخیر ہے اے داغ توبہ کر توبہ
کہ روسیاہ ابھی اختیار باقی ہے

کچھ بھی الفت نے ترے دل میں نہ چھوڑا باقی
رہ گئی ایک تمنا ہی تمنا باقی
دم الجھتا ہے وج سینے میں تو دل میں شاید

رہ گیا اس کے مژہ کا کوئی کانٹا باقی

گو وہ دل ان کا نہیں کرتے ہیں ظاہر داری

پر غنیمت ہے کہ اتنا ہی سہارا باقی

سنگ میں لعل بنا عشق کی سے

خون فرہاد کا تھا کوئی جو قطرہ باقی

صبح ان مست نگاہوں کا نہ پوچھو عالم

جن میں نہ تھا رات کا کچھ نشہ صہبا باقی

دیکھ کر تیرگی گور کو میں چونک پڑا

میں نے جانا کہ ابھی ہے شب یلدا باقی

بسملوں کو جو تری مل گئی راہ ظلمت

چشمہ خضر میں پانی نہ رہے گا باقی

عاقبت کثرت عصیاں سے مری گھبرا کر

رہ گیا کاتب اعمال کو لکھنا باقی

میری تحریر کے انداز تو دیکھو گویا

کوئی مطلب نہ رہا ہے نہ رہے گا باقی

جیتے جی عشق و محبت کو مٹا دو اے داغ

کیوں رہے بعد فنا مفت کا جھگڑا باقی

کبھی کچھ درد رہتا ہے کبھی کچھ سوز رہتا ہے

ہمارے دل پہ صدمہ اک نہ اک ہر روز رہتا ہے

نگاہیں ان کی جادو سی قیامت ہوتی جاتی ہیں

الٰہی کونسا فتنہ سبق آموز رہتا ہے
دل اپنا چین سے رہتا نہیں اک آن پہلو میں
مگر دل میں تمہارا ناوک دلدوز رہتا ہے
جو میں ہوں عشق میں مضطر وہ ہے میرے لئے مضطر
زیادہ مجھ سے آشفتہ مرا دل سوز رہتا ہے
خوشی ہے عید ہے اغیار ہیں جلسے ہیں باغوں میں
وہاں تو رات دن نو روز ہی نو روز رہتا ہے
مصاحبت ہے یہی اک ہجر میں اس کو خدا رکھے
مرا ہمدم مرا مونس غم جانسوز رہتا ہے
رقیب روسیا بھی رات بھر پھرتا ہے سرگرداں
خدا جانے کہاں وہ شمع شب افروز رہتا ہے
کبھی کچھ غم اٹھایا ہو تو جانیں آپ کیا جانیں
کہ کس کس غم میں آلودہ یہ غم اندوز رہتا ہے
تصور میں کسی کے داغ نیند آتی نہیں مجھ کو
عجب بیدار اپنا طالع فیروز رہتا ہے

کیا صبا کوچہ دلدار سے تو آتی ہے
مجھ کو اپنے دل گم گشتہ کی بو آتی ہے
صاف ہے سینہ ہمارا کہ نہ دل ہے نہ جگر
کیا صفائی تجھے اے آئینہ رو آتی ہے
نہ کیا تو نے کبھی غیر کا شکوہ ہم سے
بات کہنے ہی میں اے عربدہ جو آتی ہے
ہو رسا آہ تو کیا جانے کہاں تک پہنچے
نارسائی میں تو یہ عرش کو چھو آتی ہے
تیری تلوار نے بھی چال اڑائی تیری
کھینچ کے آتی ہے یہ جب تا بہ گلو آتی ہے

دشمنی ختم ہوئی ایک وفا دشمن پہ
دوستی تجھ کو تو اے میرے عدو آتی ہے

تلخی موت کو فرہاد کی وہ کیا جانے
منہ سے شیریں کے ابھی دودھ کی بو آتی ہے

یاد آ جاتی ہے وہ چین جبیں دیکھ کے موج
لہر سی دل میں ہمارے لب جو آتی ہے

شجر خشک تو ہر سال ہری ہوتے ہیں
جا کر اے عمر جوانی کہیں تو آتی ہے

دل اگر صاف نہ ہو پاک نہ ہو گا انسان
یوں تو ابلیس کو بھی شرط وضو آتی ہے

جانتا ہوں کہ یہی دشمن جاں ہے میرا
اس کے خنجر سے مجھے خون کی بو آتی ہے

محفل یار میں اے داغ سوا حسرت کے
کب ہمیں کیفیت جام و سبو آتی ہے

271

طلب ہے چاہنے والوں سے امتحانوں کی
بری بنی ہے خدا خیر کرے جانوں کی

خدا کرے ابھی اے باغباں گرے بجلی
ترے چمن کو لگی آگ آشیانوں کی

تڑپ تڑپ کے یہ کمبخت صبر کر نہ سکیں
خرابیاں ہیں محبت میں نوجوانوں کی

قدم قدم ہے تری چال کا نیا انداز
وگرنہ ایک روش ہے سب آسماں کی

انہیں تو کھیل تلون مزاجیاں لیکن
یہاں تو روز ہی شامت مزاج دانوں کی

کسی لحاظ سے نالہ نہیں کے اہم
وگرنہ کون سی بنیاد آسمان کی

عجب نہیں ہے کہ ہنگامہ قیامت کو
ملے نہ قبر اگر ہم سے بے نشانوں کی
سدھارتا نہیں جنت کو کس لئے صیاد
کہ باغ خلد میں کثرت ہے آشیانوں کی
یہ زہد آپ کا اے داغ سب ہے مکر و فریب
ہزار پھیریئے تسبیح لاکھ دانوں کی

272

دل مرا لے کے مری جان دغا تم نے تو کی
تھی مجھے چشم وفا تم سے جفا تم نے تو کی
بے گناہوں کو سزا دیتے ہو اللہ
بے خطا کہتے ہو ہاں ہاں کہ خطا تم نے تو کی
کوئی بیچارہ بلا سے ہو پریشان خاطر
رخ پر نور پہ وا زلف دوتا تم نے تو کی
ہم نے جو کی وہ بری کی یہ تو سچ ہے لیکن
تم تو اچھے ہو چلو ہم سے وفا تم نے تو کی
غم دیا رنج دیا داغ دیا زہر دیا
خوب بیمار محبت کی دوا تم نے تو کی
جانتے ہی نہیں دشنام کا انجام ہے کیا
بات اک پہلے پہل نام خدا تم نے تو کی
ہم نے جانا تھا کہ وہ پھول چڑھانے آئے
قبر عاشق پہ قیامت ہے بپا تم نے تو کی
رشک دشمن نہ اٹھا ہم سے ہمیں تھے نادان
دوستی ورنہ حقیقت میں ادا تم نے تو کی
چار دن بھی کہیں آرام نہ پایا اے داغ
بے وفاؤں پہ یونہی جان فدا تم نے تو کی

جفا کی ان بتوں نے یا وفا کی
دیا دل اب تو جو مرضی خدا کی
نئی شوخی ہے چشم فتنہ زا کی
تغافل یوں کیا گویا حیا کی
ہمارا درد دیکھا جائے کس سے
ہمیشہ روح کھینچتی ہے دوا کی
شب اندوہ و غم کا پوچھنا کیا
بنا کے جو مرے دم پر بنا کی
تم اتنے ہو کہ دو گے ہم کو تعزیر
نہیں کی تو بھی ہاں ہم نے خطا کی
مٹاؤں داغ ہجراں دل سے کیونکر
وہ پوچھیں گے نشانی میری کیا کی
جواب قتل کیا قاتل نے سوچا
کہ اس کو عید ہے روز جزا کی
کھلا ان کی جفا کا کچھ نہ باعث
مگر اتنا کہ ہم سے کیوں وفا کی
لگی ہے سینے سے دشمن کی تصویر
وہ کھولیں کیا گرہ بند قبا کی
لڑے ہیں غیر سے غصہ ہے مجھ پر
کوئی پوچھے تو میں نے کیا خطا کی
الٰہی وصل کی ہے رات دے ڈال
مجھے کوئی گھڑی روز جزا کی
رہی یہاں صلح پر بھی جنگ باہم
طبیعت ان سے مل مل کر لڑا کی
ابھی اقرار اس کا ہو چکا تھا
ادھر دیکھو تو پھر ہم سے حیا کی
پھر اس بت پر فدا ہیں حضرت داغ
قسم کھائی تھی کعبے میں خدا کی

منصفی دنیا سے ساری اٹھ گئی
اے بتو ایمانداری اٹھ گئی

دل سے بے وہ اختیاری اٹھ گئی
اب تمنا ہی تمہاری اٹھ گئی

وہ سوم میں میرے کب آئے کہ جب
بیٹھ کر مخلوق ساری اٹھ گئی

والے دشمن ہو گیا سارا جہان
ہائے رسم دوست داری اٹھ گئی

بے طرح پھیلا ہے ان زلفوں کا جال
اب امید رستگاری اٹھ گئی

رہ گئے لاکھوں کلیجا تھام کر
آنکھ جس جانب تمہاری اٹھ گئی

جب ہوا سجدے میں اس بت کا خیال
خود بخود گردن ہماری اٹھ گئی

آئے بن ٹھن کر مرے ماتم میں وہ
جبکہ رسم سوگوری اٹھ گئی

عشق نے بے باک آخر کر دیا
اب وہ شرم آہ و زاری اٹھ گئی

دور میں اس چشم مست ناز کے
لذت پرہیز گاری اٹھ گئی

ہے عجب اس ناز کی پر بار ناز
تجھ سے یہ تلوار بھاری اٹھ گئی

ہم کھنچے ایسے کہ آخر ان کو بھی
اب توقع ہی ہماری اٹھ گئی

کس سے رکھیے داغ چشم دوستی
اٹھ گئی یاروں سے یاری اٹھ گئی

اے فلک دے ہم کو پورا غم تو کہاں کے لئے
وہ بھی حصہ کر دیا سارے زمانے کے لئے
باغ میں جاتے ہیں وہ تو گل کھلانے کے لئے
سیدھیاں سرو و صنوبر کو سنانے کے لئے
سر گذشت اپنی فسانہ ہے زمانے کے لئے
گم ہوئے تھے ہم جہاں سے یاد آنے کے لئے
ماجرائے دل ہے کیا یا رب کہ جس کا ہے یہ شوق
لب مرے مشتاق ہیں میرے فسانے کے لئے
غنچہ دل کے عوض تازہ ہوئے داغ جنوں
کیا بہار آئی تھی دیوانہ بنانے کے لئے
پاس اپنے دل کے رہنے دیجئے میرا بھی دل
اک خوشی کو چاہئے اک غم اٹھانے کے لئے
بس رہا ہے جی میں تو وہ نازنین نازک مزاج
اب کہاں سے لائیے دل چوٹ کہاں کے لئے
بعد محشر کیا یہ بت بیکار ہی رہ جائیں گے
اک نہ اک فتنہ ہے لازم ہر زمانے کے لئے
زاہد صد سالہ آیا میکدے میں بھول کر
لا شراب کہنہ ساقی اس پرانے کے لئے
قتل دشمن کا نہیں مشکل بہت آسان ہے
چاہئے اک دوست مجھ سا دل بڑھانے کے لئے
چار حرف آرزوے دل ہیں یوں مختصر
گر بڑھاؤں میں تو قصہ ہے بڑھانے کیلئے
تم سے بچ کر اک وفا جسے میں اپنی آ گئی
تم نے خوبی کونسی چھوڑی زمانے کے لئے
آ گیا کچھ یاد دل بھر آیا آنسو گر پڑے

ہم نہ روئے تھے تمہارے مسکرانے کے لئے

کثرت غم سے مرے دل میں جگہ ملتی نہیں

عیش رستہ ڈھونڈھتا پھرتا ہے آنے کے لئے

مر گئے تو مر گئے ہم عشق میں ناصح کو کیا

موت آنے کے لئے ہے جان جانے کے لئے

ان کی چتوں سے عیاں ہی چاہتا ہے ان کا دل

رشک لیلیٰ ہم بنیں مجنوں بنانے کے لئے

داغ جنگ کو سدہارا کب اسے کوچے میں ہے

دور جائے پاؤں اپنے کیوں تھکانے کے لئے

بے مثل کیا اس بت کافر کو خدا نے

سمجھے کہ نہ سمجھے کوئی مانے کہ نہ مانے

مایوس ہوئے ہم تو ہوئے غیر بھی ناکام

معمور کیا باب قبول اپنی دعا نے

اے حشر کچھ انصاف بھی ہو گا کہ نہ ہو گا

بے فائدہ آیا ہے جو سوتوں کو جگانے

اس باغ میں ہے رنگ شہادت ہی کی رونق

جو گل نے رکھا منہ پہ وہی دل میں حنا نے

جب دل میں تمہارے ہی میں نہیں گھر تو کہاں گھر

کیا پوچھتے ہو خانہ خرابوں کے ٹھکانے

انداز کیے دیتے ہیں کشتی کے تمہارے

لوٹا ہے اسی ناز نے مارا ہے ادا نے

مرتے ہیں ترے کوچے میں پامال محبت

گھر دیکھ لیا گلشن جنت میں قضا نے

اوڑتے ترے ٹکڑے مرے دامن کی طرح سے

اے چرخ تجھے چھوڑ دیا دست دعا نے

مے خانہ ہے اور داغ ہے اور نشہ مے ہے

یہ شیشہ نہیں کہ وہ جس میں پری ہے
فقط دل میں حسرت ہی حسرت بھری ہے
کہا تجھ کو سودائے زلف پری ہے
یہ اٹھتی نہیں ایسی تہمت دھری ہے
اشارے ان آنکھوں کے جان بخش ٹھہرے
یہ اعجاز ہے یا کہ افسوں گری ہے
نہ آگے گئی اس سے وہ خشم خود بین
مگر آئینہ حد اسکندری ہے
اسے دیکھ کر دل میں قائل ہے ناصح
مگر بات کیا ہے سخن پروری ہے
ہوئی طور بے طور الفت میں دل کے
قضا اک نہ اک روز آگے دھری ہے
گوارا نہیں دل کیش رکت بھی ہم کو
محبت میں یہاں یاں تک طبیعت بھری ہے
کہاں اس میں تیری سی محشر خرامی
لتاڑا ہوا تیرا کبک دری ہے
صبا بن گئی چور بادے چمن میں
کہ غنچے کی مٹھی جو زر سے بھری ہے
دلاسہ بھی دیتے نہیں عاشقوں کو

یہ کیا دل ہی وہی ہے یہ کیا دلبری ہے

ملا داغ سے آج وہ ماہ پیکر

مبارک قرآن مہ و مشتری ہے

278

سر وہ سر ہے کہ جو دلدار کے در تک پہنچے

دل وہ آئینہ ہے جو اس کی نظر تک پہنچے

ناتوانی نے رکھا ان سے شب وعدہ جدا

ہم چلے شام سے رستہ تو سحر تک پہنچے

دل کو تھاموں کہ تری بزم میں آنسو پونچھوں

ہاتھ جب دل سے اٹھے دیدۂ تر تک پہنچے

شعبدے چال نے تیری تری آنکھوں کو سکھائے

فتنے رفتار سے اٹھ اٹھ کے نظر تک پہنچے

دونوں ہاتھوں سے کیا ذبح مجھے قاتل نے

جب بھی کہتا ہے دکھی دو دوپہر تک پہنچے

اس کے ہمراہ گیا ہے دل پر رنج و ملال

یا الٰہی وہ سلامت کہیں گھر تک پہنچے

زلف آہستہ جھٹکیے گی مرا جی ڈرتا ہے

دیکھیے ہاتھ کا جھٹکا نہ کمر تک پہنچے

پس دیوار چمن رکھ دے قفس اے صیاد

میں نہ پہنچوں مرا نالہ گل تر تک پہنچے

کس طرح لے گا بلائیں کوئی آسودۂ خاک

کچھ نہ پہنچے تری گیسو جو کمر تک پہنچے
آ لپٹ جا مرے سینے سے کہ اے بحر جمال
کبھی ٹھنڈک بھی تو عاشق کی جگر تک پہنچے
شوق ہے داد خدا ذوق ہے امداد خدا
داغ کیونکر نہ شہ جن و بشر تک پہنچے

279

جانا تھا کہ ہے موت ہی آرام جدائی
واں تیرگی گور ہوئی شام جدائی
حسرت ہے کہ جو شخص پئے وصل ہو مشتاق
دے نامہ برآ کر اسے پیغام جدائی
پاس اپنے تو سرمایہ الفت ہے تو یہ ہے
اک درہم داغ جگر انعام جدائی
ہے عالم دوری میں بڑا لطف تصور
اس واسطے ہوں بندۂ بیدام جدائی
مل جائے کوئی عاشق دیرینہ تو پوچھوں
کس طرح بسر کرتے ہیں ایام جدائی
معشوق تو کیا تجھ سے حذر کرتے ہیں عاشق
اے داغ ترا نام ہے پیغام جدائی

قطعہ

کل داغ سے پوچھا یہ کسی نے کہ بتا تو

کیا حال ہے اے بسمل صمصام جدائی
سرشار ہے کیوں بادۂ اندوہ میں غافل
گردوں نے پلایا تجھے کیا جام جدائی
آنکھوں سے برستے ہیں در اشک تمنا
سینہ ہے ترا مخزن آلام جدائی
آنکھوں سے برستے ہیں در اشک تمنا
سینہ ہے ترا مخزن آلام جدائی
کیوں دل پہ ہاتھ ہے کیوں چشم ہے پرنم
ہے تجھ سے جدا کونسا آرام جدائی
آغاز جدائی کو جداہٗ نہ سمجھ تو
ہونا ہے وصال ایک دن ایام جدائی
ہاں صبر ہے درکار کہ اس عربدہ جو پر
حسرت نہ کھلے وصل کی ہنگام جدائی
یہ سن کے کہا ہائے نہ پوچھو یہ نہ پوچھو
کچھ اور کرو ذکر نہ لو نام جدائی
کیا صدمہ قلق کیا ہے کہاں کا غم ہجراں
ہے رنج کا مذکور نہ یاں نام جدائی
احباب کہ تھے واقف اسرار محبت
جھنجھلائے کہ او مورد الزام جدائی
ہم پوچھ کے احوال خلا وار ہی ٹھہرے
گویا کہ دیا ہم نے یہ پیغام جدائی
اک نالہ کیا مرغ گرفتار کی صورت

مطلع یہ پڑھا اس نے تہ دام جدائی
اللہ نہ دے گردش ایام جدائی
کم صبح قیامت سے نہیں شام جدائی

280

گھٹ کے یوں خواہش دل شام و سحر بڑھتی ہے
جس طرح ہو کے قلم شاخ شجر بڑھتی ہے
قطع امید سے امید مگر بڑھتی ہے
کہ ادھر گھٹتی ہے الفت تو ادھر بڑھتی ہے
تول میزان نظر میں دشمن و دوست
کس طرف کم ہے تری چاہ کدھر بڑھتی ہے
جلوۂ تابش خورشید سے گھٹتی ہے نگاہ
اس مہ حسن کی دیکھے سے نظر رہتی ہے
دیکھیے خوب گھٹا کر جو شب ہجراں کو
روز محشر سے یہ دو چار پہر بڑھتی ہے
چشم قاتل کو مگر سنگ فشاں ہے سرمہ
اور بھی برش شمشیر نظر بڑھتی ہے
یہ نہ ہو گا کہ تجھے اس کہ عوض دوں پہ بھی
دل فقط بوسے کی قیمت ہے جگر بڑھتی ہے
اس قدر بھی جو نہ ہوتی تو نہ ہوتی ثابت
زلف کی تار سے کچھ ان کی کمر بڑھتی ہے
کوئی سفاک میں بے خوف چلا ہے دیکھو

گھر سے یہ داغ بھی کمبخت مگر بڑھتی ہے

صبر آنا تو محبت میں بہت مشکل ہے

موت بھی تو نہیں اس کو یہ وہ کافر دل ہے

ہجر ہے آفت جان وصل بلائے دل ہے

آدمی کے لئے ہر طرح غرض مشکل ہے

شمع چپ آئینہ حیران ہے عاشق ششدر

واہ کیا عالم تصویر تری محفل ہے

ہم نے جو راز کہ خلوت میں کہا تھا اس سے

آج افشا وہ رقیبوں میں سر محفل ہے

تجھ کو اے قیس ہے کیوں ناقہ و محمل کی تلاش

دل میں لیلیٰ ہے تیرا دل ہی تیرا محمل ہے

حشر کے دن تو ملو گے یہ کیا میں نے سوال

سوچ کر دیر میں ظالم نے کہا مشکل ہے

جمع ہیں کہ کس قدر آشفتہ خدا خیر کرے

اس کی ہر ہر شکن زلف میں اک اک دل ہے

وہ زمانہ ہی گیا آپ کی دلجوئی کا

کہ تلاشیں تھیں زمانے میں کہیں بھی دل ہے

صفحہ دہر پہ یہ ہستی موہوم مگر

حرف بھی تو ہے غلط نقش ہے تو باطل ہے

اے غم یار کوئی اپنا ٹھکانا کر لے

دل تو پر درد ہے تو درد کے کیوں شامل ہے
ہم کو قسمت نے دیا داغ تمنا اے داغ
وہ ہی ملتا ہے جس انعام کے جو قابل ہے

282

ہوں تو دیوانہ مگر خالی نہیں تدبیر سے
میں نے باندھا ہے جنوں کو حلقہ زنجیر سے
مجرمان عشق کو کیا خوف ہے تعزیر سے
کٹ سکا کب رشتہ الفت تری شمشیر سے
بچ کے کویں چلتا ہے خاک عاشق دلگیر سے
آدمی اکسیر کا بنتا ہے اس اکسیر سے
گر تری وحشت زدہ کچھ بھی ہلائیں ہاتھ پاؤں
شور محشر چیخ اٹھے نالہ زنجیر سے
جب چھٹا واں شت سے ناوک چلا پہلوئے دل
یہ شکار اوڑ کر لپٹ جاتا ہے نوک تیر سے
سورۂ یوسف سنوں کیا کان دہر کر واعظو
کان اس نے بھر دیئے ہیں لذت تقریر سے
ہر خطا وار آپ کے احسان کا مارا مر گیا
عفو کرنا جرم کا بڑھ کر ہوا تقدیر سے
ظلم ہے آزاد پر پابندی مقصود بھی
کتنا بچ بچ کر گیا نالہ مرا تاثیر سے
سمجھے نامے کو مرے کاتب وہ فرط قہر میں

کچھ عجب انداز کی تقریر تھی تحریر سے
یہ نئی صورت کی پہنائیں جنوں نے بیڑیاں
پڑ گئے تار گریباں پاؤں میں زنجیر سے
کیا کریں کچھ بس نہیں تیرے لئے اے روز وصل
عمر تھوڑی مانگ لیتے آسمان پیر سے
طبع نازک میں تلون اس قدر کاہے کو تھا
یہ اوڑیا رنگ میری رنگ کی تعبیر سے
ہو کے بسمل اس تن بے جس کو جنبش ہو گئی
آ گیا دم مجھ میں گویا برش شمشیر سے
شکر ہے اے دل کہ ان کو غصہ آ کر رہ گیا
آ لیا تھا موت نے بچ گئے تقدیر سے
کس قدر ہے داغ مہر و لطف کا دنیا میں کال
مر گئے عشاق تو اس قحط عالمگیر سے

چارہ گر ہم ہوش میں آئیں گے کیا تدبیر سے
عقل دیوانی نہیں باندھیں جسے زنجیر سے
بڑھ گئی وحشت زیادہ چارۂ و تدبیر سے
اور دونے پاؤں اپنے کھل گئے زنجیر سے
جب لڑی ہیں وہ نگاہیں عاشق دلگیر سے
چھِد گئی ہیں برچھیاں سی کھب گئے ہیں تیر سے
فکر ہے لکھیں گے کس پر نامہ اعمال خلق

کونسا کاغذ بچا یہاں شوق کی تحریر سے
تو نے رکھا ہے کہاں کا ہم کو اے جوش جنوں
جائیں گے کس گھر نکل کر خانہ زنجیر سے
کچھ توقع کچھ یقیں کچھ یاس کچھ وہم و گماں
انتظار یار کی ہے کیفیت تاخیر سے
ہے کلام لطف میں بھی اک طرح کی نوک جھونک
میٹھی چھریاں چلتی ہیں شیرینی تقریر سے
بے قراری کا برا ہو منفعل قاتل سے ہوں
اک جگہ ٹھہرا نہ میں بچ بچ گیا ہر تیر سے
پڑ گئی کیونکر الہٰی دل میں اس بت کی گرہ
بچ رہا تھا کونسا عقدہ مری تقدیر سے
ہے قم عیسیٰ صدا قاتل کی مجھ کو وقت ذبح
جان آ جاتی ہے ہر دم نعرۂ تکبیر سے
ہر سخن میں گرچہ سو پہلو بچاتا ہوں مگر
آرزوئیں ٹپکی پڑتی ہیں مری تقریر سے
گر رسائی چاہتی ہے اور تو اپنا عروج
اے دل مل جا کسی اونچی ہوئی تقدیر سے
داغ جلنے کے لئے کافی ہے اس کی بزم میں
کاٹ ڈالے کوئی پروانے کا سر گلگیر سے

چھوڑا ہے ساتھیوں نے پس کارواں مجھے

لے جائے دیکھئے مری قسمت کہاں مجھے
شب کو نہ آئی تم تو دل بدگماں مجھے
واں لے گیا کہ موت ہے جاناں جہاں مجھے

چکر میں مثل سنگ فلاخن ہوں دیکھئے
پھینکے مرے نصیب کی گردش کہاں مجھے

کیا درد دل کہوں کہ سراپا ہوں درد مند
آتی نہیں ہے بات سوائے فغاں مجھے

پڑتی ہے ان کی آنکھ سر بزم جب کہیں
جاتے ہیں اک نگاہ پہ سو سو گماں مجھے

ہوتی نہ وہ گلی تو بہلتا نہ دل مرا
ملتا اگر زمیں کے عوض آسماں مجھے

افسانہ کہہ کے اس کو سلاؤں تمام رات
نوکر ہی رکھ لے کاش ترا پاسباں مجھے

دل خط میں رکھ دیا بھی تو کیا فائدہ ہوا
قاصد کا ہے سوال کہ دے تو زبان مجھے

اے داغ اس کے ہاتھ سے گر ہوں شہید میں
وہ موت بھی ہو زندگی جاوداں مجھے

ہر گھڑی مجھ کو قسم غیر کی دی جاتی ہے
وصل میں ان کی نئی چھیڑ چلی جاتی ہے

کبھی اقرار ہے تجھ کو کبھی انکار وصال

بات تیری نہ اٹھائی نہ دھری جاتی ہے

اللہ اللہ ری گراں باری غم بعد فنا

کہ مری خاک سے آندھی بھی دبی جاتی ہے

حشر تک شکوہَ اغیار رہے گا ظالم

آج کی آج کوئی یہ خفگی جاتی ہے

چارہ گر رکھ نہ مرے زخم جگر پر مرہم

کہ مری لذت ایذا طلبی جاتی ہے

راستے پر کبھی آنے کا نہیں ان کا مزاج

اب بھلا کوئی طبیعت کی کجی جاتی ہے

اک ترا نام کہ ہر دم ہے وظیفہ مجھ کو

اک مری بات کہ برسوں میں سنی جاتی ہے

چھیڑنا زلف پریشاں کا بلا تھا اے دل

آئی شامت تری اب کوئی گھڑی جاتی ہے

میرا چاہا نہ خدا نے کبھی چاہا اے داغ

غم تو بڑھتا ہے مگر عمر گھٹی جاتی ہے

کیا بھیڑ میکدے کی ہے در پر لگی ہوئی

پیاسیو سبیل ہے سر کوثر لگی ہوئی

یہ سن کے لو ہے اے دل مضطر لگی ہوئی

اک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی

دل کیا کھلے مرا کہ تری زلف کی طرح

مضبوط اک گرہ ہے گرہ پر لگی ہوئی
رکھے قدم سنبھل کے رہ عشق میں وہی
آگے بھی جس کو ہو کبھی ٹھوکر لگی ہوئی
یوں کون جانے درد محبت کو ناصح
وہ جانے جس کی چوٹ ہو دل پر لگی ہوئی
یا رب ہو دل کیخیر کہ بے ڈھب کچھ آجکل
ہے گھات میں نگاہ ستمگر لگی ہوئی
میرا ہی ساہو حال تمہارا بھی ناصحو
چینک تمہیں بھی عشق کی ہو گر لگی ہوئی
گر زندگی خضر و مسیحا ہوئی تو کیا
ہے موت سب کے ساتھ مقرر لگی ہوئی
کوئی عدم سے آئے نہ اس قید خانے میں
قید حیات ساتھ نہ ہو گر لگی ہوئی
بے شک ہے کچھ لگاؤ جو کرتا ہے یہ گریز
زاہد سے دخت زر ہے مقرر لگی ہوئی
ناقوس بتکدے میں تو کعبے میں ہے اذان
ہے یاد میرے دوست کی گھر گھر لگی ہوئی
وہاں گالیوں پر نہ منہ ہے ہمیشہ کھلا ہوا
یاں مہر خاموشی مرے لب پر لگی ہوئی
جب میں نے آہ کی ہے قیامت اٹھائی ہے
آواز پر ہے شورش محشر لگی ہوئی
کیا دخل بے قراری دل سے جو اک طرف

کروٹ مری رہے سر بستر لگی ہوئی

ٹھہری کبھی نہ اس صفت مژگاں کے روبرو
ہو سامنے اگر صف محشر لگی ہوئی

تھوڑی نظر گذر کے ملی ہم کو ساقیا
ہے اپنی تاک جانب ساغر لگی ہوئی

میں آشنا نہیں بت نا آشنا سے داغ
تہمت یہ مفت کی ہے مرے سر لگی ہوئی

287

کہنے دیتی نہیں کچھ منہ سے محبت تیری
لب پہ رہ جاتی ہے آ آ کے شکایت تیری

اب ترا اے دل بیتاب خدا حافظ ہے
کر چکے ہم تو محبت میں حفاظت تیری

دیکھیے کرتی ہے رسوائے زمانہ کیا کیا
مجھ کو یہ چاہ میری تجھ کو یہ صورت تیری

پوچھتے ہیں وہ مری بات تو یوں پوچھتے ہیں
کہتے ہیں کون ہے تو کیا ہے حقیقتی تیری

یاد سب کچھ ہیں مجھے ہجر کی صدمے ظالم
بھول جاتا ہوں مگر دیکھ کے صورت تیری

عدم آباد کو جاتے ہیں بشر خالی ہاتھ
مجھ کو ہے ناز کہ لے جاؤ حسرت تیری

یار غمخوار مرے حال کو سب پوچھتے ہیں

اور پھر پوچھ کے سب کہتے ہیں قسمت تیری

ہے رقیبوں کی زبان پر بھی ستم کا شکوہ

تو بھی مجبور ہے جاتی نہیں عادت تیری

کوچہ یار میں بھی جی نہیں لگتا اے داغ

دیکھیے جائے گی کس روز یہ وحشت تیری

288

وصل کی شب بھی وہی عادت پرہیز رہے

مہربانی بھی تمہاری ستم آمیز رہے

دام پھیلائے تری زلف دلاویز رہے

تیغ کھینچے ہوئے مجھ پر نگہ تیز رہے

اک اشارے میں یہ تا ملک عدم جا پہنچا

تو سن عمر کو کیا حاجب مہمیز رہے

وائے بربادی قسمت کہ گلی میں تیری

خاک ہو کر بھی رہے ہم تو ہوا تیز رہے

کون تھا گرم عنان آج کہ جو خاک مری

شوق پابوس میں گرد ستم شبدیز رہے

کوئی دیوانہ رہا کوئی رہا سودائی

بو ترے زلف کی کیا گیا نہ جنوں خیز رہے

نعمت خلد کو بھی منہ نہ لگایا اس نے

تیرے بیمار کو جو عادت پرہیز رہے

گالیاں دیتے ہو پھر عذر خطا کرتے ہو

اس سے بھی تیز ہوئی اس سے بھی یہ تیز رہے

گو کہ تیزی ہے طبیعت میں تمہاری اے داغ

بات پر سامنے ان کے نہ کبھی تیز رہے

289

کوئی کمی نہ کی تھی دل بیقرار نے

مجھ کو بچا لیا مرے پروردگار نے

پامال کر دیا فلک بد شعار نے

سیکھے ترے چلن روش روزگار نے

ایسے مزے لئے مرے پائے فگار نے

گھر دل میں کر لیا خلش نوک خار نے

سنتے تھے ایک عمر سے طوفان نوح کو

ہم کو دکھا دیا مژۂ اشکبار نے

سو حسرتیں ملیں ہیں مرے ساتھ خاک میں

مٹی بھی دی تو ان کو اسی خاکسار نے

میں نے تو جان دی تھی بہانے سے موت کے

بدنام کر دیا اسے ہر سوگوار نے

مجھ سے ہے یہ گلہ کسی وعدہ خلاف کو

جھوٹا بنا دیا ہے ترے اعتبار نے

دیکھی ہے ہم نے آج وہ ظرف وضو میں بند

جو پی کے چھوڑ دی تھی کسی بادہ خوار نے

وہ بات ہی نہیں وہ ملاقات ہی نہیں

نادان جب ابھار دیا تجھ کو چار نے

کہتے ہیں مجھ سے وصل میں کیوں تجھ کو یاد نہیں

رو رو کے پلٹ کے وہ دن گذار نے

سب بھیڑ چھٹ گئی مرے جاتے ہی حشر میں

میدان کر دیا نفس شعلہ بار نے

وہ اور مجھ کو خط میں لکھے شکوۂ رقیب

پٹی پڑھائی ہے یہ کسی ہوشیار نے

قسمیں ہزار دو نہ بتائیں گے ہم کبھی

مانگی ہے جو دعا دل امیدوار نے

غیروں کو آج بزم میں اس کی رلا دیا

بے اختیار نالہ بے اختیار نے

اے داغ ہائے داغ ہے عہد شباب کا

کیا داغ کھائے تیرے دل داغدار نے

محبت کا اثر جاتا کہاں ہے

ہمارا درد سر جاتا کہاں ہے

دل بیتاب سینے سے نکل کر

چلا ہے تو کدھر جاتا کہاں ہے

عدم کہتے ہیں اس کوچے کو اے دل

ادھر آ بے خبر جاتا کہوں ہے

کہوں کس منہ سے میں تیرے دہن ہے

جو ہوتا تو کدھر جاتا کہاں ہے

ترے جاتے ہی مر جاؤں گا ظالم
مجھے تو چھوڑ کر جاتا کہاں ہے

کہاں جاتا ہے قاصد اس کے در تک
خدا جانے کہ مر جاتا کہاں ہے

ہمارے ہاتھ سے دامن بچا کر
ارے بیداد گر جاتا کہاں ہے

تری چوری ہی سب میری نظر میں
چرا کر تو نظر جاتا کہاں ہے

اگرچہ پا شکستہ ہم ہیں اے داغ
مگر قصد سفر جاتا کہاں ہے

چلے ہو لے کے دل ہمراہ تم آنا یہاں پھر بھی
کرم کرنا ہمارے حال پر اے مہرباں پھر بھی

ابھی سمجھے نہیں تم ماجرائے دل کی کیفیت
سنائیں گے تمہیں ہم ایک دن یہ داستاں پھر بھی

عدوئے عیش ہے لیکن عدوئے جاں نہیں تجھ سا
غنیمت ہے ہزاروں دشمنوں میں آسماں پھر بھی

غش آیا ہاتھ کانپے تیغ کے ٹکڑے ہوئے آخر
کہو تو سخت جانوں کا کرو گے امتحاں پھر بھی

مرے شوق شہادت نے نہ تھکایا بازو قاتل

دہان زخمِ سے یہ شور تھا اک ہاتھ ہاں پھر بھی
نکل آیا ہے خط ہر چند تیرے روے گلگوں پر
نکلتی ہے مگر اک بات تجھ میں دلستاں پر بھی
چلا میں ہو کے خائف کوئی جاناں سے تو رستے میں
لگی کہنے قضا جاتا ہے تو آگے کہاں پھر بھی
دیئے ہیں امتحان کیا کیا کوئی انصاف سے دیکھے
رہا وہ بے مروت ہائے ہم سے بد گماں پھر بھی
تجھے ہے داغ کیا ارمان ایام گزشتہ کا
دوبارا جا کے آتی ہے کہیں عمر رواں پھر بھی

عشق کا لطف غم سے اٹھتا ہے
غم جو اٹھتا ہے ہم سے اٹھتا ہے
فتنہ ان کی قدم سے اٹھتا ہے
ہر قدم کس ستم سے اٹھتا ہے
دیکھیے کیا فساد قاصد پر
میری طرز رقم سے اٹھتا ہے
اس کی کافر نگاہ کے اٹھتے ہی
شور دیر و حرم سے اٹھتا ہے
ظلم تیرا اٹھائے جاتے ہیں
جب تک اے یار ہم سے اٹھتا ہے
کس سے اٹھتا ہے صدمہ الفت

یہ ہمارے ہی دم سے اٹھتا ہے

ہم پہ کیجئے جفا وفا آمیز

کہ ستم بھی کرم سے اٹھتا ہے

گو قیامت اٹھے مگر یہ دل

کوئی بیت الصنم سے اٹھتا ہے

گر نہ ٹھکرائے وہ تو پھر اے داغ

کون خواب عدم سے اٹھتا ہے

293

کمان تند خو کیا جانے کیا ہے

ہماری آرزو کیا جانے کیا ہے

اسے کچھ جانتے ہیں دوست تیرے

محبت کو عدو کیا جانے کیا ہے

ہمارے اور ان کے دل ہی دل میں

ہمیشہ گفتگو کیا جانے کیا ہے

ستم میں کیا تامل تجھ کو لیکن

لحاظ اے کینہ جو کیا جانے کیا ہے

بھروں کیا اس کے آگے میں دم سرد

اے وہ شعلہ خو کیا جانے کیا ہے

رواں آنکھوں سے یہ خون جگر ہے

کہ ہے دل کا لہو کیا جانے کیا ہے

قمر ہے یا کہ ہے مہر درخشاں

ترا روئے نکو کیا جانے کیا ہے
کہوں کیا تجھ سے ناصح لذت عشق
اسے کمبخت تو کیا جانے کیا ہے
جہان میں داغ نے دیکھا ہے کس کو
یہ تکتا چار سو کیا جانے کیا ہے

294

نکال اب تیر سینے سے کہ جان پر الم نکلے
جو یہ نکلے تو دل نکلے جو دل نکلے تو دم نکلے
تمنا وصل کی اک رات میں کیا اے صنم نکلے
قیامت تک یہ نکلے گر نہایت کم سے کم نکلے
خدا ہے حشر کے دن التجا تیری نہ ماؤں میں
مرے منہ سے نہیں نکلی ترے منہ سے قسم نکلے
مرے دل سے کوئی پوچھے شب فرقت کی بے تابی
یہی فریاد تھی لب پر کہ یارب جلد دم نکلے
ہوئے مغرور وہ جب آہ میری بے اثر دیکھی
کسی کا اس طرح یا رب نہ دنیا میں بھرم نکلے
مبارک ہو یہ گھر غیروں کو تم کو پاسبانوں کو
ہمارا کیا اجارہ ہے نکالا تم نے ہم نکلے
نہ اٹھے مر کے بھی ایسے ترے کوچے میں ہم بیٹھے
محبت میں اگر نکلے تو ہم ثابت قدم نکلے
نہ گذرا بے خلش یاد مژہ میں ایک دم ہم کو

کہ ڈو نشز غم دل سے جب خار الم نکلے
رہ الفت کو اک سیدھا سا رستہ ہم نے جانا تھا
مگر دیکھا تو اس رستے میں صد ہا پیچ و خم نکلے
سمجھ کر رحم دل تم کو دیا تھا ہم نے دل اپنا
مگر تم تو بلا نکلے غضب نکلے ستم نکلے
نہ نکلا دل ہی سینے سے نہ پیکان ہی جدا نکلا
اگر نکلے تو دونوں آشنا ہو کر بہم نکلے
برا ہو اس محبت کا کہ اس نے جان سے کھویا
لگا دل اس ستمگر سے اجل کا جس سے دم نکلے
دم پرسش جو دیکھا اس بت سفاک کو مضطر
صف محشر سے دل پکڑے ہوئے گھبرا کے ہم نکلے
کہیں کیا دل میں کیا آیا کہیں کیا منہ سے کیا نکلا
کبھی جو چلتے پھرتے ہم سوبیت الصنم نکلے
گئے ہیں رنج و غم اے داغ بعد مرگ ساتھ اپنے
اگر نکلے تو یہ اپنی رفیقان عدم نکلے

295

دیکھ سکتے نہیں اس بزم میں اغیار مجھے
لے چلی ہائے کہاں حسرت دیدار مجھے
ایسی باتوں سے تو بہتر ہے خموشی واعظ
کہ تری ضد نے کیا اور گنہگار مجھے
رحم آتا ہے دل زار تری حالت پر

کاش ہو جائے تری جان کا آزار مجھے
اپنے قاتل سے نہیں خون کا دعویٰ مجھ کو
بلکہ خود جرم محبت پہ ہے اقرار مجھے
ہو گئی کثرت عصیاں سے مری وہ نوبت
ہے یہ احسان ملا لیں جو گنہگار مجھے
مانگتا ہے مرے جینے کی دعائیں ظالم
جان کر جی سے خفا جان سے بیزار مجھے
بوئے ہیں تیری محبت نے ہزاروں کانٹے
دل ملا ہے کہ ملا وادی پرخار مجھے
ہم نشین تجھ سے وہ ہیں خاک کہوں خلوت میں
آج جو اس نے کہا ہے سر بازار مجھے
دل مرا لے کے وہ پچھتائے ہیں دل میں اے داغ
نظر آتی ہے پھری چشم خریدار مجھے

بلا سے نامہ کو ثابت اگر نہیں رکھتے
وہ تیرے منہ پہ تو کچھ نامہ بر نہیں رکھتے
برائیاں نہ تری یاد آئیں اس باعث
ہم اپنے حال زبوں پر نظر نہیں رکھتے
گلی میں یار کی جانا ہے جان سے جانا
جو پاؤں رکھتے ہیں وہ تن پہ سر نہیں رکھتے
پسند آئی ہمیں جب سے ان کی طرز خرام

قدم زمین پہ سر رہگزر نہیں رکھتے

ہزار حیف ہوئے بیقرار جن کے لئے

وہ ہاتھ بھی دل بیتاب پر نہیں رکھتے

جو ہو گی ہم پہ عنایت تو کیا غضب ہو گا

کہ کیا بشر سے محبت بشر نہیں رکھتے

رہا اگر نہ مجھے ہوش عشق میں نہ رہا

تمہارا دل ہی کہاں تم خبر نہیں رکھتے

بشر ہیں اہل ہوس بھی مگر یہ سوز کہاں

جگر تو رکھتے ہیں داغ جگر نہیں رکھتے

اٹھائیں ان کی ستم کس طرح سے ہم اے داغ

کہ دل میں تاب و تواں اس قدر نہیں رکھتے

297

دیئے اس بوسہ لب نے مجھے شکر کے مزے

کہا کے دشنام لئے قند مکرر کے مزے

لب شیریں سے دم ذبح کو تکبیر سنی

مجھ کو شربت ہوئے زاہر بہ خنجر کے مزے

چھیڑ کر نشتر مژگاں سے کہاں جاتے ہو

دیکھتے جاؤ ہمارے دل مضطر کے مزے

دل ترا آئے کسی پر تو یہیں ہو انصاف

عشق دنیا میں چکھا دے تجھے محشر کے مزے

کچھ پیا خون جگر دل کا لہو کچھ چاٹا

چمکتی پھرتی ہیں نگاہیں تری گھر گھر کے مزے

دل کے سناٹوں سے جنگل میں لرزتی ہے صبا

یاد آتی ہیں جو غربت میں مجھے گھر کے مزے

جستجو زہر ہے گر حاصل مطلوب نہ ہو

آب حیوان نے کیے تلخ سکندر کے مزے

باغ میں چل کے دکھا دے روش مستانہ

کبک و طاؤس اوڑالیں تری ٹھوکر کے مزے

زیست کے لطف جو کچھ خضر و مسیحا سے بچے

وہ لئے ہم نے ترے عشق میں مر مر کے مزے

جن کو ہے جان عزیز ان کو نہیں لذت عشق

خضر کیا جانے ترے برش خنجر کے مزے

جلوۂ طور تو میں کہہ نہیں سکتا زاہد

پوچھ آنکھوں سے مری اس رخ انور کے مزید

کاش یک کر رہی چھٹیں قید سے ہر روز اسیر

تجھ کو صیاد ستم گار پڑیں زر کے مزے

داغ اس چاٹ پہ ہے تشنہ لب و تشنہ دہن

کہ ملیں ساقی کوثر مے کے مزے

دوست خوش ہونے لگے دوست کے مر جانے سے

غم کا یہ کال پڑا ہے مرے غم کھانے سے

کہیں دیکھی نہ سنی ایسی تو ٹھنڈی مٹی

بجھ گیا اور بھی ناصح مرے بھڑکانے سے

وعدۂ وصل کی تکرار نے ہم کو مارا

فیصلہ خوب ہوا بات کے بڑھ جانے سے

خود فراموش کیا یاد نے تیری اچھا

رہ گئی اپنی مصیبت مجھے یاد آنے سے

یہ بھی دشمن ہی کے حصے میں سہی اے تقدیر

کام کی اس کے تصور کو یہاں آنے سے

مجرم عشق کے ارمان نرالے دیکھے

جرم کا حوصلہ بڑھتا ہے سزا پانے سے

خون بہا کی ہی عبث فکر مرے قتل کے بعد

اب دعا کیجئے کیا فائدہ گھبرانے سے

پند کو دیکھ ذرا ہاتھ تو رکھ کر دل پر

لگ گئی آگ زیادہ ترے سمجھانے سے

کیجئے فکر سخن خاک وہ دل ہی نہ رہا

داغ فرصت ہی نہیں روز کے غم کھانے سے

لگ چلی باد صبا کیا کسی مستانے سے

جھومتی آج چلی آتی ہے مے خانے سے

چور ہو جاؤں مگر جاؤں نہ مے خانے سے

عہد شیشے سے تو پیمان ہے پیمانے سے

روح کس مست کی پیاسی گئی مے خانے سے

مے اوڑی جاتی ہے ساقی ترے پیمانے سے

فکر ہے دوست کو احوال سناؤں کیونکر

ٹکڑے ہوتا ہے کلیجا مرے افسانے سے

گر پڑا ہوں نگہ مست سے چکر کھا کر

ساقیا پہلے اٹھا تو مجھے پیمانے سے

وہی وحشت ہے وہی خار وہی ویرانہ

دشت کس بات میں اچھا مرے کاشانے سے

سختیاں کھینچنے کی ہو گئی عادت مجھ کو

بت چلے آئیں نہ کھنچ کر کہیں بت خانے سے

ڈر ہے تاثیر نہ کر جائے کسی کی فریاد

کان بھر لیجئے پہلے مرے افسانے سے

دل برباد میں آباد ہوئے عشق و جنون

کوئی بستی نہیں بہتر مرے ویرانے سے

شکل ثابت نظر آتی نہیں عمامے کی

شیخ نے بدلی ہے پگڑی کسی مستانے سے

کر دیا صاف الگ دل نے ہمیں الفت میں

ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں بیگانے سے

جانشیں قیس کے سب وحشی صحرا ہو جائیں

دشت آباد نہ ہو گر ترے دیوانے سے

نگہ مست تری گر ہی پڑی دل پہ مرے

لغزش پا نہ سنبھالی گئی مستانے سے

اس کی بیداد نے چھوڑی نہیں عالم میں جگہ

نالے گھبرائے ہوئی پھرتے ہیں دیوانے سے
ایک چلو میں بہت داغ بہک اٹھتے تھے
آج سنتے ہیں نکالے گئے مے خانے سے

300

آتش شوق کو کب دل سے جدا رکھا ہے
اس لگی کو تو کلیجے سے لگا رکھا ہے
دیکھ لینے کو ترے سانس لگا رکھا ہے
ورنہ بیمار غم ہجر میں کیا رکھا ہے
نا امید ان وفا کا یونہی دل رکھتے ہیں
آپ نے خاک میں جس طرح ملا رکھا ہے
کھائی ہے وعدۂ فردا پہ قسم کیا جھٹ پٹ
آج اس حرف تسلی نے لٹا رکھا ہے
اس قدر تو ہے ترا پردہ نشیں پاس حجاب
کہ تری درد کو بھی دل میں چھپا رکھا ہے
تھی مکدر تو کدورت نے رکھا تھا برباد
صاف ہو اب تو صفائی نے مٹا رکھا ہے

قطعہ

دل گم گشتہ کی مذکور پر ایسے بگڑے
کہ بڑی دیر سے منہ تم نے بنا رکھا ہے
شانہ ہے کہ گل ہے کہ دل ہے مجھے معلوم نہیں

دیکھ لو زلف گرہ گیر میں کیا رکھا ہے

قطعہ

ستم ایجاد کا انداز ستم تو دیکھو

امتحان عشق و ہوس کا یہ بنا رکھا ہے

ہر گھڑی عاشق مضطر سے وہ ملتے ہیں شبیہ

نقشہ بگڑی ہوئی صورت کا بنا رکھا ہے

شکوۂ ہجر سے اے داغ اثر کی امید

آپ نے نام شکایت کا دعا رکھا ہے

301

رنج و قلق کا صدمہ و ایذا اٹھایئے

دل کو بٹھا کے سینے میں کیا کیا اٹھایئے

کس کس کا داغ اے ستم آرا اٹھایئے

دل کا اٹھایئے کہ جگ رکا اٹھایئے

ہم بھی جگر کو تھام لیں دل کو سنبھال لیں

تھم تھم کے رخ سے زلف چلیپا اٹھایئے

عادت نجائے گرچہ قیامت ہی کیوں نہ آئے

ملنے کے بعد پھر کوئی جھگڑا اٹھایئے

دام بلائے زلف سے باندھا ہے سلسلہ

دل چاہتا ہے پھر کوئی جھٹکا اٹھایئے

یوں خاک میں ملایئے اس شوق چشم کو

پلکوں سے اس کا نقش کفِ پا اٹھایئے

ہم بھی بھرے ہوئے ہیں کہ ہے چھیڑنے کی دیر

بہتر ہمیں نکالئے اچھا اٹھایئے

کہہ کیا کہ آپ نیم نگہ کر کے رہ گئے

جو شعبدہ اٹھایئے پورا اٹھایئے

اے ناتوانی نے دلِ بیمار الاماں

طاقت نہیں کہ دل سے تمنا اٹھایئے

الفت کا داغ تک بھی نہ دیجئے رقیب کو

دولت یہ وہ نہیں جسے بے جا اٹھایئے

انداز یہ کہ جان نہیں چھوڑنے کی آپ

تاکید یہ کرنا ہمارا اٹھایئے

ہر چند کوہ سے بھی گراں تر ہے بارِ عشق

ہمت یہ کہہ رہی ہے کہ تنہا اٹھایئے

وہ داغ دردمند جو کل تک مریض تھا

آج آ کے آپ اس کا جنازہ اٹھایئے

غیر کو اس بزم میں توقیر پھر پیدا ہوئے

دل کو میری خواہش اے تقدیر پھر پیدا ہوئی

دیکھتے ہیں وہ جو پھر پھر کر میری جانب مگر

آہ بے تاثیر میں تاثیر پھر پیدا ہوئی

جذبہ دل میں مری سستی نہیں تو کس لئے

ان کے آنے میں یہاں تاخیر پھر پیدا ہوئی

دیکھ تو قاتل مرے شوق شہادت کی کشش

گم ہوئی تھی جو تری شمشیر پھر پیدا ہوئی

بعد مجنوں دیکھ کر وحشت مری کہتی ہے خلق

اک بلا یہ زیر چرخ پیر پھر پیدا ہوئی

ہو گئی تھی گم جو اک مدت سے دل کی آرزو

سن کے تیرے پیار کی تقریر پھر پیدا ہوئی

از سر نو ہو گا پروانہ اسیر عشق داغ

موج دود شمع سے زنجیر پھر پیدا ہوئی

گالیوں میں ادا نکالی ہے

بات میں بات کیا نکالی ہے

دے کے دل فکر پیش و پس کیسی

ابتدا انتہا نکالی ہے

تم سے کیا شکوہ ہے گلہ اس سے

جس نے رسم وفا نکالی ہے

درد مندوں کو قتل کرتے ہو

واہ اچھی دوا نکالی ہے

شب غم کا گذارنا کیا تھا

گھر سے اپنی بلا نکالی ہے

نام نکلا جہاں میں پردہ نشیں

یہ کہاں کی حیا نکالی ہے

دل جو واپس طلب کیا تو کہا

یہ نئی التجا نکالی ہے

بات کیسی وہ ہو گئے ہیں خفا

منہ سے جب اف ذرا نکالی ہے

داغ معجز بیان ہے کیا کہنا

طرز سب سے جدا نکالی ہے

304

جس سے جانبر ہوں وہ تدبیر جفا کون سی ہے

موت کی کوئی بتائے تو دوا کونسی ہے

تجھ کو مشکل دل بیتاب بتا کونسی ہے

ایسی چلتی ہوئی وہ تیغ ادا کونسی ہے

خاک ہو کر کسی کوچے میں ہمیں جانا تھا

آج کیا جانے کدھر کی ہے ہوا کونسی ہے

کوچہ یار سے دیتا ہے جو واعظ تفضیل

ایسی جنت میں نرالی وہ فضا کونسی ہے

گو برا ہوں مگر اچھا ہوں کہ چاہا تم کو

میری تقصیر ہے کیا میری خطا کونسی ہے

ناز کرتے ہیں وہ ہر ناز پہ یہ کہہ کہہ کر

اس کو کہتے ہیں ادا اور ادا کونسی ہے

اف نہ کی ہم نے تہ تیغ جفا اے ظالم

اس سے بڑھ کر رہ تسلیم و رضا کونسی ہے

موت ہی زندگی ہجر اجل رشک رقیب

اور عشاق کی مرنے کو قضا کونسی ہے

کیا کہوں گا جو کہا اس نے کہا اچھا کہئے

بات اے داغ محبت کے سوا کونسی ہے

305

راز الفت کا نہ ہر اک ہم نشین سے پوچھئے

یہ ہمیں کچھ جانتے ہیں یہ ہمیں سے پوچھئے

آپ نے جو جو دیئے ہیں رنج سب کھل جائیں گے

اس دل غمگین سے اس جان حزین سے پوچھئے

میری خاموشی کا باعث پوچھئے مجھ سے نہ کچھ

یہ حقیقت اپنی چشم سرمگیں سے پوچھئے

داد کوئی دے سکے کیا اس خرام ناز کی

کیا زمین کے دم پہ بنتی ہے زمین سے پوچھئے

آپ کا حال گزشتہ میں کہوں گا ٹھیک ٹھیک

یاد ہے مجھ کو یہ افسانہ کہیں سے پوچھئے

گاہ کہتا ہوں کہ کچھ دریافت کیجئے حال دل

گاہ کہتا ہوں کہ کیا اس نکتہ چیں سے پوچھئے

ان سے پوچھئے وصل کی صورت تو فرمانے لگے

پوچھئے اس کو تو صورت آفریں سے پوچھئے

نیک و بد ہم نے زمانے کا بتایا بھی تو کیا

آپ کا جن پر یقین ہے یہ انہیں سے پوچھئے

جانتا ہے دل ہی داغ عشق کا اے داغ لطف

یہ فروغ روسیا ہے اس نگین سے پوچھئے

306

رنج صحت سے جو واقف دل شیدا ہو جائے

داغ ارمان بنے درد تمنا ہو جائے

زندہ دل خاک یہ نام تمنا ہو جائے

سخت مشکل ہے کہ مر کر کوئی پیدا ہو جائے

کچھ نہ ہو تیری محبت میں پر اتنا ہو جائے

کہ تری بدمزگی مجھ کو گوارا ہو جائے

ہوں وہ ناکام تمنا جو اجل چاہوں میں

موت آ کر مری بالیں پہ مسیحا ہو جائے

تیرے انداز وہ کافر ہیں بت ہوش ربا

آدمی کیا جو فرشتہ ہو تو شیدا ہو جائے

قابل رحم ہے اس شخص کی رسوائی بھی

پردے پردے ہی میں کمبخت جو رسوا ہو جائے

ہائے کہنا وہ کسی بت کا دم نظارہ

آنکھ بھر کر ہمیں دیکھے تو بس اندھا ہو جائے

ساتھ قاصد کے چلا ہے دل بیتاب اپنا

کہیں ایسا تو نہ ہو راہ میں جھگڑا ہو جائے

بزم میں آپ بھی ہیں دوست بھی ہیں دشمن بھی

امتحان آج جو ہونا ہے ہمارا ہو جائے

آسمان سے بھی شکایت نہ کروں میں کیا خوب

میرا چاہا تو نہ ہو آپ کا چاہا ہو جائے

دشمن جان کس نے آپ مسیحا ہی تھے

داغ رنجور کسی طرح سے اچھا ہو جائے

307

کچھ خوب نہ یہ غیرت شمشاد کریں گے

بندوں کو غلامی سے جو آزاد کریں گے

ایجاد ستم سے ہمیں برباد کریں گے

گر تیس دن ایسے ہی وہ ایجاد کریں گے

بیٹھیں گے نہ خاموش ہم اے چرخ ستم گار

تھک جائیں گے نالوں سے تو فریاد کریں گے

آباد رہیں حضرت دل ان سے یقین ہے

یہ خوب ہی مٹی مری برباد کریں گے

مانا کہ عداوت ہی سہی غیر سے لیکن

اتنی بھی نہیں آپ کہ بیداد کریں گے

نشتر رگ جان کا ہے تو کانٹا ہے جگر کا

کیا رکھ کے تجھے اے دل ناشاد کریں گے

نالوں سے مرے دیکھئے اب آئی قیامت

چھیڑا تھا کسے آپ بھی کیا یاد کریں گے

خاموش رہے وہ گلہ غیر بھی سن کر

میں نے تو یہ جانا تھا کچھ ارشاد کریں گے

گذری ہے شب وعدہ اس امید میں اے داغ

یا آئیں گے خود یا وہ مجھے یاد کریں گے

308

وصل کی عیش میں سب ہجر کا غم بھول گئے

یاد رکھنا تھا ہمیں جس کو وہ ہم بھول گئے

لکھ دیا قہر و جفا مہر و وفا کے بدلے

مہرباں آپ مگر طرز رقم بھول گئے

وعدہ وصل قیامت میں بھی ہو گا نہ وفا

واں بھی کہیے گا ترے سر کی قسم بھول گئے

کتنے بے خوف و خطر ظلم و ستم کرتے ہیں

سچ تو یہ ہے کہ خدا کو یہ صنم بھول گئے

نہ تمنا مئے ستم یاں نہ وہاں مشق جفا

وہ ہمیں بھول گئے اب انہیں ہم بھول گئے

کچھ عجب طور کٹی بے خودی شوق میں راہ

دو قدم ٹھیک چلے چار قدم بھول گئے

لکھنے بیٹھے تھے انہیں حال پریشانی کا

حرف مطلب کو اٹھاتے ہی قلم بھول گئے

میری قسمت سے پڑی کچھ غلطی روز حساب

سب کہیں کاتب اعمال رقم بھول گئے

مجھ پہ احسان کیا وعدہ فراموشی نے

اس کی عادت سے وہ انداز ستم بھول گئے

لے کے دل آپ جگر چھوڑ گئے سینے میں

اک رقم یاد رہی ایک رقم بھول گئے

برش تیغ فنا میں بھی عجب لذت ہے

زندگانی کے مزے اہل عدم بھول گئے

عشق کی راہ میں جب کافر و دیندار آء

سب کے سب داغ وہ دیر حرم بھول گئے

کل تک تو دام زلف میں سو دل ربا کیے

بھول آئے چھینک اٹھے کہیں آج کیا کیے

کچھ کم نہ تھی خرام سے گردش نگاہ کی

بیٹھے رہے وہ تو بھی تو فتنے اٹھا کیے

تعزیر دے کے آپ نے عادت بگاڑ دی

دل مانتا نہیں کہ رہوں بے خطا کیے

مدت پیام بر کو بنایا ہے قصہ خواں

برسوں ترا جواب ہم اسے سنا کیے

ہاں جذب شوق لا اسے بے پردہ کھینچ کر

جاتا ہے کوئی منہ کو چھپائے حیا کیے

پہنچے کسی طرح سے نہ تا منزل مراد

بازو میں پر لا کے ہم اکثر اڑا کیے

رکھا تھا دل میں ہم نے کہ جانے نہ پائیں گے

وہ خواب میں رقیب سے چھپ کر ملا کیے

بگڑے جو ذکر غیر پہ ہم اس نے دھر لیا

کوئی جواب جب نہ بن آیا بنا کیے

اے داغ ہم نے ہاتھ دعا سے اٹھا لیا

تقدیر کا ملے گا بغیر التجا کیے

310

بہم دشمن بھی یکجا ہوں تو الفت ہو ہی جاتی ہے

یہ ہے مل بیٹھنا ایسا محبت ہو ہی جاتی ہے

مصیبت گر کسی پر ہو مصیبت کا ہی خوگر ہو

اگر کیسا ہے مضطر ہو قناعت ہو ہی جاتی ہے

حیات گر منہ چھپاتی ہے ادا پر وہ اٹھاتی ہے

یہ شوخی کب بٹھاتی ہے قیامت ہو ہی جاتی ہے

پرورش کوئی ایسا ہو کہ اس پر دم نکلتا ہو

جو ثابت عشق اعدا ہو تو نفرت ہو ہی جاتی ہے

تجھے کب صبر اے بدخو کہوں کچھ گر کسی پہلو

ابھی قابو سے بے قابو طبیعت ہو ہی جاتی ہے

بھرا ہے رنج کا دفتر رکے کیونکر دل مضطر

جفا سے یار کی اکثر شکایت ہو ہی جاتی ہے

نبھی ہے عمر بھر کس کی یہ ہے دل کی غلط فہمی

عداوت کیا نہیں ہوتی عداوت ہو جاتی ہے

ہوا کیا وصل سے حاصل حیا ہے درمیان حائل

ہمارے واسطے نازل مصیبت ہو ہی جاتی ہے
نہ کہہ تو داغ کو ناداں سمجھ تو وہ بھی ہے انسان
کہ ان باتوں سے اے نادان کدورت ہو ہی جاتی ہے

311

وہ نگہ راہ پر نہیں آتی
نظر آتی نظر نہیں آتی

دلبروں پر طبیعت آتی ہے
اس طرح اس قدر نہیں آتی

کوچہ یار ہی میں بیٹھ رہے
او قیامت ادھر نہیں آتی

حسن مجرم رہا کہ عشق رہا
غیب کی کچھ خبر نہیں آتی

کیا رکی اس نگاہ شوخ کی چوٹ
آتے جاتے نظر نہیں آتی

گو طبیعت ہے اس کی ہرجائی
پر مری راہ پر نہیں آتی

قتل پر اپنے باندھ دیتے ہم
ہاتھ ان کے کمر نہیں آتی

دل کے لینے کی گھات ہے کچھ اور
یہ تجھے مفت بر نہیں آتی

حال معلوم ہے قیامت کا

بات کہنے میں پر نہیں آتی
آتے آتی تھی یاد بھی تیری
اب کبھی بھول کر نہیں آتی
مرگ عاشق ہے کس قدر آسان
نوبت چارہ گر نہیں آتی
حضرت دل اور دن سے حال کہیں
موت کہہ کر مگر نہیں آتی
گل ہرے ہو گئے چمن میں داغ
تجھ پہ رونق مگر نہیں آتی

یوں مٹا جیسے کہ دہلی سے گمان دہلی
تھا مرا نام و نشان نام و نشان دہلی
لے گئے لوٹ کے اب شوکت و شان دہلی
پوربی پہلے اڑاتے تھے زبان دہلی
دلی والوں کے لئے تازہ بنے گی جنت
لے گئے سر پہ ملک تحفہ مکان دہلی
رشک شمشاد تھا ہر خوش قدر ہر خوش رفتار
سرو آزاد تھا ہر ایک جوان دہلی
عارض صاف تھا ہر ایک مصفا بازار
چشم پر جلوہ تھی ایک ایک دکان دہلی
گرم ہنگامہ ہوئے لالہ رخان پنجاب

گل کھلائے ہیں نئے و نے خزاں دہلی
اس سے بڑھ کر کوئی محشر میں نہیں طول حساب
بس یہی ہو گا کہ ہم اور بیان دہلی
دے دیا فوج کو انعام میں حکام نے سب
گنج قارون سے فزوں گنج نہاں دہلی
یا خدا مسجد جامع کار ہے نام بلند
کعبے والے کہیں وہ آئی اذان دہلی
آسمان پر سے بھی نوحے کی صدا آتی ہے
کیا فرشتے بھی ہوئے مرثیہ خوان دہلی
نیرو غالب و آزردہ سے پھر لوگ کہاں
داغ اب یہ ہیں غنیمت ہمہ داں دہلی

غضب ہے جس کو وہ کافر نگاہ میں رکھے
خدا نگاہ سے اس کی پناہ میں رکھے
برا ہوں میں تو مجھے رکھے اپنی پیش نظر
برے کو چاہئے انسان نگاہ میں رکھے
پہنایا ہار گلے کا پھر اس پہ یہ طرہ
کہ پھول غیر کے تم نے کلاہ میں رکھے
جو شیخ دیکھ لے اک بار کیف مے خانہ
تو بھول کر نہ قدم خانقاہ میں رکھے
اسی سے تو دل بیتاب ٹھیک رہتا ہے

جو تجھ کو باندھ کے زلف سیاہ میں رکھے

یہ فقر فاقہ کی خوبی نہیں ہے اے زاہد

کہ تئیں روضے اگر ایک ماہ میں رکھے

سر نیاز ہو اس راہ میں قدم فرسا

جبیں سے پاؤں تری جلوہ گاہ میں رکھے

تلاش دیر و حرم میں عبث نہ کیونکر ہو

ترا ظہور ہی جب اشتباہ میں رکھے

خدا کی عشق میں اے داغ بت کی یاد رہے

ثواب ہم نے ملا کر گناہ میں رکھے

314

شوخی میں ان کی چھیڑا ہے کچھ اضطراب کی

گھر کر گئی وفا کسی خانہ خراب کی

اس روئے نقاب کا جلوہ ہو انقاب

نکلی ہے رنگ رنگ سے صورت حجاب کی

جنبش میں یوں ہیں وہ لب نازک نفس کے ساتھ

جیسے ہلے نسیم سے پتی گلاب کی

غصے نے اور رنگ ترا شوخ کر دیا

اچھی بنی بگاڑ میں صورت عتاب کی

گو چپ ہی پر یہ جنبش لب کہہ رہے صاف

قاصد کے منہ میں پھرتی ہے شوخی جواب کی

تم اور آرزو مرے ملنے کی روز حشر

میں اور گفتگو ستم بے حساب کی
اے اشک ڈوب مر تری تاثیر دیکھ لی
الٹی ہنسی اوڑی مرے چشم پر آب کی
در پردہ جوش حسن نے بے پردہ کر دیا
ٹوٹی گرہ تڑاق سے بند نقاب کی
اے دل کمی کرے نہ کہیں طول مدعا
لینی ہے کل خبر مجھے روز حساب کی
پھرتا تھا چرخ دل میں کدورت بھری ہوئے
اب خاک چھان کر مری مٹی خراب کی
گو آگ مے کشی کی سزا ہے تو یا خدا
دوزخ میں ایک نہر بہا دے شراب کی
محشر میں توبہ توڑ کے میں جیت جاؤں گا
زاہد سے مجھ سے شرط ہوئی ہے ثواب کی
اے داغ آہ کی تو غضب کونسا کیا
ایسی بری لگے دل خانہ خراب کی

کیا شب ہجر مرے سر پہ بلا لاتی ہے
اپنے ہمراہ اجل کو بھی لگا لاتی ہے
نہیں معلوم کہ ہے منزل مقصود کہاں
عرش تک کی تو خبر آہ رسا لاتی ہے
ہم گرفتار ہیں خود شوق گرفتار میں

ہم کو کیا پیچ میں وہ زلف دوتا لاتی ہے

کون مرنے کو ترے کوچے میں خود آتا ہے

پر یہ بے تابی دل ہے کہ اڑا لاتی ہے

کوچہ یار میں یہ حسرت دیدار مجھے

روز لے جا کے نئے سیر دکھا لاتی ہے

پاسبانوں کو در جانوں سے اڑا کر لے جائے

خاک لاتی ہے اگر خاک صبا لاتی ہے

بت یہ کیا کرتے ہیں پامال اسے مردے کو

اپنے ہاتھوں پہ جسے خلق خدا لاتی ہے

جب کہیں جان سے میں ہو کے خفا جاتا ہوں

منتوں سے مجھے تقدیر منا لاتی ہے

مجھ کو اے داغ کئی دن سے وہ یہ کہتے ہیں

تجھ کو کمبخت یہاں تیری قضا لاتی ہے

بے درد ہیں جو درد کسی کا نہیں رکھتے

ایسے بھی ہیں یا رب کہ تمنا نہیں رکھتے

غیرت یہی کہتی ہے نہ ہو عشق میں شرکت

ہم حضرت دل کا بھی سہارا نہیں رکھتے

تم زندہ ہمیں چھوڑ کے گھر جاؤ نہ شب کو

مردے کو بھی انسان کی تنہا نہیں رکھتے

پروانہ و بلبل کو تو سب کہتے ہیں عاشق

کیا قہر ہے تم نام ہمارا نہیں رکھتے

سچ ہے کہ یونہی ڈوب گئیں اپنی وفائیں

ہم تم پہ کسی طرح کا دعویٰ نہیں رکھتے

بے باک ہو سفاک ہو جو آج ہو تم ہو

بندے ہو مگر خوف خدا کا نہیں رکھتے

اچھا ہو تو کیا جانے کرے کیا یہ برائی

ہم جان کے دل کو کبھی اچھا نہیں رکھتے

جس لطف و کرم پر مجھے امید بندھی کچھ

اخلاص وہ غیروں سے بھی ایسا نہیں رکھتے

اے داغ یہ کس کام کی مستی و جوانی

تم اس میں جو اندیشہ فردا نہیں رکھتے

تو قیامت کی چال کرتا ہے

بے چلے پائمال کرتا ہے

تجھ سے جو عرض حال کرتا ہے

سچ تو یہ ہے کمال کرتا ہے

اس کے انداز دیکھئے کیا ہوں

ناز جس کا خیال کرتا ہے

دل کو اس عاجزی سے دیتا ہوں

کوئی جانے سوال کرتا ہے

تیغ کرتی ہے خون اے قاتل

مفت تو ہاتھ لال کرتا ہے

نہیں گھٹتا یہ داغ دل یا رب
بدر کو تو ہلال کرتا ہے

یہ ستم کب نصیب ہوتے ہیں
مجھ کو ظالم نہال کرتا ہے

در دلدار تک نہیں جاتا
نامہ بر انتقال کرتا ہے

داغ سے اور مدعی الجھے
وہ تمہارا خیال کرتا ہے

مجھ سا بھی زمانے میں کوئی سوختہ جان ہے
ہے برق جہاں جو نفس شعلہ نشاں ہے

زاہد بخدا کس کو یہاں عشق بتاں ہے
پر ضد سے تری اب جو نہیں یہی ہی تو ہاں ہے

کیا بزم ستم گار میں اندیشہ جان ہے
قاصد نگہ یاس سے ہر سو نگران ہے

سنتے ہیں خوشی بھی ہے زمانے میں کوئی چیز
ہم ڈھونڈتے پھرتے ہیں کدھر ہے یہ کہاں ہے

کس شکل چھپاؤں تجھے اے راز محبت
جو دل میں نہاں ہے وہی نظروں سے عیاں ہے

رکھتی ہے دم ذبح کہیں عرض وفا پر

یہ آپ کا خنجر تو نہیں میری زبان ہے

دے مجھ کو خم بادہ مرے قد کے برابر

اے پیر مغاں وزن میں کم رطل گراں ہے

دل میں نے دیا تھا جسے دلدار سمجھ کر

کیوں تم وہی معشوق ہو یا مجھ کو گمان ہے

قاتل ترے خنجر میں نہیں مورچہ اصلا

اک اک نگہ تیز کا بسمل کے نشان ہے

واعظ وہ فضا کیا ہے زمانے سے نرالی

فردوس بھی اک باغ ہے جنت بھی مکاں ہے

شوخی بھی ہے لازم نگہ ناز و ادا میں

یہ تیر کا پیکاں ہے یہ برچھی کی سناں ہے

کیا پوچھتے ہو داغ کا تم ہم سے ٹھکانا

آوارہ سر گشتہ ہے کیا جانے کہاں ہے

سودا ہے جو دل دے کے خریدار سے الجھے

سلجھے ہوئی ہم سے نہ کبھی یار سے الجھے

آنکھوں سے لڑی گیسو خمدار سے الجھی

یہ حضرت دل روز ہے دو چار سے الجھے

ہونے نہ دیا رشک نے اظہار تمنا

ہر بات میں ہم اپنی ہی گفتار سے الجھے

الجھاؤ سے الجھا وہیں اس عشق میں یا رب

دلدار سے اٹکے تھے کہ اغیار سے الجھے

کیا سیر ہو شانے سے لڑی گر دل صد چاک

ایک ایک رفتار گرفتار سے الجھے

اٹکے تو کسی چشم فسوں ساز سے اٹکے

الجھے تو کسی طرۂ طرار سے الجھے

کیوں آنکھ لڑی کیوں ہو یہ اس دل کی حقیقت

آفت میں پھنسے مجھ سے رکے یار سے الجھے

قاتل جو ذرا آنکھ چرا جاؤں تو پھروں

تار رگ گردن تری تلوار سے الجھے

محشر میں سزا عشق کے مجرم کو کہاں ہے

معلوم ہو جو تیرے گنہگار سے الجھے

چوری سے بھی پہنچے نہ ترے گھر میں کبھی ہم

برسوں یونہی خار سر دیوار سے الجھے

کھلتے نہیں تم داغ الجھتی ہے طبیعت

اچھے کسی عیار سے مکار سے الجھے

یہ بات کیا دم رفتار ہوتی آتی ہے

کہ اپنے سائے سے تکرار ہوتی آتی ہے

شب وصال قیامت تھی جب کسی نے کہا

وہ دیکھ صبح نمودار ہوتی آتی ہے

کچھ اور تو مرے ہمراہ بس نہیں چلتا

نگاہ جانب اغیار ہوتی آتی ہے

تمہارے کوچے میں کیا تازہ گل کھلا کوئی

صبا جب آتی ہے گلزار ہوتی آتی ہے

یہ کس غضب کی ہے آمد تری خدا کی پناہ

نگاہ ناز سے تلوار ہوتی آتی ہے

ازل کے دن سے ہے مٹی خراب عاشق کی

یہ مشت خاک یونہی خوار ہوتی آتی ہے

الٰہی خیر ہو وہ خشمناک آتے ہیں

کچھ اپنے آپ ہی گفتار ہوتی آتی ہے

چرا کے بھاگ گئے دل پھر آپ پوچھتے ہیں

یہ دھوم کیا سر بازار ہوتی آتی ہے

تمھیں نے داغ نرالے نہیں اٹھائے ستم

یونہیں سلف سے مرے یار ہوتی آتی ہے

نگہ ناز جو غصے سے کبھی پھرتی ہے

دل پہ تلوار کلیجے پہ چھری پھرتی ہے

موت آتی ہے قیامت کو یہاں تک آتے

پیچھے پیچھے کسی دامن کی لگی پھرتی ہے

آئی اترائی ہوئی کسی کی گلی سے یارب

کہ نسیم سحری ہم سے اڑی پھرتی ہے

نہ دیا خواہش نے آرام آرام کہیں

مجھ کو کھینچے مری راحت طلبی پھرتی ہے

غیر کے رنج کی مجھ کو نہ خوشی کیونکر ہو

آپ کیا پھرتے ہے تقدیر مری پھرتی ہے

ہے مرے قتل سے قاتل کی خوشی کو بھی خوشی

موجیں کرتی ہیں ہونٹوں میں ہنسی پھرتی ہے

جی دھڑکتا ہے کہ میں تجھ سے کہوں یا نہ کہوں

بات اک دل میں مرے رشک پری پھرتی ہے

ہو گیا رشک تنف داغ جگر سے ایسا

آہ سوزاں مرے سینے میں جلی پھرتی ہے

داغ آوارہ کا تابوت میں لاشہ نہ رہا

ڈھونڈھتی خلق بیاباں میں پڑی پھرتی ہے

جہاں لگ گئی کارگر ہو گئی

مری آہ تیری نظر ہو گئی

ہمیں مر گئے صدمہ رشک سے

بڑی خیر اے فتنہ گر ہو گئی

بنا حلقہ زلف آغوش شوق

گرفتار ان کی کمر ہو گئی

ملے ٹھوکروں ہی میں اہل نیاز

ہماری جبیں سنگ در ہو گئی

نہ آئے محبت کے کوچے میں خضر

خدا جانے کیونکر بسر ہو گئی
ستم ہو گیا راز دل کھل گیا
چھپاتے چھپاتے خبر ہو گئی
کمی کی نہ تھی شوق نے قتل میں
ادھر ہی سے کچھ درگذر ہو گئی
فرشتے ہوں مخبر تو کیا کیجئے
یہاں بات کی واں خبر ہو گئی
وہاں جھوٹے وعدے پہ لب ہل گیا
توقع یہاں کس قدر ہو گئی
دکھا دیں گے اے دل تجھے روز حشر
کہ ساری خدائی ادھر ہو گئی
کبھی یاس ہوتی نہ اپنی امید
تغافل سے تیری مگر ہو گئی
یہاں صبح پیری سے پہلے ہی داغ
جوانی چراغ سحر ہو گئی

قول تیرا شوق میرا چاہئے
جھوٹ سچ کے واسطے کیا چاہئے
اے فلک سامان محشر ہی سہی
اپنی آنکھوں کو تماشا چاہئے
ہو سکے کیا اپنی وحشت کا علاج

تیرے کوچے میں بھی صحرا چاہیے
دل میں قاتل کی رکاوٹ ہے تو ہو
خنجر اپنے دم سے اچھا چاہیے
گر تری نظروں سے کل گر ہی پڑیں
آج تو کوئی سہارا چاہیے
کیجئے تیغ تبسم سے ہلاک
جور بھی اچھوں کا اچھا چاہیے
ہر طرف ہے تیرے بیماروں کا شور
ہر گلی میں اک مسیحا چاہیے
کیوں نہ چھائے مے کشوں کے سر پر ابر
کچھ گنہگاروں کا پردا چاہیے
تیرے جلوے کا تو کیا کہنا مگر
دیکھنے والے کو دیکھا چاہیے
کاش دے کر کچھ گرہ سے ہو نجات
تجھ کو زاہد دین و دنیا چاہیے
دل کی جانب سے تغافل کیوں ہوا
قرضداروں پر تقاضا چاہیے
وعدہ فردا پہ بھی جمتے نہیں
کہتے ہیں وہ وقت دیکھا چاہیے
کیوں نہیں دیتے تسلی داغ کو
اس سے لیجئے گر تمنا چاہیے

نگہ شوق بے اثر نہ ہوئی
تم کو پردے میں کیا نظر نہ ہوئی
ہم نے تقلید خضر کی لیکن
چلتے پھرتے بھی تو بسر نہ ہوئی
تارے گنتے ہو شام سے شب وصل
کیا کرو گے اگر سحر نہ ہوئی
دل ویراں میں غم رہا قائم
کبھی یہ شے ادھر ادھر نہ ہوئی
ماتم غیر میں تمہیں دیکھا
ورنہ یہ عید کس کے گھر نہ ہوئی
شب فرقت کے جاگنے والے
ایسے سوئے کہ پھر خبر نہ ہوئی
وائے بیگانگی طبیعت کے
کہ ادھر سے کبھی ادھر نہ ہوئی
اس نزاکت سے قول اس نے دیا
ہاتھ کی ہاتھ کو خبر نہ ہوئی
وعدہ اس نے کیا وفا نہ کیا
دل کو تسکین ہوئی مگر نہ ہوئی
حال وہ کیا جو حشر میں نہ کہا
بات وہ کیا جو وقت پر نہ ہوئی
کس کے جلوے نے کر دیا محجوب

آنکھ کے سامنے نظر نہ ہوئی
کبھی اُس سے امید الفت ہے
کبھی یہ فکر ہے اگر نہ ہوئی
عشق میں ذوق اپنا اپنا ہے
دل میں کیفیت جگر نہ ہوئی
ہے بہت طول مدعا افسوس
ساری دنیا پیامبر نہ ہوئی
نہیں معلوم کس کے دل میں رہے
کبھی ظاہر تری کمر نہ ہوئی
غیر محفوظ ہے ہر آفت سے
شدنی بھی تو عمر بھر نہ ہوئی
نہیں سرکار عشق پہ الزام
میں برا تھا مری بسر نہ ہوئی
خاک مے خانہ تھی اسی قابل
یہ زمین آسمان پہ نہ ہوئی
دل سے باتیں رہیں بہت شب غم
بات کرنے میں بھی سحر نہ ہوئی
دل جلے دفن ہو گئے جس میں
ابر سے وہ زمین تر نہ ہوئی
کیا تلوں مزاج ہو اے داغ
چار دن بھی کہیں بسر نہ ہوئی

مجھے اے اہل کعبہ یاد کیا مے خانہ آتا ہے

ادھر دیوانہ جاتا ہے ادھر مستانہ آتا ہے

نہ دل میں غیر آتا ہے نہ صاحب خانہ آتا ہے

نظر چاروں طرف ویرانہ ہے ویرانہ آتا ہے

تڑپتا لوٹتا اوڑتا جو بے تابانہ آتا ہے

یہ مرغ نامہ بر آتا ہے یا پروانہ آتا ہے

مرے مژگاں سے آنسو پوچھتا ہے کس لئے ناصح

ٹپک پڑتا ہے خود جو اس شجر میں دانہ آتا ہے

یہ آمد ہے کہ آفت ہے نگہ کچھ ہے اور کچھ ہے

الٰہی خیر مجھ سے آشنا بیگانہ آتا ہے

وہ نازک ہیں تو کیا اپنے سے خنجر پھر نہیں سکتا

تجھے کچھ ننگ بھی اے ہمت مردانہ آتا ہے

ترا کوچہ ہے وہ دار الشفاء بیمار وحشت کو

پری آتی ہے بن جاتا ہے جو دیوانہ آتا ہے

دم تقریر نالے حلق میں چھریاں چبھوتے ہیں

زباں تک ٹکڑے ہو ہو کر مرا افسانہ آتا ہے

رخ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے یں

ادھر جاتا ہے دیکھیں یا ادھر پروانہ آتا ہے

جگر تک آتے آتے سو جگہ گرتا ہوا آیا

ترا تیر نظر آتا ہے یا مستانہ آتا ہے

کبھی چلنا کبھی رکنا کبھی ماننا کبھی کھینچنا

ترے خنجر کو ہر انداز معشوقانہ آتا ہے

وہ شوخی شرارت بے حیائی فتنہ پردازی

تجھے کچھ اور بھی اے نرگس مستانہ آتا ہے

سکندر آئینے سے جام سے جم خوش نہ ہو اتنا

کوئی مے کش کو دیکھے ہاتھ جب پیانہ آتا ہے

بھرے کچھ آنکھ میں آنسو پڑے کچھ حلق میں چھالے

قفس میں یہ میسر مجھ کو آب و دانہ آتا ہے

وہی جھگڑا ہے فرقت کا وہی قصہ ہے الفت کا

تجھے اے داغ کوئی اور بھی افسانہ آتا ہے

کس طرح ظاہر کروں حسرت جو کمنوں دل میں ہے

جس طرح غنچے میں بو ہے آرزو یوں دل میں ہے

دعوت مژگاں کروں مہمانی پیکاں کروں

آہ میں کیا کیا کروں اک قطرۂ خون دل میں ہے

یا تو ایسی تمکنت یا ہم سے وحشت اس قدر

یا جنوں سر میں ہو یا کوئی مجنوں دل میں ہے

دیکھتے رہ جاؤ گے گر کوئی لٹکا چل گیا

جو تمہاری آنکھ میں ہے یاں وہ افسوں دل میں ہے

کیا کریں گے اہل محشر میرے داغوں کا شمار

عشق کی دولت ہے گویا گنج قارون دل میں ہے

آرزوئے عیش سے کیا ہو جو قسمت میں نہ ہو

جو نہیں ہے تجھ میں وہ اے بخت واژوں دل میں ہے
اس محبت کا برا ہو ایک کو راحت نہیں
دل مکدر سینے میں ہے جان محزون دل میں ہے
کس مصیبت میں پڑا ہوں میں دم تحریر شوق
وہ سما سکتا نہیں خط میں جو مضمون دل میں ہے
ہاں مدد اے جوش وحشت چل کے گر پڑتا ہے داغ
خار صحرا پاؤں میں ہے شوق ہاموں دل میں ہے

کچھ تو لی زلف نے کچھ شب نے سیاہی تیری
بٹ گئی بخت سیہ خوب تباہی تیری
دم اظہار محبت ٹھہرائے نالہ دل
الٹی ہو جائے نہ کمبخت گواہی تیری
یوں تو اے ابر پتا بھی نہیں ملتا تیرا
توبہ کرتی ہے جھلکتی ہے سیاہی تیری
جب کہی دار پہ منصور نے اپنی ہی کہی
میں نے تا روز جزا بات نباہی تیری
عمر بھر تو نے بھلائی کبھی چاہی تیری
جیتے جی میں نے برائی کبھی چاہی تیری
دونوں ہاتھوں سے جگر تھام لیا ناصح نے
میں نے فریاد جو کی داد جو چاہی تیری
ڈرتے ڈرتے وہ مرا حال طبیعت کہنا

پردے پردے میں وہ دزدیدہ نگاہی تیری
ناصحا کہدے محبت میں خدا لگتی کچھ
مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری
نظر آئی نہ مجھے بعد فنا شکل عذاب
اتنی گہری تو ہو قبر سیاہی تیری
سچ تو یہ ہے کہ برا حال برا ہوتا ہے
غیر نے مجھ سے کہا ہائے تباہی تیری
ہم نے داغ اے سفارش میں کمی کونسی کی
پر برائی تری تقدیر نے چاہی تیری

صبر کیا آئے مجھے سانس بہ مشکل آئے
تو تو انسان ہے پتھر پہ اگر دل آئے
کس قدر تھی نگہ شوق کو قاتل کی تلاش
جب نظر مجھ کو فرشتے دم بسمل میں آئے
ہائے وہ جان بچانے کا زمانہ نہ رہا
اب تو اس بات کا رونا ہے کہیں دل آئے
خواب میں بھی کبھی تنہا نہیں دیکھا تم کو
دل میں بھی آئے تو اغیار کے شامل آئے
غیر معشوق ہو تجھ سا بھی تو الفت نہ کروں
ایسا آتا ہے تو مجھ پہ ہی مرا دل آئے
اس نزاکت پہ گئی غیر کے گھر چین سے تم

ہم اگر آپ میں آئے تو بمشکل آئے
مل گئے راہ میں مجھ کو یہ بڑی خیر ہوئی
لوگ جو دیکھ کے شب کو تری محفل آئے
کیا کہیں کس سے کہیں جا کے وہاں کیا گذری
یار کہتے ہیں مبارک ہو تمہیں مل آئے
جس کو ہو داغ بہت حسن و شجاعت پہ غرور
میرے نواب بہادر کے مقابل آئے

329

سنبھال کر کوئی لے جائے اس کی پاس مجھے
بٹھائے دیتی ہے اک اک قدم پہ یاس مجھے
بٹھا کے بزم میں اپنی سبک نہ کر اتنا
نہ لے اوڑیں کہیں ظالم مرے حواس مجھے
وہ چشم مست جو گلشن میں گل سے لڑتی ہے
اشارہ کرتی ہے بلبل کہ اک گلاس مجھے
وہ شب کو نشے میں جھجکے جو عکس کا کل سے
بلا بلا کے بٹھاتے تھے اپنے پاس مجھے
غضب میں آ گئے جنت کے رہنے والے بھی
اداس ہو گئے سب دیکھ کر اداس مجھے
رقیب سے سر محفل کلام ہوتے ہیں
سمجھ لیا ہے ستمگر نے بد حواس مجھے
دیا ہے زہر مرے چارہ گر نے تنگ آ کر

دوا تو خوب ملی ہے جو آئے راس مجھے
بنا دیا غم فرقت نے سنگدل ایسا
کہ موت سے نہیں آتی کبھی ہراس مجھے
صنم پرست کو اے داغ شیخ کیا سمجھے
جو برہمن ہو وہ جانے خدا شناس سمجھے

330

کون غمخوار الٰہی شب غم ہوتا ہے
اب تو پہلو میں مری درد بھی کم ہوتا ہے
کیفیت خاص ہے گویا مری مجبوری کی
حال جو یار کا ہنگام قسم ہوتا ہے
کس تبسم سے ملی جاتی ہیں آنکھیں دیکھو
کس مسرت سے مری موت کا غم ہوتا ہے
رشک ہے اپنے خط شوق پہ مجھ کو کہ وہاں
وہ ہے مضمون مرے دشمن کو رقم ہوت اہے
غیر کا دل کہیں تلووں کے تلے تو نے ملا
فتنہ ہر ایک ترا نقش قدم ہوتا ہے
حشرت میں پوچھتے پھرتے ہیں وہ ایک ایک سے
یاں کہیں بھی کسی عاشق پہ ستم ہوتا ہے
یاد آ جاتے ہیں جب زخم محبت کے مزے
شربت خضر بھی حق میں مرے سم ہوتا ہے
خانہ غیر کی زیبائش و آرائش کیا

سوچ لیجئے کیا دوزخ بھی ارم ہوتا ہے

رہ گیا چھیڑ کے میں قصہ غم جب یہ سنا

داغ اس سر کی قسم مجھ کو الم ہوتا ہے

331

چوٹ دل کی وہیں ابھر آئی

جب ہنسی آئی آنکھ بھر آئی

جا شب ہجر وہ سحر آئی

تو ہی جانے گی پھر اگر آئی

آئینہ کیوں ہوا جمال ترا

اپنی صورت مجھے نظر آئی

صبح سے تم کو آ رہی ہے ہنسی

خواب میں کس کے چشم تر آئی

تھی شب وصل کس قدر کوتاہ

شام گذری کہ بس سحر آئی

اب کہاں تک سناؤں قصہ غیر

میری آنکھوں میں نیند بھر آئی

تم سے تو واسطہ ہی کچھ نہ رہا

اب طبیعت رقیب پر آئی

میری مرقد پہ مجھ سے کہتے ہیں

کیوں تجھے نیند اس قدر آئی

صدمہ پہنچا جگر کا دل تک داغ

ایک کی چوٹ ایک پہ آئی

332

مطلب کی تم سنو تو ذرا کوئی کچھ کہے
جب بھی سنے خفا ہو تو کیا کوئی کچھ کہے
سوچا جواب کیا مرے حاضر جواب نے
تاکید ہے کہ روز جزا کوئی کچھ کہے
ہم آپ چھیڑ چھیڑ کے کھاتے ہیں گالیاں
کانوں کو پڑ گیا ہے مزا کوئی کچھ کہے
بندے ہیں ہم تو عشق کے اے شیخ و برہمن
پروا نہیں ہمیں بخدا کوئی کچھ کہے
کمبخت نامراد تو مدت سے ہے خطاب
جی چاہتا ہے اس سے سوا کوئی کچھ کہے
ناصح کہی سنی پہ ہمارا نہیں عمل
جو جی میں آ گیا وہ کوئی کچھ کہے
اے داغ اس کی بزم میں ہم گل کھلائیں گے
اس کا ہے انتظار ذرا کوئی کچھ کہے

333

مرے کوچے میں وہ کن شوخیوں سے جا بجا ٹھہرے
بڑھے بڑھ کر تھمے دم بھر چلے چل کر ذرا ٹھہرے
تغافل کی نہ ٹھہرے آج قاتل فیصلہ ٹھہرے

نہیں تلوار تو فقرہ کوئی چلتا ہوا ٹھہرے

تسلی دل کی جو دیتی ہیں کیسے لوگ ہیں یا رب
جگر ہی جب نہ ٹھہرے تو جگر پر ہاتھ کیا ٹھہرے

مسیح و خضر گو یکتا ہیں دونوں ہم تو جب جانیں
جو دل گرتا ہوا سنبھلے جو دم جاتا ہوا ٹھہرے

اڑا جاتا ہے مطلب کیا لکھوں میں خط میں اے قاصد
پریشانی ٹھہرنے دی تو دل میں مدعا ٹھہرے

بہار بے خزاں دیکھی ہے کب تو نے دکھا دیں ہم
جو اس کی طبع میں اے باغباں رنگ وفا ٹھہرے

گلہ جور و ستم کا حشر میں پھر عشق کا دعویٰ
مرا ذمہ ترے آگے جو کوئی بے خطا ٹھہرے

مری افتادگی نے آسماں پر مجھ کو پہنچایا
زمیں پر وہ نہ ٹھہرے جو تمہاری خاک پا ٹھہرے

وہی انسان ویرا ہے اس کے ہم تو قائل ہیں
بھلوں میں جو بھلا ٹھہرے بروں میں جو برا ٹھہرے

مزا چکھا نہیں دنیا کا زاہد تو نے دنیا میں
کبھی تو بادہ نوشی کی بھی اے مرد خدا ٹھہرے

صبا تجھ کو تو غنچے چٹکیوں ہی میں اڑا دیتے
جو نکہت خود ہو آوارا تو ٹھہرے سے کیا ٹھہرے

ابھی سامان آہ و نالہ فریاد پیچھے ہے
قدم آتے نہ رکھے عرش اعلیٰ پر دعا ٹھہرے

تری آنکھیں ہیں اس نے تاک لیں اپنے ٹھہرنے کو

ٹھہرتی ہے اگر تو چشم دشمن میں حیا ٹھہرے

متاع شوق بھی ہے مایہ الفت بھی رکھتے ہیں

اگر لیجئے تو کچھ سودا ہمارا آپ کا ٹھہرے

شب وعدہ جب ان سے شکوۂ تاخیر کرتا ہوں

تو کہتے ہیں کہ ہم انسان کیا ٹھہرے ہوا ٹھہرے

رہا روز جزا کے بعد کا غم مجھ کو حشر میں

کہ دن کو تو یہ ٹھہرے رات کو کیا جانے کیا ٹھہرے

قسم ہے اس کی یہ مرضی نہیں اے داور محشر

کہ مجرم داغ ٹھہرے اور دشمن بے خطا ٹھہرے

شوق دیدار و فکر سر بھی ہے

اب ادھر بھی ہے دل ادھر بھی ہے

تجھ کو عشاق پر نظر بھی ہے

مرتے جیتوں کی کچھ خبر بھی ہے

قتل کر چارہ گر جو صحت ہو

سر اگر ہے تو درد سر بھی ہے

چشم سفاک اس طرف بھی نگاہ

دل کے پہلو ہی میں جگر بھی ہے

کیا کروں برق ہے جو تو اے آہ

تجھ میں کمبخت کچھ اثر بھی ہے

اس کے انداز سن لئے قاصد

عشوہ گر ہے تو فتنہ گر بھی ہے
لکھ کے خط پوچھتا پھرا گھر گھر
کوئی دنیا میں نامہ بر بھی ہے
کیسے گھبرائے وہ جو میں نے کہا
لٹ گیا دل مرا خبر بھی ہے
دولت وصل بے وصال کہاں
نفع کے ساتھ ہے ضرر بھی ہے
دل ہمارا طریق الفت میں
راہزن بھی ہے راہبر بھی ہے
تو ہے اے داغ اور کوچہ یار
خانہ آباد تیرا گھر بھی ہے

کون تسنیم کے چھینٹوں پہ عبث شادر ہے
کچھ کمی یاں بھی نہیں میکدہ آباد رہے
طبع آزاد اگر ہو قد آزاد کے ساتھ
ایک ہی پاؤں سے گلگشت میں شمشاد رہے
عکس رخسار سے بن جائے مصور تصویر
دیکھ لے تجھ کو تو بہزار نہ بہزاد رہے
اس کے پھندے میں پھنسے دیکھیے کیونکر نکلیں
جو نہ آزاد رکھے اور نہ آزاد رہے
کوئی پہلو تو رہے کہہ کے پلٹ جانے کا

آنکھ سے وہ نہ رہے لب سے جوار شاد رہے

ہوں وہ ناکام تمنا جو اثر ہاتھ پھر آئے

مجھ سے دامن میں چھپائے مری فریاد رہے

ان سے شہرت نہ تھی مجھ سے طبیعت نہ رکے

جانے والے نہ کبھی اے دل ناشاد رہے

خلد میں بھی نہ لگا دل ترے دیوانوں کا

یاں رہے واں رہے ویراں رہے برباد رہے

رنج وہ رنج ہے جس میں نہ بتوں کو بھولیں

عیش وہ عیش ہے جس میں نہ خدا یاد رہے

داغ آزاد منش وہ ہے کہ اے بندہ نواز

آپ کا بندہ رہے اور پھر آزاد رہے

یار کا پاس نزاکت دل ناشاد رہے

نالہ رکتا ہوا تھمتی ہوئی فریاد رہے

کئی گھڑی چین سے تو اے ستم ایجاد رہے

تیرے سینے میں جو میرا دل ناشاد رہے

وعدۂ حشر پہ کیا صبر ہو تم کہدو گے

ایسے ہنگامہ جانکاہ میں کیا یاد رہے

کوئی مشتاق شہادت نہ کہیں سر ہو جائے

بس بہت حق میں ہر اک شخص کے جالد رہے

کھو دیا عیش قفس اپنی وفاداری نے

لطف صیاد سے ہم رات دن آزاد رہے

دیکھ لی سیر حرم حضرت زاہد رخصت

آپ کا کعبہ مرا بتکدہ آباد رہے

یہ رہا عرش بس اے حوصلہ دل دیکھا

میں نہ کہتا تھا کہ سینے ہی میں فریاد ہے

خاک آیا جو مرے منہ کو کلیجا آیا

کوئی دن کاش یہ مہر لب فریاد رہے

باہم اک وعدہ فردا پہ نوشتہ ہو جائے

کہ مرے سہو کی عادت ہی مجھے یاد رہے

اس دل تنگ میں کس کس کو جگہ دوں یا رب

غم رہے دم رہے فریاد رہے یاد رہے

دل غم عشق سے دن رات گھلا جاتا ہے

کہیں محروم نہ ظالم تری بیداد رہے

تنگ آیا تو مرے منہ سے شکایت نکلی

لب پر آئی ہوئی کیونکر ستم ایجاد رہے

تم نے اے داغ محبت سے کیا ہے انکار

یہ سخن یاد رہے یاد رہے یاد رہے

منا لیتے ہیں ہر مظلوم کو وہ عذر خواہی سے

گنہگاروں کو نفرت ہو گئی ہے بے گناہی سے

جفا کے بعد وہ اچھے ڈرے قہر الہٰی سے

مجھے کہتے ہیں جلدی تو نہ کیجئے داد خواہی سے

نہ اٹھیں کوچہ قاتل سے لاشیں ناتواں کی

فلک تنکے ہی چنوائے نسیم صبح گاہی سے

شہادت دشمنوں کی تنگ ہے شوق شہادتوں کو

مرا محضر بنائیں دوست اپنی ہی گواہی سے

سیہ کاری سے میرے کاتب اعمال حیران ہیں

کہ اس کا نامہ اعمال لکھیں کس سیاہی سے

نہ دھو آب وضو سے داغ پیشانی کو اے زاہد

ارے نادان یہ دھبا مٹے گا روسیاہی سے

گر انبار محبت و فن ہیں زیر زمین اکثر

الٰہی کس طرح یہ بوجھ اٹھا پشت ماہی سے

سراسیمہ پریشان مضطرب آشفتہ و حیران

مرا قاصد تو آیا لیکن آیا کس تباہی سے

شہ درویش خونے لطف پایا دین و دنیا کا

یہ دولت لی گدائی سے وہ دولت بادشاہی سے

بنی ہے سرمہ چشم ملائک دیکھنا رتبہ

اور بڑی ہے گرد راہ عشق میں جو پائے راہی سے

مبارک دوستوں کو آئیں بیٹھیں بزم عشرت میں

جناب داغ اچھے ہو گئے فضل الٰہی سے

ترے وعدے کو بت حیلہ جو نہ قرار ہے نہ قیام ہے

کبھی شام ہے کبھی صبح ہے کبھی شام ہے

مرا ذکر ان سے جو آ گیا کہ جہاں میں ایک ہے با وفا

تو کہا کہ میں نہیں جانتا مرا دور ہی سے سلام ہے

رہیں کوئی دم جو لڑائیاں یونہی ان نگاہوں سے درمیان

تو ہمارے دل کا بھی مہربان کوئی پل میں قصہ تمام ہے

کبھی دیکھ تو سر رہگذر کہ تڑپتے کتنے ہیں خاک پر

نہ چل ایسی چال فتنہ گر کوئی یہ بھی طرز خرام ہے

اسے آج دیکھ کے جلوہ گر مجھے آئی قدرت حق نظر

کہ یہ شمس ہے کہ یہ ہے قمر کہ وہ حور وش لب بام ہے

وہ ستم ہے ہاتھ اٹھائے کیوں وہ کسی کا دل نہ دکھائے کیوں

کوئی اس میں مر ہی نہ جائے کیوں اسے اپنے کام سے کام ہے

ہوئیں مدتیں کہ نہیں خبر وہ کدھر ہیں اور ہیں ہم کدھر

نہ ہے نامہ بر نہ پیامبر نہ سلام ہے نہ پیام ہے

دل و دیں کا جس کو نہ پاس ہو یہی نامراد ہو دیکھ لو

جسے داغ کہتے ہیں اے بتو اسی روسیاہ کا نام ہے

خوب اب دیکھ لئے طور تمہارے ہم نے

دن مصیبت کے گذارے سو گذارے ہم نے

رہے برہم ہی تری زلف پریشاں کی طرح

کام بگڑے ہوئے ہر چند سنوارے ہم نے

جان و دل آپ سے واللہ نہیں ہم کو عزیز

جان و دل آپ کے صدقے میں اتارے ہم نے

پاس غیروں کو بٹھا کر یہ دکھایا تم نے

سر پہ دیکھے نہ تھے چلتے ہوئے آرے ہم نے

چوٹ کیا کیا نہ لگی دل پہ ہمارے لیکن

درد پر درد محبت کے سہارے ہم نے

تنگی گوشہ زنداں کے جو ہم خوگر تھے

گور میں بھی نہ کبھی پاؤں پسارے ہم نے

کچھ تو پایا ہے محبت کی مصیبت میں مزا

عیش و آرام کیے ترک جو سارے ہم نے

مطلب اے داغ نہیں دیر و حرم سے ہم کو

بستر اپنا تو کیا سب سے کنارے ہم نے

بھلا ہو پیر مغاں کا ادھر نگاہ ملے

فقیر ہیں کوئی چلو خدا کی راہ ملے

کہاں تھے رات کو ہم سے ذرا نگاہ ملے

تلاش میں ہو کہ جھوٹا کوئی گواہ ملے

قریب میکدہ مجھ کو جو خانقاہ ملے

گلے ثواب کیا کیا مرا گناہ ملے

وہ روز حشر ہے دنیا نہیں کہ راہ ملے

کہاں چھپو گے جو دو چار داد خواہ ملے

مری خرابی میں آ کر وہ چوکڑی بھولے

کہ پھر نہ خانہ خرابی کو گھر کی راہ ملے

ترا دل آئے کسی پر تو عرش ہل جائے

اثر تلاش میں ہے اس طرح کی آہ ملے

تمھارے کوچے میں ہر روز وہ قیامت ہے

کہ سایہ ڈھونڈھ رہا ہے کہیں پناہ ملے

ترا غرور سمایا ہے اس قدر دل میں

نگاہ بھی نہ ملاؤں جو بادشاہ ملے

سر برہنہ مجنوں پہ آشیاں ہے تاج

نہ رکھے سر پہ جو فغفور کی کلاہ ملے

فلک کی طرح جفائیں نہ کیجئے ہر روز

اسی کی قدر ہے نعمت جو گاہ گاہ ملے

تمھارے حسن سے کیا رتبہ ماہ کنعاں کو

وہی تو چاند جسے ڈوبنے کی چاہ ملی

سب اہل حشر جب اپنے کیے کو پائیں گے

بڑا مزا ہو جو مجھ کو مرا گناہ ملے

کروں میں عرض اگر جان کی امان پاؤں

کہوں پتے کی اگر قہر سے پناہ ملے

یہ ہے مزے کی لڑائی یہ ہے مزے کا ملاپ

کہ تجھ سے آنکھ لڑی اور پھر نگاہ ملے

ہوا ہے درد جگر سے یہ گھر مرا تاریک

کہ موت ڈھونڈھتی پھرتی ہے کوئی راہ ملے

نہ اس کو صبر نہ تاثیر کا پتا یا رب

جلا دیا ہے مجھے خاک میں یہ آہ ملے

بلا سی دعوے الفت نہ پیش کرتے ہم

ملے ہوئی ہیں جو دشمن سے وہ گواہ ملے

ٹھہر نہ آہ مری جان لے کے چلتے ہو

سفر کرے جو مسافر کی زاد راہ ملے

مثل سنی ہے کہ ملنے سے کوئی ملتا ہے

ملو تو آنکھ ملے دل ملے نگاہ ملے

قمر کو جامہ شب تو بصر کو پردۂ چشم

کئی لباس ترے نور کو سیاہ ملے

اثر کہاں سے ملے جب یہ پھوٹ ہو باہم

الگ الگ رہے دونوں نہ حرف آہ ملے

لگا کے پاؤں میں اس کے اوڑاوں قاصد کو

اگر مجھے ترے تو سن کی گرد راہ ملے

اس انقلاب میں ڈھونڈ ہو جو مشک اور کافور

تو یہ سفید ملے اور وہ سیاہ ملے

نوید بخشش عصیاں اسے سنا دینا

جو شرمسار کہیں داغ روسیاہ ملے

اے پریشانی دل حسن بھی کچھ غم میں رہے

زلف برہم کی ادا خاطر برہم میں رہے

رشک نے آگ لگا دی تپش و غم میں رہے

زم دشمن میں رہے ہم کہ جہنم میں رہے

چھین لیں حشر کے دن تم سے نہ حوریں مجھ کو

ان کو حسرت ہے کہ ہے یہ ہم کو ملے ہم میں رہے

مرگ دشمن کی دعا مانگ کے پچھتاتا ہوں

کہیں ایسا نہ ہو وہ غیر کے ماتم میں رہے

عاشق و شیفتہ و والہ و شیدا وہ ہے

رات دن لاکھ خوشی سے جو ترے غم میں رہے

واعظ ارمان کروں کیا یہ بہت مشکل ہے

آدمی بن کے کوئی جنت آدم میں رہے

غیر کا غم اسے اشکوں میں ڈبوئے رکھے

جو نزاکت سے گھڑی بھر بھی نہ شبنم میں رہے

عقدۂ بند قبا کھول دے ظالم شب وصل

یہ گرہ کاش ترے گیسو پر کم میں رہے

وعدہ وصل پہ ہر اک کو لگائے رکھئے

کہ زمانہ اسی دکھو کے میں اسی دم میں رہے

حور کے واسطے پریاں نہ چھٹیں گی زاہد

اس کی امید کہ جو دوسرے عالم میں رہے

جمع ہو تیرگی داغ جگر ہے چھٹ کر

کچھ سیاہی تر مرے دیدۂ پر نم میں رہے

نغمہ عیش سے یاد آ گئے نالے ہم کو

بزم شادی میں رہے تو بھی تو ماتم میں رہے

گردش چشم بلا شوخی رفتار غضب

ایسے چلتے ہوئے فتنے اسی عالم میں رہے

تری او تری ہوئی مہندی جو اسی ہاتھ لگے

ید بیضا کا نشان پنجہ مریم میں رہے

مجھ سے مے نوش کو پلواؤ یہ مرا ذمہ

بوند پانی کی اگر کوثر و زمزم میں نہ رہے

تیرے چھینٹوں سے فلک تازہ رہا کب یہ پھول

آگ لگ جائے گل داغ جو شبنم میں رہے

دل میں مہمان دل آزار بہت رہتے ہیں

کوئی ایسا نہیں جو دل کی طرح ہم میں رہے

مجرم عشق کو کیا حکم ہے اے داور حشر

داغ جنت میں رہے یا کہ جہنم میں رہے

ہر بات ہے شوخ فتنہ گر کی

شوخی سے مزاج میں نظر کی

تاثیر ہوئی ہے کس نظر کی

وہ آنکھ نہیں ہے نامہ بر کی

بے چین ہے جان ہر بشر کی

چٹکی ہے غضب تری نظر کی

آنا نہ شب وصال اے مرگ

مہمان ہے عمر رات بھر کی

مقبول نہ ہو دعائے عاشق

ہر دم ہے یہی دعا اثر کی
رویا ہے مجھی کو خواب میں بھی
جب آنکھ لگی ہے نوحہ گر کی
خاطر سے ترے عدو کی خاطر
گو اپنے کلاف تھی مگر کی
زانو پہ ترے رہا تھا جب سے
لیتا ہوں بلائیں اپنے سر کی
کیوں آئی صبا تری گلی میں
پھرنے والے ہزار گھر کی
کچھ کہتی ہے اپنی بدگمانی
سن لی ہے انہوں نے نامہ بر کی
سب اس کی نظر کو دیکھتے ہیں
تعریف کریں کرے مرے جگر کی
امید سزا میں رات دن میں
گنتا ہوں خطائیں عمر بھر کی
اب میرے عوض اسے سنبھالو
ملتی نہیں نبض چارہ گر کی
رہتی ہے برنگ شمع مردہ
وہ آہ کہ جان تھی اثر کی
کیا بات ہے خیر ہو الٰہی
رکھتی ہے زبان نامہ بر کی
تلوار مجھی کو ہے مری آہ

وہ بھی ظالم تری کمر کی

کچھ صبر کیے سے بن نہ آیا

یوں بھی تو بہت دنوں بسر کی

کیوں رحم نہ آئے بے کسی پر

جب مجھ سے گئی رہی کدھر کی

اے شمع ہمارا ساتھ دینا

تکلیف ہے اور دوپہر کی

انسان و ملک ہیں سب دعا گو

پھر بھی تو کمی نہیں اثر کی

اے داغ وہ لطف کیا کریں گے

احسان کیا جفا اگر کی

343

شوق میں ایک فتنہ قامت کے

ہم گلے مل گئے قیامت کے

دل میں مضمون یاس و حسرت کے

بن گئے نقش لوح تربت کے

یہ بھی احسان ہے جو وعدے ہوں

دوسرے تیسرے قیامت کے

کو نے کوسا مجھے کہ بھر دیا

ہاتھ اٹھے ہوئے ہیں خلقت کے

بتکدہ ٹوٹ کر بنے کعبہ

کارخانے ہیں اس کی قدرت کے
کچھ عدو کو تو کچھ فلک کو ملے
حصے ہو جائیں میری قسمت کے
یاد رہ جائے گی جفا تیری
دن گذر جائیں گے مصیبت کے
اس نے پوچھا مزاج کیسا ہے
رنگ اب دیکھنا طبیعت کے
اک ترے دل پہ اختیار نہیں
سب ہے قبضے میں دست قدرت کے
رشک ہے دیکھئے ستم تیرے
بعد میرے ہوں کس کی قسمت کے
وہ نزاکت سے تھم گئے چل کر
لو قدم گڑ گئے قیامت کے
ان کو لطف عدم کہاں جو غریب
ہو رہے بعد مرگ تربت کے
کان رکھ کر اگر وہ سن لیتے
بوسے لیتا لب شکایت کے
ہم ترے جور سب اٹھائیں گے
اے ستمگر علاوہ فرقت کے
دل ترا چھین کر عدو کو دیا
ہتھکنڈے ہیں یہ دست قدرت کے
آئینہ دیکھ کر یہ پھر کہئے

دو نہیں ہوتے ایک صورت کے

آئی تیشے سے یہ صدا پیہم

کوہکن کام ہیں یہ فرصت کے

اپنے بدلے رقیب کو بھیجا

یہ نئے ڈھنگ ہیں عیادت کے

داغ سا دوسرا نہ دیکھو گے

گل ہزاروں ہیں ایک صورت کے

344

وہ قیامت توڑتے ہیں پوچھ کر کیا حال ہے

پرسش دل ہے الٰہی پرسش اعمال ہے

بد نصیبی کو نکلنا اس سے اک اشکال ہے

میری ماتھے کی لکیریں کس بلا کا جال ہے

راہ میں لیتا ہے تیرے تیر کو میرا جگر

پیشوائی نام اس کا ہے یہ استقبال ہے

جم گئی ہے آنکھ کی پتلی کسی مشتاق کی

میں نہ مانوں گا کہ عارض پر تمہارے خال ہے

داغ عصیاں جذب کر لیتا ہے اشک شرم کو

دان تر ہے مرا منہ پر مرے رومال ہے

خون دل رگ رگ سے پانی کی طرح بہنے لگا

سرخ آنسو کیا پسینہ تک ہمارا لال ہے

تجھ کو اے ناصح خبر کیا عشق کے انجام کی

کوئی کاہن ہے منجم ہے کہ تو رمال ہے
تنگ آئے ہیں دل بیمار سے بیمار دار
مجھ سے بدتر پوچھنے والوں کا میرے حال ہے
پس گئے ہیں یوں تو لاکھوں گردش افلاک سے
شکل انگشت شہادت تن پہ ہر اک بال ہے
میں سراپا درد ہوں اللہ ہے اس کا گواہ
جس پہ عاشق ہے قیامت وہ ترا پامال ہے
ایک میں سو مدعی اک تم ہزاروں جاں نثار
عشق کا یہ حال دیکھا حسن کا وہ حال ہے
حضرت ناصح چلے ہیں نذر دینے یوں اسے
دل بغل میں اور خالی ہاتھ پر رومال ہے
نامہ بر ان کا تو وعدہ اور تیرا اعتبار
مکر ہے فقرہ ہے عیاری ہے دم ہے چال ہے
میں نے ان سے عرض کی آنا جنازے پر مرے
پہلے تو بولے وہ اچھا پھر کیا اشکال ہے
وہ یہ سنتی ہی رہے اور لے گئے دل چھین کر
ہم کہتے ہی رہے دیکھو پرایا مال ہے
بولتے ہو موت کے معنی پہ تم لفظ وصال
اور بھی تو اک محل پر اس کا استعمال ہے
غیر تیرے فیض سے محسود عالم ہو گیا
جس نے دیکھا بول اٹھا ہائے کیا اقبال ہے
فرض ہی کیا ہے کہ ہر مردے پہ ہوتا ہو عذاب

بلکہ ہستی سے عدم میں داغ تو خوشحال ہے

کیا تھا جرم وفا لذت سزا کے لئے

ستم کے لطف اٹھائے مزے جفا کے لئے

خدا کرے نہ کسی کا امیدوار وصال

دعائیں مانگتے ہیں ترک مدعا کے لئے

جو یہ لباس ہو تجھ سا ہی جامہ زیب بھی ہو

بنا نہ دامن محشر تری قبا کے لئے

مری خبر کو وہ آئیں تو جلد آئیں کہیں

فرشتے کہتے ہیں کیا حکم ہے قضا کے لئے

بڑا مزا ہو جو محشر میں ہم کریں شکوہ

وہ منتوں سے کہے چپ رہو خدا کے لئے

غرض جہاں سے کیا اے فلک مرے ہوتے

غریب خانہ ہے موجود ہر بلا کے لئے

اثر تو لوٹ لیا بات بات نے تیری

رہا نہ کچھ بھی مری عرض مدعا کے لئے

زبان جلائی کئے قطع ہاتھ ہونٹ سیئے

یہ بندوبست ہوئے ہیں مری دعا کے لئے

مرے مزار کو تو وہ کیا ہے تیروں سے

بہانہ یہ ہے کہ روزن کئے ہوا کے لئے

رقیب سے بھی تر برسوں میں بات کرتے ہیں

یہ فکر ہے انہیں افزائش جفا کے لئے

شریر آنکھ نگہ بے قرار چتون شوخ

تم اپنی شکل تو پیدا کرو حیا کے لئے

صفت کا رتبہ یہاں ذات سے سوا دیکھا

دعا ہے تجھ سے زیادہ تری وفا کے لئے

ملے تو حشر میں لے لوں زبان ناصح کی

عجب چیز ہے یہ طول مدعا کے لئے

کسی زمانے میں گستاخ ہم بھی تھے اب تو

زبان ہے بھر ستائش دل التجا کے لئے

نہیں ضرور کہ اس کی کوئی خطا ہی کرے

بہانہ چاہئے کیا ظلم ناروا کے لئے

نیا ستم ہے ستمگر نے قتل پر میرے

کیا ہے جمع رقیبوں کو مرحبا کے لئے

ترے کہے سے ہم اے داغ چھوڑ دیں گے عشق

خدا کے واسطے دیتا ہے کیوں خدا کے لئے

گر ایک بھی ہزار میں وہ مان جائیں گے

ہم اے پیامبر ترے قربان جائیں گے

کیجئے گا قتل ہم کو تو قربان جائیں گے

پر سر کے ساتھ آپ کے احسان جائیں گے

مجنوں کا حال سن کے پریشان ہو گئے

میرے اگر سنو گے تو اوسان جائیں گے

کافر ہو گر رقیب تو وہ حور وش چھٹے

جنت میں تو تمام مسلمان جائیں گے

روز جزا کا خوف دلایا تو یہ کہا

ان دھمکیوں کو آپ کی ہم مان جائیں گے

پروا نہیں وہ غیر کے گھر جائیں غم یہ ہے

ہمراہ ان کے سب مرے ارمان جائیں گے

ہر چند آج کل سے زیادہ ہے سادگی

تیور یہ کہہ رہے ہیں کہ مہمان جائیں گے

جائیں لباس غیر میں ہم بن کے داد خواہ

پر کیا کریں وہ حشر میں پہچان جائیں گے

تنہا وہ کیا خیال میں میرے نہ آئیں گے

دیکھوں کہاں تک ان کے نگہبان جائیں گے

میں لاکھ پہلوؤں سے کروں عرض مدعا

پہچاننے کی بات وہ پہچان جائیں گے

اے داغ ابتدائے محبت میں کیا گلہ

وہ جانتے نہیں ہیں تمہیں جان جائیں گے

یہ تو پوچھیں مرے مرقد پہ گذرنے والے

کیا گذرتی ہے تری جان پہ مرنے والے

مرحبا اے دل و دین لے کے مکرنے والے

ہاتھ کانوں پہ مرے نام سے دھرنے والے

منزل عیش نہیں ہے یہ سرائے فانی
رات کی رات ٹھہر جائیں ٹھہرنے والے

کثرت داغ محبت سے کھلا ہے گلزار
سیر کرتے ہیں مرے دل میں گذرنے والے

داغ دل داغ جگر نقش جفا نقش وفا
نہ مٹائے سے مٹیں گے یہ ابھرنے والے

غنچہ گل میں دھرا کیا ہے بتا اے بلبل
جمع ہیں چند ورق وہ بھی بکھرنے والے

رند میخوار ہی پیتے ہیں پلا کر ورنہ
اپنی دوزخ کو بھرا کرتے ہیں بھرنے والے

یہی اقرار یہی قول یہی وعدہ تھا
او دغا باز فسوں ساز مکرنے والے

مدفن اہل وفا پر یہ دعا کی اس نے
حشر کے دن بھی نہ پیدا ہوں یہ مرنے والے

آہ و فغاں سے گئے صبر و تحمل پہلے
چلنے والوں سے بھی آگے ہیں ٹھہرنے والے

چارہ گر لاکھ کا منہ خاک سے بھرنا ہے محال
مشک زخموں میں مرے بھرتے ہیں مرنے والے

گھولتا کوئی تو چوری سے ترے دل کی گرہ
ہم نے دیکھے ہی نہیں گانٹھ کترنے والے

بدگماں ہوں نظر آئی نہ ہو وہ زلف سیاہ

وہم میں ڈالتے ہیں خواب میں ڈرنے والے

آپ محشر میں بنیں قول کے سچے کیا خوب

انگلیاں اٹھیں گی وہ آئے مکرنے والے

نہ ملی روز قیامت بھی حیات جاوید

ہم نے دیکھے بہت اس شوخ پہ مرنے والے

گالیاں غیر کو دیتا ہوں سنو تو خاموش

میں بھی دیکھوں تو بڑی بات نہ کرنے والے

عمر بھر عالم ہستی میں جو معدوم رہے

حضرت خضر سے دیکھے نہیں مرنے والے

دختر رز ہے بہت تیز مزاج اے زاہد

تیرا کیا منہ ہے اسے بھرتے ہیں بھرنے والے

عمر بھر حسن خدا داد رہا کرتا ہے

دو گھڑی بعد بگڑتے ہیں سنورنے والے

داغ کہتے ہیں جنہیں دیکھئے وہ بیٹھے ہیں

آپ کی جان سے دور آپ پہ مرنے والے

دیکھتا جا ادھر او قہر سے ڈرنے والے

نیچی نظریں کئے محشر میں گذرنے والے

راہ دیکھیں گے نہ دنیا سے گذرنے والے

ہم تو جاتے ہیں ٹھہر جائیں ٹھہرنے والے

قلزم عشق سے اے خضر ہمیں خوف نہیں

بیٹھ کر تہ میں ابھرتے ہیں ابھرنے والے

اس گذرگاہ سے پہنچیں تو کہیں منزل تک

جیسے گذرے گی گذاریں گے گذرنے والے

منہ نہ پھیرا جگر و دل نے صف مژگاں سے

سچ تو یہ وہ بھی بری ہوتے ہیں مرنے والے

ہو کے لبریز نہ چھلکے گا مرا ساغر دل

میکدے سو ہوں اگر لاکھ ہوں بھرنے والے

ایک تو حسن بلا اس پہ بناوٹ آفت

گھر بگاڑیں گے ہزاروں کے سنورنے والے

کیا جہان گذران میں بھی لگے ہے گذری

مول لے جاتے ہیں غم یاں سے گذرنے والے

قتل ہوں گے ترے ہاتھوں سے خوشی اس کی ہے

آج اترائے ہوئے پھرتے ہیں مرنے والے

تیرے گیسوئے پریشان نہ کریں سودائی

سر نہ ہو جائیں کسی کے یہ بکھرنے والے

آہ کے ساتھ فلک سے یہ ندائیں آئیں

جل گئے سایہ طوبیٰ میں ٹھہرنے والے

حشر میں لطف ہو جب ان سے ہوں دو دو باتیں

وہ کہیں کون ہو تم ہم کہیں مرنے والے

کشتی نوح سے بھی کود پڑوں طوفان میں

دیں سہارا جو مجھے پار اترنے والے

خوشنوائی نے رکھا ہم کو اسیر اے صیاد

ہم سے اچھے رہے صدقے میں اترنے والے
کیا تری کاکل شبگوں کی بلائیں لیں گے

بو الہوس تیرگی بخت سے ڈرنے والے
ہے وہی قہر وہی جبر وہی کبر و غرور

بت خدا ہیں مگر انصاف نہ کرنے والے
غسل میت کی شہیدوں کو تری کیا حاجت

بے نہائے بھی نکھرتے ہیں نکھرنے والے
حضرت داغ جہاں بیٹھ گئے بیٹھ گئے

اور ہوں گے تری محفل سے ابھرنے والے

دل دے تو اس مزاج کا پروردگار دے
جو رنج کی گھڑی بھی خوشی سے گذار دے

کس طرح چین مجھ کو دل بیقرار دے
تم اختیار دو نہ خدا اختیار دے

اترے جو تن سے سر تو زہی سرفرازیاں
ایسا نہ ہو کہ وہ مجھے دل سے اتار دے

دل اس نگاہ ناز سے ہم نے لڑا دیا
آگے نصیب ہے جسے پروردگار دے

سنتے ہو داستاں مری جانتے ہو جھوٹ
ہو بات کا مزا تو خدا اعتبار دے

دل چاہتا ہے مفت ملے نقد داغ عشق

اس بد چلن کو کوئی نہ کوڑی ادھار دے

لے جاؤں جب بہشت میں اس حور وش کو میں

پہلے فرشتہ دور سے پردہ پکار دے

جنت بغیر حور کے درکار ہے مجھے

دنیا میں دیکھ لوں جو خدا مستعار دے

فرقت میں آب و دانہ ہمیں یوں حرام ہے

جس طرح منہ کو قتل کوئی روزہ دار دے

جز بے کسی نہیں ہے شب ہجر ہم نشیں

کس سے کہوں کہ کوئی اجل کو پکار دے

کیوں ناز اٹھاؤں داغ کسی پر جفا کے میں

مجھ کو اگر مزا ستم روزگار دے

شرکت غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری

غیر کی ہو کے رہے یا شب فرقت میری

دل یہ کہتا ہے بنے گی یہیں تربت میری

اک زمین ہے میری سینے میں کدورت میری

مر گیا میں تو نہ جانو کہ بلا سے چھوٹے

بندہ پرور یہ محبت ہے محبت میری

دل بری شے ہے کہ اغیار سے میں کہتا ہوں

تمہیں للہ نکالو کوئی صورت میری

میں نہ کہتا تھا کہ لے لیجئے دل گھلتا ہے

دیکھیے آپ کی غفلت ہے کہ غفلت میری

دھوم ہے زیر زمین کشتہ ناز آیا ہے

ہو گئی عید شہیدوں کو زیارت میری

اپنے سائے سے یہ کہتا ہوں کہ تو ہی ہنس بول

کچھ تو بھلے غم ہجراں میں طبیعت میری

سر سے پہلے وہ زبان کاٹ لیا کرتے ہیں

کہ خدا سے نہ کرے کوئی شکایت میری

کیا کہوں گا اگر اس بت نے کہا محشر میں

داور حشر ترے ہاتھ ہے عزت میری

خوب تقدیر کی خوبی نے کیا ہے برباد

جابجا مجھ کو لئے پھرتی ہے شہرت میری

جب تری چال کا انداز صبا میں دیکھا

پس گئی خاک مری مٹ گئی تربت میری

ناتواں دیکھ کر افسوس نہ آیا مجھ پر

وہ خفا ہیں کہ اڑائی ہے نزاکت میری

شوق کہتا ہے ابھی عرض تمنا کیجئے

دل یہ کہتا ہے کہ پڑتی نہیں ہمت میری

حشر میں تجھ سا جفا کار خدا سا منصف

دل سا انصاف طلب اور شہادت میری

کیا جدائی کا اثر ہے کہ شب تنہائی

میری تصویر سے ملتی نہیں صورت میری

جب کوئی فتنہ زمانے میں نیا اٹھتا ہے

وہ اشارے سے بتا دیتے ہیں تربت میری

اس کے کوچے سے جنازہ نہ اٹھائیں احباب
میں نہ نکلوں گا نہ نکلے گی جو حسرت میری

شوق کی چھیڑ نہ وہ آج تمنا کی خلش
بھر گئی کیا دل اغیار میں حسرت میری

بخشے جائیں گے سیہ کار بہت روز جزا
کہیں جنت میں نہ پہنچے شب فرقت میری

جس طرح تو مرے آغوش سے نکلا اے شوخ
یونہیں ہاتھوں سے نکلتی ہے طبیعت میری

قرض مل جائی گا وہ شے رمضان میں مجھ کو
حضرت شیخ جو کر لیں گے ضمانت میری

کہیں دنیا میں نہیں اس کا ٹھکانا اے داغ
چھوڑ کر مجھ کو کہاں جائے مصیبت میری

رحم آیا جو اسے دیکھ کے حالت میری
غم یہ کہتا ہے کہ اب دیکھئے فرحت میری

دوست کیوں عشق میں کرتے ہیں شکایت میری
مجھ پہ کیا زور کسی کا ہے طبیعت میری

کون جانے گا ترا چاہنے والا مجھ کو
حشر کے روز بدل جائے گی صورت میری

بے حیا ہوتے ہیں مہمان کہیں ایسے بھی

کہ نکالے سے نکلتی ہیں حسرت میری

کیا فلک ٹوٹ پڑا بعد فنا بھی مجھ پر
بیٹھی جاتی ہے دبی جاتی ہے تربت میری

عمر بھر آئینہ اس غم میں رہا چشم پر آب
کس نے سکتے میں دکھا دی اسے صورت میری

آؤ میداں میں گر غیر کی الفت ہے تمھیں
چھپ کے کیوں سیکھتے ہو طرز محبت میری

جور وہ جور تغافل وہ تغافل ان کا
دل یہ دل اور طبیعت یہ طبیعت میری

مجھ کو دو خامہ و قرطاس جو کچھ لکھ جاؤں
لکھ چکے کاتب اعمال حقیقت میری

صبح سے آج وہ تیور ہی نہیں ہیں ان کے
آئینہ دیکھ کے دیکھی ہے جو صورت میری

پھر لئے تیر و کماں کوئی چلاتا ہے
کود چھپے یا کہ چھپائے مجھے تربت میری

یوں تو برسوں نہ پلاؤں نہ پیوں اے زاہد
توبہ کرتی ہے بدل جاتی ہے نیت میری

دور بیٹھا ہوں چھپائے ہوئے بوتل خاموش
مجلس وعظ میں دیکھے کوئی خلوت میری

تم نہیں غیر سہی غیر نہیں چرخ سہی
اک نہ اک فتنہ لگا رکھتی ہے قسمت میری

بن گئی جی پہ کچھ ایسی کہ الٰہی توبہ

سانس لینے سے بگڑتی ہے طبیعت میری

پیر گردوں ہے مگر پیر مغاں اے ساقی

نہ سفارش تری منظور نہ منت میری

وہ دبے پاؤں چلیں حشر کے ڈر سے توبہ

فکر ہے چال اڑا لے نہ قیامت میری

تادم مرگ محبت میں دعائیں دوں گا

واہ کیا شے ہے سلامت ہے قسمت میری

کونسا لب ہے کہ جس پر نہیں شکوہ تیرا

کونسا دل ہے کہ جس میں نہیں حسرت میری

اپنی تصویر پہ نازاں ہو تمہارا کیا ہے

آنکھ نرگس کی دہن غنچے کا حیرت میری

موت آئی ہوئی لجائی یہ آئی نہ رکے

الاماں داغ قیامت ہے طبیعت میری

آب بقا نے گرچہ بہت روک تھام کی

پیری چلی نہ خضر علیہ السلام کی

ساقی نہ رسم ترک ہو شرب مدام کی

پہلے چھڑک زمیں پہ قاضی کے نام کی

کیا جانے خط میں کیا ہے کہ قاصد کا ہے یہ حال

پوچھے جو صبح کی تو کہے تو اس نے شام کی

جس خط پہ یہ لگائی اسی کا ملا جواب

اک مہر میرے پاس ہے دشمن کے نام کی

اللہ رے غرور کہ آئینہ دیکھ کر
اپنی بھی عکس سے ہے شکایت سلام کی

ہو گرچہ بادشاہ رقیب سیاہ رو
خالق مگر بنائے نہ صورت غلام کی

صبح شب وصال نہ جانے دیا نہیں
فرصت نہ آسمان کو ملی انتقام کی

افسانہ فراق میں گذرے شب وصال
جب صبح ہو گئی تو کہانی تمام کی

رکھنا الگ بچا کے رقیبوں سے اے فلک
آزار میرے حق کا جفا میرے نام کی

تیری ہی یاد انہیں تیرا ہی ذکر ہے
دل اپنے کام کا نہ زبان اپنے کام کی

یہ چھیڑ دیکھنا کہ دم شکوہ فراق
تائید ہو رہی ہے ہمارے کلام کی

اے داغ قتل ہو کے ملا رتبہ شہید
ہوتی ہے اب نیاز وہاں میرے نام کی

ہر ایک بے نمود کی اس سے نمود ہے
موجود ہے وہی جو عدیم الوجود ہے

کیا قبر ناتواں کی ترے بے نمود ہے
افسوس فاتحہ ہے نہ جس کی درود ہے

اس شعلہ رو کی رخ پہ جو خط کی نمود ہے
کیا آتش خلیل کا یا رب یہ دود ہے

پوشیدہ اس کا حسن ہوا کب نقاب سے
پردے میں بھی ہزار طرح کی نمود ہے

روز تحت لیں مری آہوں نے چٹکیاں
رنگ اس لئے فلک کا ازل سے کبود ہے

کیا دل دیا اگر نہ دیا جو ہر قبول
ایسے بھی ہیں کہ جن کو زیاں ہے نہ سود ہے

گو ناخن ہلال بڑھاتا رہے فلک
مشکل کس کی عقدۂ دل کی کشود ہے

اس ہاتھ نے لٹائے ہیں کس کس طرح کی گہر
مژگاں چشم تر بھی عجب دست جود ہے

توبہ کا در کھلا ہے نہ کر چھپکے مے کشی
اے شیخ یہ طریقہ شرب الیہود ہے

دھوکا نہ دو کہ پہلے عداوت تھی اب نہیں
ایسے محل میں ہوتے ہیں معنی بود ہے

وہ سر ہے سرفراز جو اے داغ تا بہ زیست
درگاہ بے نیاز میں صرف سجود ہے

354

بعد میرے کون نوید وصل یار آنے کو تھی
وہ چمن ہی مٹ گیا جس میں بہار آنے کو تھی

موت میری پاس روز انتظار آنے کو تھی
آ گئی تقدیر سے جو بے قرار آنے کو تھی

میرے مرنے کی خبر سن کر کیا مشکل سے ضبط
ان کے ہونٹوں پہ ہنسی بے اختیار آنے کو تھی

کنج مرقد میں کروں کیا اب تڑپنے کا علاج
ایک بار آئی اجل بھی ایک بار آنے کو تھی

سن کے آمدہ آمد اس کی قبر میں یہ حال تھا
عمر رفتہ پھر مرے زیر مزار آنے کو تھی

کوہکن کے پاس جاتا ہو نہ مجنوں کا غبار
ایک آندھی آج سوئے کوہسار آنے کو تھی

آسمان پھرتا رہا ہے مضطرب وعدے کی رات
کونسی مجھ تک خوشی پروردگار آنے کو تھی

صبر آتا دیکھ کر ظالم نے پھر تڑپا دیا
میرے قابو میں طبیعت اب کی بار آنے کو تھی

لوگ سمجھانے لگے یہ دن نہیں تکرار کا
گفتگو ان سے مری روز شمار آنے کو تھی

صبر و تسکین و تحمل یہ تو سب جانے کو تھے
یاد تیری دل میں اے غفلت شعار آنے کو تھی

نالہ کرتا تو قیامت تھا کہ پہلی آہ میں
آسمان پر سے فرشتوں کی پکار آنے کو تھی

غیر کا مذکور کر بیٹھے وہ کچھ یاد آ گیا
وصل میں لذت دم بوس و کنار آنے کو تھی

فتنہ محشر نے آ کر حشر برپا کر دیا
نیند آنکھوں میں مری زیر مزار آنے کو تھی

ہائے زاہد چل دیا تو بزم مے سے تشنہ کام
تیری دعوت کو شراب خوشگوار آنے کو تھی

ہے گراں جنس وفا ہے داغ کیا ہر ایک شے
اب روپے کو بھی نہیں ملتی جو چار آنے کی تھی

وہ آئے خندہ پیشانی کہیں سے
تبسم ہے عیاں چین جبیں سے

ملے کیا کوئی اس پردہ نشیں سے
چھپائے منہ جو صورت آفریں سے

شفا ہو عیسیٰ گردوں نشیں سے
ہماری بندگی پہنچے یہیں سے

کسی کا رشک حوروں کا الٰہی
نکلوا دے نہ فردوس بریں سے

شب وعدہ عدو کر اے نزاکت
قسم ٹوٹے نہ میری نازنیں سے

اسے افسانہ غم ڈرتے ڈرتے
سنایا کچھ کہیں سے کچھ کہیں سے

وہ کیوں آئے کہ طرز بے وفائی
اڑا کر لے گئے جان حزیں سے

مرے لاشے پہ اس نے مسکرا کر
ملیں آنکھیں عدو کی آستیں سے

نگاہ گرم کو جب برق جانوں
کہ مل جائے اس آہ آستیں سے

نگاہ گرم کو جب برق جانوں
کہ مل جائے اس آہ آتشیں سے

اثر تک دسترس کیونکر ہو یا رب
دعا نے ہاتھ باندھے ہیں یہیں سے

انہوں نے دل لیا ہے مفت وہ بھی
بڑی حجت سے نفرت سے نہیں سے

رہا اس میں ہمیشہ دست وحشت
گریباں کم نہیں ہے آستیں سے

بنایا تجھ کو اور ایسا بنایا
کہے کیا کوئی صورت آفریں سے

فرشتے کیا لکھیں اس کی برائی
اڑے ہیں ہوش زلف عنبریں سے

تمہیں بیداد گر اللہ کی شان
جفا کی داد میں چاہوں تمہیں سے

تمہارے گھر میں ہے اس کا ٹھکانا

گیا گذرا ہو جو دنیا و دیں سے
گئے ہیں اور یہ کہتے گئے ہیں
بہل جاؤ گے اپنے ہم نشین سے
قیامت کا تو وعدہ اس پہ انکار
کلیجا پک گیا تیری نہیں سے
عدو کی بات آیت جانتے ہو
خدا محفوظ رکھے اس یقیں سے
مری بربادیوں کی مشورت کو
فلک چھپ چھپ کے ملتا ہے زمیں سے
لگا دو تیر بھی انکار کے ساتھ
چلے گا کام کیا خالی نہیں سے
ڈھلا سارا بدن سانچے میں گویا
ذرا اترا نہیں ظالم کہیں سے
پڑا ہوں منہ لپیٹے مے کدے میں
حجاب آتا ہے مجھ کو اہل دیں سے
یہ جان ناتواں لیجے وہ دیجے
بدلتی ہیں نگاہ شرمگیں سے
الٰہی وہ زمانہ پھر دکھا دے
کہ وہ واقف نہ ہوں کچھ مہرو کیں سے
ٹپکتا ہے عرق بن بن کے آنسو
عیاں ہے گریہ قسمت جبیں سے
شب وعدہ زباں تھک تھک گئی ہے
کہاں تک قصہ خوانی ہمنشیں سے
نہیں آتا تجھے گر آئے تمنا
نکلنا سیکھ لے جان حزیں سے
ہمارے سامنے شکوہ عدو کا
ہماری گھات اے ظالم ہمیں سے
بتاؤں نام اے درباں تجھے کیا
یہ کہہ دے کوئی آیا ہے کہیں سے

مرا احمدؐ ملے محشر میں مجھ کو
کروں گا عرض رب العالمین سے
کبھی دیکھا ہے اتنا داغ کو خوش
چلے آتے ہیں یہ حضرت وہیں سے

356

وہ جو بولیں تو بات جاتی ہے
چپ رہوں میں تو رات جاتی ہے
ساتھ حوروں کے ہے شہید ترا
کیا عدم کو برات جاتی ہے
مے کے پینے سے کر تو لوں توبہ
آرزوئے نجات جاتی ہے
دل لگی کا مزا جب آتا ہے
ہستی بے ثبات جاتی ہے
نگہ یار غیر کی جانب
کوئی بے التفات جاتی ہے
خوب آتا ہے لطف آزادی
جب یہ قید حیات جاتی ہے
کیا کروں داغ وصل میں شکوہ
بات کہنے میں رات جاتی ہے

357

دل چرا کر نظر چرائی ہے
لٹ گئے لٹ گئے دہائی ہے
ایک دن مل کے پھر نہیں ملتے
کس قیامت کی یہ جدائی ہے
اے اثر کر نہ انتظار دعا
مانگنا سخت بے حیائی ہے

میں یہاں ہوں وہاں ہے دل میرا
نارسائی عجب رسائی ہے

اس طرح اہل ناز ناز کریں
بندگی ہے کہ یہ خدائی ہے

پانی پی پی کے توبہ کرتا ہوں
پارسائی سے پارسائی ہے

وعدہ کرنے کا اختیار رہا
بات کرنے میں کیا برائی ہے

کب نکلتا ہے اب جگر سے تیر
یہ بھی کیا تیری آشنائی ہے

داغ ان سے دماغ کرتے ہیں
نہیں معلوم کیا سمائی ہے

دل کی کلی نہ تجھ سے کبھی اے صبا کھلے
چمپا کھلے گلاب کھلا موتیا کھلے

بے خود شب وصال عدو میں وہ مست ہے
اب مکر چاندنی جو کھلی بھی تو کیا کھلے

جام شراب ہاتھ سے ساقی نہ رکھ دیا
جب منہ برس کے دھوپ چمن میں ذرا کھلے

ہم تو اسیر دام ہیں صیاد ہم کو کیا
گلشن میں گر بہار بہت خوشنما کھلے

نالوں سے شق ہوا نہ جگر پاسبان کا
دیوار قید خانہ مگر بار ہا کھلے

نرگس نہ اس کی آنکھ سے شرمائی باغ میں
اللہ رے ڈھٹائی کہ یہ بے حیا کھلے

مہتاب پہ گمان ہو آفتاب کا
رنگت جو تیرے نشے میں اے مہ لقا کھلے

رونا نصیب میں ہو تو ہنستا ہو کس طرح
تو شکل گل نہ بلبل خونیں نوا کھلے
بہر دعا وہ دست حنائی جو اٹھ گئے
طرفہ شفق زمین پہ روز جزا کھلے
داغ شگفتہ دل کا ذرا دیکھنا اثر
مانند غنچہ قبر بھی بعد فنا کھلے

قبر میں گر مرے ارمان سمانے پائے
تو یہ جانوں گا غریبوں نے ٹھکانے پائے
دل بے تاب مرا وہ نہ پھنسانے پائے
دو ہی جھٹکے جو ذرا زلف دو تانے پائے
پاسبان نے مرے دھوکے میں عدو کو روکا
حکم تھا ان کا وہ آئے یہ نہ آنے پائے
ہاتھا پائی ہوئی مے خانے میں زاہد سے کہیں
ہم نے تسبیح کے بکھرے ہوئے دانے پائے
چھیڑ منظور نہ ہو تجھ کو تو مژگاں تیری
دل بیتاب کو انگلی نہ لگانے پائے
جل گیا کیا مری آتش قدمی سے جنگل
چار تنکے نہ کہیں باد صبا نے پائے
ہم نے اپنا دل گم گشتہ نہ پایا کھو کر
ورنہ یہاں ڈھونڈنے والوں نے خزانے پائے
لا شب وعدہ اسے کھینچ کے اے جذبہ دل
حیلہ جو پاؤں میں مہندی نہ لگانے پائے
یہ مرے واسطے تاکید ہے دربانوں پہ
کہ اسے میں بھی بلاؤں تو نہ آنے پائے
حور کے واسطے زاہد نے عبادت کی ہے
سیر تو جب ہے کہ جنت میں نجانے پائے

شوق مٹ جائے گا کیا مرے چلے جانے سے
دل کی تدبیر کرو کچھ یہ نہ آنے پائے
تیرے مجبور کے پہلو ہی میں پائے ہم نے
سر بستر کبھی تکیے نہ سرہانے پائے
داغ کی لاش سر راہگذر ہے پامال
مرتبے خوب تمہارے شہدا نے پائے

360

ان کے خیال میں جو ذرا ہم بہل گئے
کیا رشک ہے وہ اپنے تصور سے جل گئے
سب حسرتوں کا یاس نے کھٹکا مٹا دیا
جن سے خلش تھی دل میں وہ کانٹے نکل گئے
سچ ہے پرائی آگ میں پڑتا نہیں کوئی
ہمراہ کوہ طور کے موسیٰ نہ جل گئے
ہم کیا کہیں گذرتی ہے کس طرح زندگی
دو چار یار آئے تو دم بھر بہل گئے
اب تک وہی زمین ہے وہی آسمان ہے
دو چار دن میں وہ نہ رہے تم بدل گئے
تنہا وہ جب ہوئے تو رہے محو آئینہ
ناگاہ کوئی آ جو گیا جھٹ سنبھل گئے
کیا برف ہو گیا ہے دم سرد سے بدن
دیکھی جو نبض ہاتھ طبیبوں کے گل گئے
بیزار جس سے تھے یہ وہی ہے میر جان
اب کیا ہوا کہ دیکھتے ہی تم مچل گئے
اب کیا ہے اگر کسی سے ملاتے نظر نہیں
لاکھوں ہماری آنکھ سے چلبے نکل گئے
مرتے کے ساتھ کوئی بھی مرتا نہیں کبھی
فرقت میں رفتہ رفتہ سب احباب ٹل گئے

احباب ڈھونڈتے ہیں پریشاں ہیں رفیق
کیا جانے آج داغ کدھر کو نکل گئے

361

عدم سے دیکھنے رنگ ظہور ہم آئے
ملا نہ جس کے لئے اتنے دور ہم آئے
مدینہ چھوڑ کے پھر رامپور ہم آئے
یہ کس بلا میں دل ناصبور ہم آئے
جب ان کی آنکھ میں بھولے سے شرم آتی ہے
پکارتے ہیں یہ ناز و غرور ہم آئے
لکھا تھا خط انہیں مرتے ہیں دیکھ لو آ کر
ملا جواب کہ اب تو ضرور ہم آئے
یہ بزم چھوڑ کے کیا جائیں ہم جہنم میں
ترے بلانے سے اے رشک حور ہم آئے
گئے تھے پیر خرابات کی خرابی کو
وہاں سے نشہ صہبا میں چور ہم آئے
یہ خوف اہل وطن تھا کہ دشت غربت تک
وطن سے بچتے ہوئے دور دور ہم آئے
ہزار بھیج چکے ایک نامہ پر نہ پھرا
گئے تھے کہہ کے یہ سب اب حضور ہم آئے
ہزار شکر ہمیں داغ حج نصیب ہوا
قصور وار گئے بے قصور ہم آئے

362

جس کے پہلو میں ہو تم اس کا نصیب اچھا ہے
میری دانست میں تم سے بھی رقیب اچھا ہے
مرض عشق ہی آفت ہے وگرنہ ہم نے
کی دوا اس کی سنا جس کو طبیب اچھا ہے

بیٹھے ناوک کی طرح اٹھے قیامت کی طرح

یہ ادب جس نے سکھایا وہ ادیب اچھا ہے

شہسواران رہ عشق کو پہنچا کب خضر

ہم غریبوں میں یہ بیچارہ غریب اچھا ہے

اس کے معنی تو یہی ہیں کہ ہنر مند نہیں

کیوں مجھے دیکھ کے کہتے ہیں نصیب اچھا ہے

آپ سنتے ہی نہیں ہائے مرا افسانہ

سو طلسموں میں یہ احوال عجیب اچھا ہے

اے دہن تیرے لئے حرف دعا ہی بہتر

اے زباں تیرے لئے ذکر حبیب اچھا ہے

شیخ کو تاک کے رندوں نے کہا آپس میں

مال یہ جبہ و دستار و جریب اچھا ہے

جو مصاحب ہوں وہ اس رمز کو سمجھیں اے داغ

دور رہنا ہے برا اور قریب اچھا ہے

جوش وحشت سے کروں کیا سخت مشکل گھر میں ہے

گور میں کافر کا مردہ ہے کہ یہ دل گھر میں ہے

آئینے میں عکس سے اپنے وہ لڑ جاتے مگر

بس نہیں چلتا کہ خود باہر مقابل گھر میں ہے

تنگ ہو کر اس نگاہ شوخ کو روکے حیا

اس کو آسانی سفر میں اور مشکل گھر میں ہے

جان و دل ہی نذر لے کر مجھ سے وہ راضی تو ہوں

پاس میرے کونسی شے ان کے قابل گھر میں ہے

ہر در و دیوار ہے سر پھوڑنے کے واسطے

وہ بیاباں میں نہیں جو مجھ کو حاصل گھر میں ہے

جامہ صبر و تحمل چاک ہے مثل کتان

کل سے جو مہمان رشک ماہ کامل گھر میں ہے

مضطرب اس فکر میں پھرتا ہے جاؤں یا نہیں

روز قاصد کو مرے کوسوں کی منزل گھر میں ہے

بعد میرے قتل کے ہنگامہ برپا ہو گیا

باہر انبوہ خلائق اور قاتل گھر میں ہے

پیٹھ پیچھے بادشاہ کو بھی برا کہتے ہیں لوگ

سامنے آ کر کہو تقریر باطل گھر میں ہے

در پہ آ کر جلد تم سن لو جو ہے میرا سوال

گر لگائی دیر تو جانو یہ سائل گھر میں ہے

چھوڑ کر وہ مجمع اغیار کیوں آنے لگے

روز جلسے ہیں نئی ہر روز محفل گھر میں ہے

رات بھر آتی ترے گھر سے صدا زنجیر کی

کیا کوئی دیوانہ پابند سلاسل گھر میں ہے

ذکر مجنوں سن کے لیلی نے کیا ترک سفر

نجد کے جنگل میں ناقہ اور محمل گھر میں ہے

بہر نظارہ کیا تھا ان کے دربانوں سے ربط

در کے آگے پردۂ دیوار حائل گھر میں ہے

روز گرتے ہیں در و دیوار سیل اشک سے

کیا مری خانہ خرابی میرے شامل گھر میں ہے

چھوٹتی ہے آدمی سے داغ کب حب وطن

گو نہیں ہوں میں مگر ہر دم مرا دل گھر میں ہے

364

افسوس میری قدر نہیں آسمان تجھے
تجھ سا مجھے نصیب ہے مجھ سا کہاں تجھے
ظاہر کے لطف نے یہ بڑھایا ہے اعتبار
نامہرباں بھی ہو تو کہیں مہرباں تجھے
عمر دو روزہ عیش دو روزہ نہیں ہے تو
میں چھوڑتا ہوں کوئی غم جاوداں تجھے
جھڑکی ہوئی کہیں سے نکالی ہوئی نہ ہو
پاتا ہوں آج اے شب غم مہرباں تجھے
گو داد خواہ ہوں نہیں محشر کی آرزو
اس واسطے کہ ہو نہ کوئی غم وہاں تجھے
تاثیر ہو جو عشق میں تڑپائے مثل برق
تیری فغاں رقیب کو میری فغاں تجھے
میری ہی وجہ خاص سے پایا ہے مرتبہ
یہ در کبھی نصیب نہ ہو پاسباں تجھے
بہتر ہے اس سے اے دل آزردہ اور کیا
رہ تو وہیں قرار ہو اے دل جہاں تجھے
دل کو نکال کر مرے سینے سے دیکھ لے
میں خوب جانتا ہوں ارے بدگماں تجھے
اے بے وفا نہ آئے دوبارہ کسی طرح

کس نے سکھائی چال یہ عمر رواں تجھے
وحشت میں کوچہ گرد کہاں تک رہے گا تو
اے داغ کہاں جائے گا تیرا مکان تجھے

365

دیکھ سکتے نہیں اس بزم میں ناکام مجھے
اپنے حصے کی پلاتے ہیں مے آشام مجھے
رشک کس کو ہے نہ دو مفت کا الزام مجھے
تم سے جب کام نہیں غیر سے کیا کام مجھے
لوگ جانیں گے قصور ان کا نہیں اس کا ہے
حشر میں آپ دیئے جایئے دشنام مجھے
آج بگڑے ہوئے تیور ہیں خدا خیر کرے
کہتے ہو رات بھر آیا نہیں آرام مجھے
کس کے نالوں نے جگایا ہے تمہیں ساری رات
کون تھا اس کا بتاؤ تو سہی نام مجھے
آسمان دشمن ارباب ہنر ہوتا ہے
شکر صد شکر کہ آتا نہیں کچھ کام مجھے
سخت دشوار ہوئی راہ طلب اے تقدیر
دیکھ گرتا ہوں ذرا روک مجھے تھام مجھے
کوئی صیاد ستمگر کا تغافل دیکھے
کہ پھڑکتے ہوئے دیکھ انہ تہ دام مجھے
خود فراموش کیا یاد نے تیری ایسا

اس کا احسان ہے بتا دے جو مرا نام مجھے

پوچھتا ہوں یہ نکیریں سے میں بعد فنا

یاد کرتا ہے کبھی وہ بت گلفام مجھے

داغ یہ بات وہ سن لے تو غضب ٹوٹ پڑے

کہتے پھرتے ہو بلایا ہے سر شام مجھے

366

تیرے کوچے میں جو ہم بادیدۂ تر بیٹھتے

جوش طوفان سے زمیں میں سینکڑوں گھر بیٹھتے

چارہ گر بھی ہمنشیں تھا رات کو ناصح بھی تھا

ورنہ بے تابی سے ہم کیا جانے کیا کر بیٹھتے

ہائے بے تابی شب وعدہ ترے مہجور کی

اکثر اٹھتے ہم نے دیکھا اس کو اکثر بیٹھتے

ہو گئی محفل تری کیا بے ادب بے قاعدہ

جو کھڑے رہتے تھے وہ اب ہیں برابر بیٹھتے

غیر کے ہمراہ پھرتے ہو خدائی خوار تم

عار آتی ہے ہمارے پاس دم بھر بیٹھتے

جب کیا شکوہ کہ محفل میں رہے ہم تم سے دور

اس نے جھنجھلا کر کہا کیا میرے سر پر بیٹھتے

گھر سے باہر ہی نہیں آتے وہ خلوت دوست ہو

بیٹھتے چھپ کر تو میری دل کے اندر بیٹھتے

جس کی قسمت میں ہو گردش کس طرح بیٹھے کہیں

ہم سے آورہ ترے کوچے میں کیونکر بیٹھتے
داغ تم نے کیوں کیا ہے نام وحشت کا خراب
اس سے تو بہتر یہی تھا چین سے گھر بیٹھتے

367

جب اس کے مقابل مرے داغ جگر آئے
خورشید قیامت کو بھی تارے نظر آئے
کچھ رنج کا مذکور نہ اے نامہ بر آئے
ایسا نہ ہو الزام ادھر کا ادھر آئے
وہ اپنے تصور سے یہاں پیشتر آئے
ارمان بھرے دل میں الٰہی اثر آئے
حوروں سے ملاؤں میں کسی شوخ کی صورت
دم بھر کو اگر چرخ سے جنت اتر آئے
کوئی ہو ترا شیفتہ ہو یہ نہ ہو وہ ہو
دل جائے اگر دل کی طرح سے جگر آئے
عادت ہی ہوئی رنج کو گو مرگ عدو ہو
رونے سے ہمیں کام کسی کی خبر آئے
حسن آئینہ عشق ہو عشق آئینۂ حسن
میں تجھ کو نظر آؤں مجھے تو نظر آئے
رہ رہ کے وہ پچھتائیں کہ کیوں اس کو ستایا
تھم تھم کے مری آہ میں یا رب اثر آئے
وہ کہتے ہیں فرصت نہیں ہم کو شب وعدہ

تم صبر کو اپنے ہی بلا لو اگر آئے

اس بت کی جو یاد آئی ہمیں خلد بریں میں

اف کر کے جگر تھام لیا اشک بھر آئے

میری شب غم ان کی شب وصل عدو ہے

جب یاں سحر آئے تو وہاں بھی سحر آئے

تجھ سے تو ستمگر ترے ارمان ہی اچھے

تو جا کے نہ آیا کبھی یہ عمر بھر آئے

فرصت جو ملی دفن سے پھر رنج کسے تھا

ہنستے ہوئے ساتھ ان کے مرے نوحہ گر آئے

موت آئی ہوئی ٹل بھی گئی آج تو پھر کیا

کیا عمر رواں ہے کہ نہ بارد گر آئے

کم حلقہ گیسو سے نہیں دام تصور

جانے بھی نہ دوں اس کو وہ اب کے اگر آئے

ہر دل کی طلب سے ہے غم یار پریشاں

جب ایک ہی مہماں ہو کس کس کے گھر آئے

ترسیں گے اسے بھی شب فرقت مری آنکھیں

رونا بھی جبھی تک ہے کہ خون جگر آئے

اے داغ گلہ غیر سے کیا بزم میں تم کو

جب دوست کہے آپ کے دشمن کدھر آئے

اول تو رہے دور وہ نالوں سے ہمارے

پاس آئے تو گھبرائے سوالوں سے ہمارے

یہ کہتے ہیں بلبل سے وہ گل ہاتھ میں لے کر

تو دیکھ ملا کر اسے گالوں سے ہمارے

کیا برہنہ پادشت میں لاکھوں بھی نہ ہوں گے

کانٹوں کو مگر چھیڑ ہے چھالوں سے ہمارے

اتنا تو رہے پاس کہ محشر میں کہو تم

بولے نہ کوئی چاہنے والوں سے ہمارے

ہر وقت نئی دھن ہے ہمیں تازہ تصور

جاؤ گے کہاں بچ کے خیالوں سے ہمارے

کہتے ہیں وہ آنکھیں صف مژگاں کو بڑھا کر

ہے کون جو رو کش ہو رسالوں سے ہمارے

اے داغ فلک دشمن ارباب ہنر ہے

ظاہر کو خبر ہو نہ کمالوں سے ہمارے

369

کام دور چرخ میں بگڑے ہوئے اکثر بنے

تجھ سے بن کر جب بگڑ جائے تو پھر کیونکر بنے

وصل میں بھی اس سراپا ناز سے کیونکر بنے

ہر نگہ تلوار جس کی ہر مژہ خنجر بنے

کیا خبر تجھ کو ستم کرتا ہے کیا تیرا بگاڑ

اس کے دل سے پوچھ جس کمبخت کی جی پر بنے

آرزو ہے حشر کے دن کان رکھ کر وہ سنیں

نامہ اعمال میرا شوق کا دفتر بنے
خانہ ویرانی مری منظور ہے تو اے فلک
روز بگڑے روز اس کے دل میں میرا گھر بنے
عارض روشن کی پر تو سے عجب کیا ایک دن
گر چمک کر آئینہ اقبال اسکندر بنے
دشمنوں کی جان پر کیونکر گرے یہ برق آہ
کس طرح سے آسمان میرا دل مضطر بنے
روز فردا ہو گی تیری رہگذر سے فتنہ خیز
ہر زمین کو یہ لیاقت کب ہے جو محشر بنے
درد مے سے منہ بگاڑا تو نے اے زاہد عبث
میکدہ جنت نہیں جو بادۂ اطہر بنے
رشک تو دیکھو مصور کے قلم کرتا ہے ہاتھ
اس کی صورت سے اگر تصویر بھی بہتر بنے
گو وہ منہ آیا کئے تا دیر بیٹھے تو رہے
داغ ان کی بزم میں دانستہ اکثر ہم بنے

کیا رات دن ہے فکر کسی تازہ جور کی
کہتے ہیں اپنے آپ سے نہ سنتے ہیں اور کی
کیا ناگہاں جفائیں تری یاد آ گئیں
بھولے سے اپنے حال میں جب میں نے غور کی
آزردگی جو دل سے نہ ہو تو گلہ نہیں

رنجش بھی اک ادا ہے مگر طور طور کی

اس فتنہ گر کو رحم تو کیا ضد آ گئی

جب ہم نے آہ کی تو جفا اس نے اور کی

کیفیت زمانہ جمشید دیکھ لیں

ساقی پلا شراب کہن اگلے دور کی

کہتے ہیں دیکھ کر وہ مہ مصر کی شبیہہ

اچھی ہے ایک شکل حسیں اپنے طور کی

دنیا میں ایک ایک کا معشوق ہے جدا

میں اس کا خواستگار طلب اس کو اور کی

بھر عیادت آئے تو وہ کوس کر گئے

اچھا مرا علاج کیا اچھی غور کی

معشوق آسمان تو نہیں جس سے لیں عوض

تدبیر داغ خاک کریں اس کی جور کی

نہیں رکتا جو طفل اشک گھبرا کر نکلتا ہے

الٰہی خیر گرتا ہے وہی جو دوڑ چلتا ہے

مرے زخم جگر کا بوسہ لے کر جب نکلتا ہے

لب سوفار کے غصے سے وہ چٹکی میں ملتا ہے

وہ ظالم غیر کے ہمراہ بن ٹھن کر نکلتا ہے

بن آتی بھی نہیں کچھ اور اپنا جی بھی جلتا ہے

ملے محشر میں گر مجھ کو یہ کافی ہے عذاب اس کو

کہ یا رب وہ بت کافر مرے سائے سے جلتا ہے

پڑا ہوں سنگ راہ دوست بن کر کوئی دشمن میں

سنا ہے آدمی کچھ ٹھوکریں کھا کر سنبھلتا ہے

ادھر ٹھہرے ادھر ٹھہرے اسے دیکھا اسے دیکھا

تماشا گاہ محشر میں تمہارا دل بہلتا ہے

فقط وعدے پہ دو بوسوں کے دل لے کر وہ دیتے ہیں

ہمارا بھی کچھ آتا ہے تمہارا کیا نکلتا ہے

وہ خلوت دوست ہوں گھبرا کے میں تعظیم دیتا ہوں

اگر دشمن بھی اس کی بزم میں زانو بدلتا ہے

نہیں ہوتی کسی کو بھی گوارا اپنی ناکامی

جسے تو بخش دیتا ہے جہنم اس سے جلتا ہے

ترا کوچہ ہے مشر یا ہے جنت کیا کہیں اس کو

وہ جی اٹھتا ہے جو اس راہ سے مردہ نکلتا ہے

گرہ سے نقد دل کھوتے ہیں نقد عیش کی خاطر

قمار عشق میں کیا کیا ہمارا مال گلتا ہے

جنوں نے اپنے گھر کو بھی نہ چھوڑا یہ جنوں دیکھو

تپش سے داغ سودا کی دماغ اپنا پگھلتا ہے

یہاں تک کہ تیز رو ہوں اے خصر رہ الفت میں

جو مجھ کو ضعف ٹھہرائے تو جانے کوئی چلتا ہے

جو انداز جفا کل تھا نہ دیکھا آج وہ یا رب

نیا روز اک فلک میرے ستانے کو بدلتا ہے

وہ سن کر نالہ گھبرائے تو غیروں نے تسلی دی

نہیں یہ داغ کی فریاد کوئی راہ چلتا ہے

تھک تھک کے نہ بیٹھیں گے نہ مر مر کے اٹھیں گے

اب ظلم نہ ہم سے دل مضطر کے اٹھیں گے

افسانہ غم ان کو سناؤں نہ سناؤں

ڈرتا ہوں کہ وہ خواب میں ڈر ڈر کی اٹھیں گے

چھیڑا ہے اگر تذکرۂ عشق تو سن لو

یہ قصہ تو پورا ہی بیان کر کے اٹھیں گے

دنیا ہی میں اگر پرسش مظلوم الٰہی

بت حشر میں اٹھیں گے تو پتھر کے اٹھیں گے

مے کش تو چلے جائیں گے جنت سے نکل کر

جب تک نہ مزے بادۂ و ساغر کے اٹھیں گے

بیکار ہے تقلید رہ شوق میں سچ ہے

معلوم نہ تھا پاؤں نہ رہبر کے اٹھیں گے

دیکھیں گے وہ جب ناز سے میں نالہ کروں گا

فتنے یہ برابر سے برابر کے اٹھیں گے

قاتل ترے کشتوں کا سنبھلنا نہیں آسان

وہ روز جزا بعد پھر بھر کے اٹھیں گے

ہم لطف کے بندے ہیں خدا کی قسم اے داغ

ہم سے نہ کبھی ناز ستمگر کے اٹھیں گے

نہ سمجھا عمر گذری اس بت خود سر کو سمجھاتے
پگھل کر موم ہو جاتا اگر پتھر کو سمجھاتے

ہماری کون سنتا ہے وگرنہ ہم دم رخصت
ادھر کچھ دل کو سمجھاتے ادھر دلبر کو سمجھاتے

چکھا دیتے مزا منہ پھیر کر رک رک کر چلنے کا
جو بس چلتا تو اپنے ہاتھ سے خنجر کو سمجھاتے

تری رفتار کا انداز جس میں ہو دبے کیونکر
دبا کر کس طرح ہنگامہ محشر کو سمجھاتے

ہوئے ملزم ہمیں سمجھا کر تم اے حضرت ناصح
سمجھ کر بندہ پرور ایسے دانشور کو سمجھاتے

یہ ظالم تو ہزاروں کوس ہم سے دور رہتا ہے
اگر ملتا تو کچھ ہم چرخ بد اختر کو سمجھاتے

خدا جانے کہاں سے راہ الفت میں کہاں پہنچے
جو ہوتا ہوش کچھ ہم کو تو ہم رہبر کو سمجھاتے

اگر یہ جانتے دعویٰ کریں گے بت خدائی کا
تو ہم اول ہی سے ہم کیا جانے کیا بت گر کو سمجھاتے

شب فرقت تڑپنا داغ کا دیکھا نہیں جاتا
گذر جاتی ہے ساری رات سارے گھر کو سمجھاتے

لائے گی پیچ زلف پریشاں نئے نئے

یہ سادگی دکھائیں گے سامان نئے نئے

یہ چاہتا ہے شوق خلش دل میں دمبدم

رہ جائیں ٹوٹ ٹوٹ کے پیکان نئے نئے

سودا ہے زاہدوں کو بھی اس بت کے عشق کا

ہونے لگے ہیں چاک گریباں نئے نئے

بیداد کو وہ داد کہیں ظلم کو کرم

کیا جتائے جاتے ہیں احسان نئے نئے

لاؤں کہاں سے میں تجھے اے عالم شباب

آتے ہیں یاد ہائے وہ ارمان نئے نئے

ان بدگمانیوں کا مزہ دل سے پوچھئے

مجھ کو گمان تھے شب ہجراں نئے نئے

لطف خزاں ہے اور نہ لطف بہار ہے

گلشن نئے نئے ہیں بیاباں نئے نئے

نام خدا سنبھالے ہیں قاتل نے ہاتھ پاؤں

آئیں گے زیر خنجر براں نئے نئے

گو جھوٹ جانتا ہوں مگر یہ بھی لطف ہے

ہوتے ہیں روز وعدہ و پیمان نئے نئے

واعظ ہمیں تو رنج نہیں بلکہ ہے خوشی

دیکھیں گی روز حشر ہم انسان نئے نئے

ہے ان کو وہم داغ سے یہ لوگ مل نہ جائیں

ہر روز بدلے جاتے ہیں درباں نئے نئے

اڑتی ہے خاک جبکہ ترے خاکسار کی
مشت غبار پھر نہیں سنتا سوار کی

یاں تک تو عاشقی میں لٹے ہم کہ بعد مرگ
مٹی بھی اڑ گئی ہے ہمارے مزار کی

بے چین ہو کے شوخ وہ معشوق ہو گیا
جس پر پڑی نگاہ ترے بے قرار کی

طرز جفا پسند ہے یا شیوہ وفا
دونوں میں تم نے کونسی بات اختیار کی

دشمن کی بات کا بھی تو ہونے لگا یقیں
کچھ حد نہیں رہی ہے مرے اعتبار کی

ہم کیا گئے جہاں سے آزار ہی گیا
وہ بات ہی نہیں ستم روزگار کی

شیخ حرم کو چاہئے کچھ تحفہ ہند کا
تصویر بھیج دوں گا بت میگسار کی

اس بت پر احتمال ہے تصویر کا مجھے
عادت گئی نہ وصل میں بھی انتظار کی

مجھ سے گناہ گار کو کیا کیا عطا کیا
اے داغ کیا ہے شان ہی پروردگار کی

آشفتگی کسی کی اثر کچھ تو کر گئی

بن بن کے رخ پہ زلف تمہارے بکھر گئی
کیا کہیے کس طرح سے جوانی گذر گئی

بدنام کرنے آئی تھی بدنام کر گئی
تحلِ مراد پھونک دیا آہ گرم نے

آئندہ آفرینش برگ و ثمر گئی
نیرنگ روزگار سے بدلا نہ رنگ عشق

اپنی ہمیشہ ایک طرح پر گذر گئی
صحت خدا کے ہاتھ ہے بیمار عشق کی

اپنی طرف سے تو تو نہ گر چارہ گر گئی
سجدے کو برہمن نے نہ چھوڑی کہیں جگہ

کیوں بت کدے میں خلق خدا آ کے بھر گئی
کیا کیا رہی سحر کو شب وصل کی تلاش

کہتا رہا ابھی تو یہیں تھی کدھر گئی
وقت نظارہ کی کشش حسن نے کی

آنکھوں کو لے کے ساتھ نہ میری نظر گئی
زاہد شراب ناب کی تاثیر کچھ نہ پوچھ

اکسیر ہے جو حلق سے نیچے اتر گئی
میری شب فراق یہ کعبے میں شور ہے

یا رب غضب ہوا کہ نماز سحر گئی
دم بھر میں کچھ بھی یاد نہیں اس کو کیا کروں

ناصح نے جو کہی مرے دل سے اتر گئی
رہتی ہے کب بہار جوانی تمام عمر

مانند بوئے گل ادھر آئی ادھر گئی

کیونکر پڑے گا صبر الٰہی رقیب پر

گر بعد مرگ میری طبیعت ٹھہر گئی

اے داغ کیا کہوں شب فرقت کی واردات

جو میرے ہاتھ سے مرے دل پر گزر گئی

377

حجت ہی جرم دل کی گواہی میں رہ گئی

آلودہ ان کی مہر سیاہی میں رہ گئی

تمکیں جو اس کی شوخ نگاہی میں رہ گئی

کچھ دیر میرے دل کی تباہی رہ گئی

سیر مقام عشق تباہی میں رہ گئی

منزل کی آرزو دل راہی میں رہ گئی

دیکھا جو روز حشر کسی بت کو مضطرب

چل کر زبان ستم کی گواہی میں رہ گئی

کیا کر سکے اثر دل بسمل کی نیم آہ

تیغ شکستہ دست سپاہی میں رہ گئی

آتا ہے رحم توبہ پر اپنی مجھے بہت

کمبخت یہ نہ حفظ الٰہی میں رہ گئی

رہتا ہے نام صاحب سوز و گداز کا

تاثری شعر اشکی و آہی میں رہ گئی

ہرا ابلے میں خار کے ہر خار نیشتر

وحشت کی نوک خوب تباہی میں رہ گئی

منہ پھیر دے گا دل صف مژگاں یار کا

گرجان اس دلیر سپاہی میں رہ گئی

زاہد کو بندگی کا نتیجہ تو مل گیا

گردن خمیدہ یاد الٰہی میں رہ گئی

تیرے دہن سے چشم حیواں ہے آب آب

پر اس کی آبرو تو سیاہی میں رہ گئی

پورا ہو کوئی کام مصیبت زدوں سے کیا

جو رہ گئی مراد تباہی میں رہ گئی

ہجر صنم میں کیوں نہ خدا کو کیا گواہ

یہ چال ہم سے ایسی گواہی میں رہ گئی

شیریں ادائی آپ کی میٹھی چھری سہی

چل کر ہمیشہ تلخ نگاہی میں رہ گئی

کیا لکھ رہے تھے دیکھ کے مجھ کو جو تھم گئی

کیوں نوک خامہ غرق سیاہی میں رہ گئی

رکتے ہیں پیچ و تاب سے بھی تیز رو کہیں

پانی کی کب گرہ پر ماہی میں رہ گئی

اے داغ اہل قلعہ کا لٹنا تو درکنار

تنخواہ بھی خزانہ شاہی میں رہ گئی

وصل کی آرزو کئے نہ بنے

نہ بنے جستجو کیے نہ بنے

شوق نے ہمکلام کر ہی دیا
ان سے بے گفتگو کیے نہ بنے

اس نے جب شکوہ کر لیا تسلیم
ہم کو بے سر فرو کیے نہ بنے

جب رکا نہ خون بن گئی دم پر
چاک دل کو رفو کیے نہ بنے

ذلت عشق ہے وہاں عزت
شکوۂ آبرو کیے نہ بنے

بدگمان کو گمان بد گذرا
وصف روے نکو کیے نہ بنے

پاک ہونا ہے رند کو لازم
مے کشی بے وضو کیے نہ بنے

قتل ٹھہرا جو شیوۂ معشوق
ہمیں دل کو لہو کیے نہ بنے

اس کی تصویر سے بھی تھا یہ خوف
داغ کو گفتگو کیے نہ بنے

کیا طرز کلام ہو گئی ہے
ہر بات پیام ہو گئی ہے
کچھ زہر نہ تھی شراب انگور

کیا چیز حرام ہو گئی ہے
آگے تو نہیں سنی تھی
اب تکیہ کلام ہو گئی ہے
جاتے جاتے پیامبر کو
ہر صبح سے شام ہو گئی ہے
اب دیکھئے مشق پائمالی
تعریف خرام ہو گئی ہے
پہنچے ہیں جب اس کی بزم میں ہم
مجلس ہی تمام ہو گئی ہے
عالم کو ہے دعویٰ محبت
یہ خاص بھی عام ہو گئی
اس بت کے ہمیں نہیں ہیں بندے
مخلوق غلام ہو گئی ہے
برباد نہ ہو گی تیری الفت
تجویز مقام ہو گئی ہے
جاگیر جنوں کی قیس کے بعد
اب داغ کے نام ہو گئی ہے

شمع روشن ہے ہماری آہ سے
لو لگائے بیٹھے ہیں اللہ سے
چلتے ہیں کیا کیا وہ رستہ کاٹ کر

جب گذرتی ہیں ہماری راہ سے
کیوں نہ رکھوں میں تبرک کی طرح
غم ملا ہے عشق کی درگاہ سے
ایک بوسے پہ ہمیں ٹالیں نہ آپ
کچھ علاوہ دیجئے تنخواہ سے
مانگ کر تجھ کو بہت نادم ہوا
مانگنا تھا اور کچھ اللہ سے
شادی و غم ہم کو یکساں ہو گئے
آہ سے غمگین نہ خوش ہیں واہ سے
خوبصورت ہو کے تم لڑنے لگے
بحث ہے دن رات مہر و ماہ سے
چاہنے والوں کی صورت دیکھ لی
موت بہتر ہے تمہاری چاہ سے
قبر پہ میرے پڑھے کیا فاتحہ
جو نہ ہو آگاہ بسم اللہ سے
آئی تھی جو بات تیرے ذہن میں
کوئی چھپتی ہے دل آگاہ سے
تو نے واعظ زندگی دشوار کی
کیوں کیا واقف خدا کی راہ ہے
داغ اس کافر کی نخوت دیکھنا
غیر کیا کم ہے زمرد شاہ سے

طرز قدسی میں کبھی شیوۂ انسان میں کبھی

ہم بھی اک چیز تھے اس عالم امکاں میں کبھی

رنج میں رنج کا راحت میں راحت کا شریک

خاک ساحل میں کبھی موج ہوں طوفاں میں کبھی

دل میں بے لطف رہی خار تمنا کی خلش

نوک بن کر نہ رہا یہ کسی مژگاں میں کبھی

دم مرا لے کے ستم گار کرے گا تو کیا

یہ رہے گا نہ ترے خنجر براں میں کبھی

وار کرتے ہی بھرا زخم میں قتل نے نمک

تیغ پر ہاتھ کبھی ہے تو نمکداں میں کبھی

دل کے لینے میں تو یہ شوخی و چالاکی ہے

تم سے چستی نہ ہوئی سستی پیماں میں کبھی

بات کیا خاک کرے وصل میں تیرے ڈر سے

جس نے نالہ نہ کیا ہو شب ہجراں میں کبھی

دل آشفتہ کے انداز سے معلوم ہوا

رہ گیا ہے یہ تری زلف پریشاں میں کبھی

خضر سے میں نے جو کیں جوش جنوں کی باتیں

ایسے نکلے کہ نہ آئے تھے بیاباں میں کبھی

مجھ کو انداز تمنا سے یقیں ہوتا ہے

دم نکل جائے گا اس حسرت و ارماں میں کبھی

اللہ اللہ رے تری شوخ بیانی اے داغ

ست اک شعر نہ دیکھا ترے دیواں میں کبھی

382

ہوا جو ان کی خاموشی سے کچھ ملال مجھے

جواب دینے لگی طاقت سوال مجھے

وفا شعار یہ معشق ہے خدا رکھے

کہ چھوڑتا نہیں دم بھرا ترا خیال مجھے

غم میں عدو نہ گھبراؤ ہے یہ دور فلک

کبھی ملال تمہیں ہو کبھی ملال مجھے

فلک نے لوٹ کے لٹوا دیا حسینوں سے

سمجھ لیا کسی مردے کا اس نے مال مجھے

کسی کے دل سے کسی کی نظر سے گرتا ہوں

سنبھالنا ہے تو اے آسمان سنبھال مجھے

امید بوسہ ہے پھر بھی اگرچہ یہ ہے یقین

بہت ذلیل کرے گا مرا سوال مجھے

صدائے نالہ شب وصل بھی نہ دل سے گئی

پکارتی تھی یہ حسرت مری نکال مجھے

خبر نہیں کف نازک کا رنگ کیا ہو گا

خرام ناز سے ہوتا ہے پائمال مجھے

پلا دے بزم میں ساقی اسے شراب اتنی

وہ مست ناز کہے مجھ سے تو سنبھال مجھے

شکایتوں سے محبت کی اور کیا حاصل

کچھ انفعال تمہیں ہو کچھ انفعال مجھے

وہ کہتے ہیں کہ یہ صورت نہ ہو گی محشر میں

کہا جو میں نے دکھانا ہے کل یہ حال مجھے

کیے ہیں دشت میں پامال سینکڑوں کانٹے

سکھا گئی تری رفتار خوب چال مجھے

اسیر حلقہ کا کل نہ میں ہوا اے داغ

مرے خدا نے بچای اہے بال بال مجھے

سبق ایسا پڑھ دیا تو نے

دل سے سب کچھ بھلا دیا تو نے

ہم نکمے ہوئے زمانے کے

کام ایسا سکھا دیا تو نے

کچھ تعلق رہا نہ دنیا سے

شغل ایسا بتا دیا تو نے

کس خوشی کی خبر سنا کے مجھے

غم کا پتلا بنا دیا تو نے

لاکھ دینے کا ایک دینا ہے

دل بے مدعا دیا تو نے

کیا بتاؤں کہا کیا لیا میں نے

کیا کہوں میں کہ کیا دیا تو نے

بے طلب جو ملا ملا مجھ کو

بے غرض جو دیا دیا تو نے

عمر جاوید خضر کو بخشے

آب حیواں پلا دیا تو نے

ناز نمرود کو کیا گلزار

دوست کو یوں بچا دیا تو نے

دست موسیٰ میں فیض بخشش ہے

نور و لوح و عصا دیا تو نے

صبح موج نسیم گلشن کو

نفس جانفزا دیا تو نے

شب تیرہ میں شمع روشن کو

نور خورشید کا دیا تو نے

نغمہ بلبل کو رنگ و بو گل کو

دلکش و خوشنما دیا تو نے

کہیں مشتاق سے حجاب ہوا

کہیں پردہ اٹھا دیا تو نے

تھا مرا منہ نہ قابل لبیک

کعبہ مجھ کو دکھا دیا تو نے

جس قدر میں نے تجھ سے خواہش کی

اس سے مجھ کو سوا دیا تو نے

رہبر خضر و ہادی الیاس

مجھ کو وہ رہنما دیا تو نے

مٹ گئے دل سے نقش باطل سب

نقشہ اپنا جما دیا تو نے

ہے یہی راہ منزل مقصود

خوب رستے لگا دیا تو نے

مجھ گنہگار کو جو بخش دیا

تو جہنم کو کیا دیا تو نے

داغ کو کون دینے والا تھا

جو دیا اے خدا دیا تو نے

354

جور کے بعد ہی کیوں لطف یہ عدات کیا ہے

تم تلافی جو کرو اس کی ضرورت کیا ہے

ایک دن مان ہی جاؤ گے ہمارا کہنا

تم کہے جاؤ یہی تیری حقیقت کیا ہے

وعدہ وصل سے انکار ہے تو قتل کرو

تم سے ہم پوچھتے ہیں اس میں قباحت کیا ہے

آدمی کو ہے یہی گوشہ راحت کافی

گھر کرے دل میں جو انسان تو جنت کیا ہے

جان تک دیتے ہیں عشاق تو دولت کیسی

گنج قاروں کی محبت میں حقیقت کیا ہے

پوچھ لیتے ہیں یہ دستور ہے جلادوں کا

مجھ سے قاتل نے نہ پوچھا تری حسرت کیا ہے

اے ستم گار اسی روز جزا کہتے ہیں

ابھی سمجھا ہی نہیں تو کہ قیامت کیا ہے

رحمت عام کا اظہار ہی اس پردے میں

ورنہ پھر بندہ نوازی کی ضرورت کیا ہے

بوسہ مانگا تو کہا اس نے بدل کر چتون

آپ کو یہ بھی خبر ہے مری عادت کیا ہے

اس پر آتی ہے کہ جو لاکھ میں اک اچھا ہو

مجھ کو ہے ناز کہ میری بھی طبیعت کیا ہے

ہائے کیا تھا وہ زمانہ کہ تم آگاہ نہ تھے

شکر کس چیز کو کہتے ہیں شکایت کیا ہے

حشر تک وہ تو نہ آئیں گے کبھی وعدے پر

نہیں آتی جو قیامت تو یہ آفت کیا ہے

کیا کہوں کس سے کہوں دل کی حقیقت اے داغ

سب یہی پوچھتے ہیں کہئے تو حضرت کیا ہے

تڑپنے سے دل بے تاب کوئی غم نکلتا ہے

ٹھہر جا صبر کر مضطر نہ ہو کیوں دم نکلتا ہے

وہ گھبراتے نہیں کیا جب ہمارا دم نکلتا ہے

گماں یہ ہے کہ دم کے ساتھ اس کا غم نکلتا ہے

جو آئے نامہ بر رشک عدو کا ذکر کہہ دینا

یہ کینہ صاحب غیرت کے دل سے کم نکلتا ہے

ہزاروں حسرتیں سر پیٹتی ہیں خانہ دل میں

الٰہی دیکھئے اس گھر سے کب ماتم نکلتا ہے

نظر کر دیدہ مشتاق پر یا دیکھ آئینہ

تجھے بھی کچھ خبر ہے تجھ میں کیا عالم نکلتا ہے

نہیں ہے رنگ خوں غصے سے رنگت سرخ ہے اس کی

مرے سینے سے پیکاں بھی ترا برہم نکلتا ہے

کوئی کیا نبض دیکھے دستگیری کیا کرے قسمت

ترے بیمارِ غم کا ہاتھ پکڑے دم نکلتا ہے

امید فاتحہ کیا کشتہ تیغ تغافل کو

کہ میری قبر سے منہ پھیر کر عالم نکلتا ہے

نہیں لیتا خدا کا نام تیرے عہد میں کوئی

گلہ تیرا زبانِ خلق سے پیہم نکلتا ہے

نکلتا خلد سے روتا ہوا اگر آدمی ہوتا

رقیب اس کے گلے سے کیوں خوش و خرم نکلتا ہے

کجی لوں گیسوؤں کی دست شانہ کیا نکالے گا

کہیں یہ ٹیڑھ جاتی ہے کہیں یہ خم نکلتا ہے

وہ میرا ذکر کیوں کرتے ہیں غیروں کو جلانے کو

اگر ڈھونڈھو تو ایسا آدمی بھی کم نکلتا ہے

تلون اس قدر اے داغ پھر یہ صبر کے دعوے

گھڑی میں توبہ کرتے ہو گھڑی میں دم نکلتا ہے

افسردہ دل کبھی خلوت نہ انجمن میں رہے

بہار ہو کے رہے ہم تو جس چمن میں رہے
شریک آہ و فغاں بھی سخن میں رہے
جو میں رہوں تو بڑی دھوم انجمن میں رہے
مقابلہ ہے رقیبوں سے روز محشر بھی
چھپا ہوا کوئی خنجر مرے کفن میں رہے
مجھے یہ ڈر ہے کہ ایمان لے نہ آئیں لوگ
خدا کرے غلطی کچھ مرے سخن میں رہے
ملی جو بے وطنی میں ذرا بھی آسائش
عقیق جا کے عدن میں گھر میں رہے
ترا وہ حسن ہے اے شعلہ رو جو تو چاہے
بغیر شمع کے پروانہ انجمن میں رہے
ہر ایک فتنہ بنے فتنہ قیامت کا
مگر وہی جو ترے چشم سحر فن میں رہے
جنوں سے کیا ہمیں عقبیٰ میں شرمساری ہے
کہ پیرہن سے جو نکلے تو ہم کفن میں رہے
رہا نہ دامن یوسف میں داغ عصیاں کا
اگرچہ خون کے دھبے تو پیرہن میں رہے
زبان دے نہ عدو کو کہ یہ تو وہ شے ہے
ترے دہن میں رہے یا مرے دہن میں رہے
رہے علیحدہ شیریں تو اے فلک افسوس
نفاق خسرو پرویز و کوہکن میں رہے
ملا دے اس میں لعاب دہن کچھ اے ساقی

کہ تازگی بھی ذرا سی مئے کہن میں رہے
مسافری میں جب آرام پاؤ گے اے داغ
کہ تم سفر میں رہو آسمان وطن میں رہے

387

زمانہ ہے خفا مجھ سے کہ تم سے
گلے پڑ ہے گلا مجھ سے کہ تم سے
ستم سے باز آؤ ورنہ اک دن
یہ پوچھے گا خدا مجھ سے کہ تم سے
مجھے معلوم تھا یا تم کو معلوم
وہ راز افشا ہوا مجھ سے کہ تم سے
نہ کہنا پھر کہ ہم قاتل نہیں ہیں
ہوا خون حنا مجھ سے کہ تم سے
رقیبوں سے یہ کہتا ہوں سر بزم
وہ بیٹھے ہیں خفا مجھ سے کہ تم سے
چھپا کیوں چاند بدلی میں شب وصل
اسے آئی حیا مجھ سے کہ تم سے
خدا جانے محبت کو سر حشر
پڑے گا واسطہ مجھ سے کہ تم سے
مرا کہنا نہ مانا داغ تم نے
انہوں نے کی دعا مجھ سے کہ تم سے

ذکر میرا اگر آ جاتا ہے
سن کے وہ صاف اڑا جاتا ہے
غم ترا حصہ ہے میرا لیکن
دل چرا کر اسے کہا جاتا ہے
تھک گیا درد بھی اٹھتے اٹھتے
اب کلیجے میں رہا جاتا ہے
کیا نزاکت ہے کہ آپ آئینے میں
عکس کے ساتھ کھنچا جاتا ہے
ناز سے کھینچ نہ مجھ پر تلوار
غیر مشتاق ہوا جاتا ہے
ایک ہی تیری نگہ میری آہ
کہیں ایسوں سے رہا جاتا ہے
حسرتیں دل کی مٹی جاتی ہیں
قافلہ ہے کہ لٹا جاتا ہے
راہ میں گر نہ پڑے خط یا رب
نامہ بر مثل ہوا جاتا ہے
داغ کو دیکھ کے بولے یہ شخص
آپ ہی آپ جلا جاتا ہے

تلوار تری رواں بہت ہے

تھوڑا بھی تو امتحان بہت ہے
اے داور حشر کل کہوں گا

دن کم ہے یہ داستاں بہت ہے
کچھ آہ کے حوصلے نکلتے

نیچا مگر آسمان بہت ہے
بگڑا ہے مرے مزاج کا رنگ

بے تاب مزاج داں بہت ہے
اے نامہ بر آ جائے آفت

چالاک تری زباں بہت ہے
دامن پہ ترے لگی رہی خاک

اتنا ہی میرا نشاں بہت ہے
دل تنگ سہی پر اے تمنا

مر رہنے کو یہ مکاں بہت ہے
جنت میں کہیں گے تیرے عاشق

تکلیف ہمیں یہاں بہت ہے
کونین کے لطف کس سے اٹھیں

مجھ کو غم دو جہاں بہت ہے
انکار رقیب سے بھی ہو گا

یہ فقرہ تمہیں رواں بہت ہے
اک کوہ گراں ہے عشق لیکن

اس کو دل ناتواں بہت ہے
الفت میں نہیں ہے صبر نایاب

یہ چیز مگر گراں بہت ہے

باطن کی خبر خدا کو ہے داغ

ظاہر میں وہ مہرباں بہت ہے

390

کعبے کی ہے ہوس کبھی کوئے بتاں کی ہے

مجھ کو خبر نہیں مری مٹی کہاں کی ہے

سن کر مرا فسانہ انہیں لطف آ گیا

سنتا ہوں اب کہ روز طلب قصہ خواں کی ہے

پیغامبر کی بات پر آپس میں رنج کیا

میری زبان کی ہے نہ تمہاری زباں کی ہے

کچھ تازگی ہو لذت آزار کے لئے

ہر دم مجھے تلاش نئے آسمان کی ہے

جانبر بھی ہو گئے ہیں بہت مجھ سے نیم جان

کیا غم ہے اے طبیب جو پوری وہاں کی ہے

حسرت برس رہی ہے ہمارے مزار پر

کہتے ہیں سب یہ قبر کسی نوجواں کی ہے

وقت خرام ناز دکھا دو جدا جدا

یہ چال حشر کی یہ روش آسماں کی ہے

فرصت کہاں کہ ہم سے کسی وقت تو ملے

دن غیر کا ہے رات ترے پاسباں کی ہے

قاصد کی گفتگو سے تسلی ہو کس طرح

چھپتی نہیں وہ بات جو تیری زباں کی ہے

جو رقیب و ظلم فلک کا نہیں خیال

تشویش ایک خاطر نا مہرباں کی ہے

سن کر مرا فسانہ غم اس نے یہ کہا

ہو جائے جھوٹ سچ یہی خوبی بیاں کی ہے

دامن سنبھال باندھ کمر آستیں چڑھا

خنجر نکال دل میں اگر امتحاں کی ہے

ہر ہر نفس میں دل سے نکلنے لگا غبار

کیا جانے گرد راہ یہ کس کارواں کی ہے

کیونکر نہ آتے خلد سے آدم زمین پر

موزوں وہیں وہ خوب ہے جو سنتے جہاں کی ہے

تقدیر سے یہ پوچھ رہا ہوں کہ عشق میں

تدبیر کوئی بھی ستم ناگہاں کی ہے

اردو میں جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ

ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

غم اٹھانے کے واسطے دم ہے

زندگی ہیا گر تو کیا غم ہے

آئے ہیں وہ رقیب کے گھر سے

اک خوشی ہے تو ایک ماتم ہے

کہتے ہو کچھ کہو کہوں کیا خاک

جانتا ہوں مزاج برہم ہے
گریہ بے اثر کی کچھ حد بھی
ہم ہیں اور آج چشم پر نم ہے
کیا نئے دوستوں سے بگڑے آج
دشمنوں کا کچھ اور عالم ہے
مجھ کو دیکھا تو غیر سے یہ کہا
عمر اس نوجواں کی کم ہے
گر خوشی ہے تو وصل کی ہے خوشی
غم اگر ہے تو ہجر کا غم ہے
اک جہاں مہرباں ہوا تو کیا
مہربانی تری مقدم ہے
سنتے ہیں داغ کل وہ آئے تھے
بارے اب تو سلوک برہم ہے

رباعیات

لبریز ہے حسرتوں سے میرا سینہ
ہر روز مجھے ہے خون جگر کا پینا
کرتا ہوں دعا کہ یا الٰہی اب تو
منظور نہیں ہے اس طرح کا جینا

ولہ

بیگانہ یہاں ہر ایک یگانہ دیکھا

اپنے مطلب کا سب زمانہ دیکھا
جس کو دیکھا غرض کا اپنے
دنیا کا عجیب کارخانہ دیکھا

ولہ

دنیا میں کب انسان کی حاجت نکلی
حسرت ہی رہے کوئی نہ حسرت نکلی
جیتے تھے قیامت کی توقع پر ہم
خود وقت کی محتاج قیامت نکلی

ولہ

میں رطب کو دیکھوں تو وہ یابس ہو جائے
پر کہوں زر خالص کو اگر مس ہو جائے
ہاتھوں میں مرے آ کے درم داغ بنے
قارون بھی مرے سائے سے مفلس ہو جائے

ولہ

کہتے تھے نہ عشق بت خود کام کرو
پہلے ہی سے اندیشہ انجام کرو
بے تابی دل کی ہے شکایت ناحق
اے داغ بس اب قبر میں آرام کرو

ولہ

کیا جانے کوئی زاہدوں کی گھاتوں کو
تمیز ذرا چاہئے ان باتوں کو
دن کیوں نہ بڑھے رات نہ کیونکر کم ہو
روز دن کے عوض کھاتی ہیں یہ راتوں کو

ولہ

نواب نے کی جو قدر دانی میری
اے داغ گذر گئی جوانی میری
لیکن یہ خبر نہ تھی کہ وقت پیری
مر مر کے کٹے گی زندگانی میری

خمسہ برغزل نواب والا خطاب جناب نواب محمد یوسف علی خان صاحب

بہادر فردوس مکان

کہتے تھے وہ بشر کو جو دل دے بشر غلط
دیوانہ ہو کسی کا کوئی سر بسر غلط
شامت جو آئے ان کا بیان جان کر غلط
میں نے کہا کہ دعوی الفت مگر غلط
کہنے لگے کہ ہاں غلط اور کس قدر غلط

ہوتی ہیں ایک بات کی تہ میں ہزار جھوٹ
تصدیق کیجئے تو بس انجام کار جھوٹ
اور پھر ڈرائیں بول کے بے اعتبار جھوٹ
تاثیر آہ و زاری شبہائے تار جھوٹ
آوازہ قبول دعائے سحر غلط

یا لب پہ کوئی قطرہ مے جم کے رہ گیا
یا کچھ عیاں ہو اثر گرمئے غذا
یا جھوٹ بولنے کی خدا نے یہ دی سزا
سوز جگر سے ہونٹ پہ بتخالہ افترا
شور فغاں سے جنبش دیور و در غلط

ہاں سچ نہیں حکایت زبوں دروغ
ہاں شکوۂ و شکایت صبر و سکوں دروغ
ہاں سر بسر دماغ میں جوش جنوں دروغ
ہاں سینے سے نمائش داغ دروں دروغ
ہاں آنکھ سے تراوش خون جگر غلط

ہاں بے بسی میں جرم و خطا کچھ نہ کیجئے
تسلیم و عاجزی کے سوا کچھ نہ کیجئے
ظاہر سوائے مہر و وفا کچھ نہ کیجئے
آ جائے کوئی دم میں تو کیا کچھ نہ کیجئے

عشق مجاز و چشم حقیقت نگر غلط

آگے نہ تھے زمانے میں جواب فریب ہیں
ایمان و دین و ملت و مذہب فریب ہیں
چلتے ہوئے بہانے ہیں بے ڈھب فریب ہیں
بوس و کنار کے لئے یہ سب فریب ہیں
اظہار پاک بازی و ذوق نظر غلط

یہ کذب یہ دروغ یہ بہتان الاماں
کیا جھوٹ بولنے کو ملی ہے انہیں زبان
شاعر ملا رہے ہیں زمین اور آسمان
لو صاحب آفتاب کہاں اور تم کہاں
احمق بنیں نہ سمجھیں ہم اس کو اگر غلط

معدوم تو وہ شے ہے جسے لاکھ نکتہ چیں
ثابت کریں ہزار وہ ثابت نہ ہو کہیں
یہ بات کیا کہ دل تو نہ ہو اور ہو حزیں
سینے میں اپنے جانتے تم ہو کہ دل نہیں
ہم کو سمجھتے ہو کہ ہے اس کی عمر غلط

کیا ہو یقیں جو کوئی کہے دن کو رات ہے
ہم جانتے ہیں سچ ہے بے شبہ گھات ہے

ایسے مبالغے سے غرض التفات ہے
کہنا ادا کو تیغ خوشامد کی بات ہے
سینے کو اپنے اس کے سمجھنا سپر غلط

اک آہ سرد بھر کے کیا طور بے خودی
اس کو دیا یہ جرم کہ تجھے جان نذر کی
لو دینے والے ہوتے ہیں ایسے ہی تو سخی
مٹھی میں کیا دھری تھی کہ چپکے سے سونپ دی
جان عزیز پیش کش نامہ بر غلط

اعجاز تو نہیں کہ جو قائل ہوں خاص و عام
گر کہیے شعبدہ ہے محبت تو بس سلام
اب امتحان سہی چلو قصہ ہوا تمام
پوچھو تو کوئی مر کے بھی کرتا ہے کچھ کلام
کہتے وہ جان دی ہے سر رہگذر غلط

اجرت پہ رونے والے مقرر ہیں جا بجا
میت کو ڈھونڈھیے تو عدم تک نہیں پتا
یاں اس خیال سے کہیں ٹھہریں نہ بے وفا
ہم پوچھتے پھریں کہ جنازہ کدھر گیا
مرنے کی اپنی روز اڑائی خبر غلط

کیونکر برابر آنکھ کی نرگس کو مانے
کس طرح بڑھ کے خلد سے مجلس کو مانے
سارے بیان میں ہے غلطی کس کو مانے
آیت نہیں حدیث نہیں جس کو مانے
ہے نظم و نثر اہل سخن سر بسر غلط

جو عرض کی تھی داغ نے آخر وہی ہوا
کوئی خفا ہو آپ کو ہے چھیڑ کا مزا
دیکھا نہ آخر آج وہ بدخو برس پڑا
یہ کچھ سنا جواب میں ناظم ستم کیا
یہ کیوں کہا کہ دعویٰ الفت مگر غلط

خمسہ دیگر

مدعی کون وہاں دخل کسی کا کیسا
اپنے سائے سے بھی بچتا تھا وہ کیسا کیسا
دیکھتے دیکھتے پلٹا ہے زمانہ کیسا
جلد جم جاتا ہے ہر شخص کا نقشہ کیسا
سادہ دل ہے وہ بت آئینہ سیما کیسا

طعن کرتے ہیں زلیخا پہ نہ تھی اس کو نظر
اور فرہاد تھا مزدور کہ ڈھوئے پتھر

میری شامت ہے دکھاؤ جو انہیں داغ جگر
میں تو کس گنتی میں ہوں قیس کا قصہ سن کر
کہتے ہیں یہ بھی اک انداز ہے سودا کیسا

لوگ ہمسائے کے سب جمع پریشان خاطر
لاش پر روتے ہیں ہوتا نہیں قاتل ظاہر
ان کی سنئے تو حقیقت ہے نہایت نادر
کر کے خون ایک کا جا بیٹھے ہیں گھر میں اور پھر
پوچھتے ہیں کہ مرے در پہ ہے غوغا کیسا

یوں تو چیزیں ہیں جہاں میں بہت ایسی ویسی
دیکھئے چشم حقیقت سے یہ شے ہے جیسی
کس نے دیکھی ہے بجز اس کے تجلی ایسی
جلوۂ حسن بتاں کی ہے نمائش کیسی
اے دل اس باغ کا ہو گا چمن آرا کیسا

جو دکھانا ہے دکھا کل کے عوض آج شتاب
میں نہیں وہ کہ جو موسیٰ کی طرح لاؤں نہ تاب
مجھ سے دیدار طلب ہوں گے جہاں میں کمیاب
ذوق دیدار میں بے خود ہوں نہ کر مجھ سے حجاب
اٹھ گیا بیچ سے جب میں ہی تو پردا کیسا

قیس صحرائی و فرہاد تھا کوہستانی

پاس ننگوں کے دھرا کیا تھا بجز عریانی

ایسے ساماں ہوں تو کس چیز کی ہو حیرانی

تپش و زاری و تنہائی و سرگردانی

گھر میں سب کچھ ہمیں موجود ہے صحرا کیسا

جوشش عشق نہا نے ابھی دیکھی کیا ہے

شدت اشک فشانی ابھی دیکھی کیا ہے

ہے تمہیں سیر و کہانی ابھی دیکھی کیا ہے

میرے اشکوں کی روانی ابھی دیکھی کیا ہے

گفتگو نوح کی طوفان میں ہے دریا کیسا

تھا میں اک بندۂ آسائش و صد عیش طرب

مجھ کو کیا غم سے غرض اور الم سے مطلب

آسمان ٹوٹ پڑا ہائے ستم وائے غضب

اور دکھ درد اگر ہوں تو بھگت لوں یا رب

مجھ کو بخشا ہے غم حوصلہ فرسا کیسا

جس میں انصاف ہو ضد نہ ہو طبیعت میں ذرا

لوگ دکھ درد بیاں کرتے ہیں اس سے اپنا

لطف کیا اے دل ناداں اسے سمجھانے کا

جو ستم گار نہ ہو معتقد مہر و وفا

کیا وہ سمجھے کہ غم عشق ہے ہوتا کیسا

جھوٹ ہی جانتے ہیں قیس کے مر جانے کو
جان دیتے نہیں دیکھا کسی دیوانے کو
خیر سے کھیل سمجھتے ہیں وہ مر جانے کو
شمع پر دیکھ کے گرتے ہوئے پروانے کو
پوچھتے ہیں کہ یہ ہوتا ہے تماشا کیسا

داغ کیا عرض کریں گے یونہیں سارے خدام
ہے تعجب نہ رہی آپ کو فکر انجام
نقد دل بخش دیا جبکہ بطور انعام
طلب بوسہ میں کیا چاہئے ناظم ابرام
دے چکے دل ہی تو پھر اس سے تقاضا کیسا

مخمس برغزل جناب مستطاب ہلال رکاب انجم خدام نواب کلب علی خان صاحب بہادر دام ملکہم و اقبالہم

رہی ہے برق عالم سوز آہ آتشیں برسوں
اٹھا طوفان جوش چشم تر سے ہر کہیں برسوں
مری فریاد سے گھبرائے ہیں گردوں نشیں برسوں
ہلے کیونکر نہ تیری رہگذر کی سرزمین برسوں
کہ نالوں سے مرے کانپا کیا عرش بریں برسوں

بسر کی عمر جس نے رات دن عیش مخلد میں
گذرتی تھی پری زادوں کی بھی جس کی خوشامدیں
وہ عاشق اس طرح سے مبتلا ہو رنج بے حد میں
بھلا کیا خاک سوئے چین سے وہ کنج مرقد میں
رہا ہو جس کے سر کا تکیہ دوش نازنین برسوں

سراپا نور ہے تو رنگ ہے تجھ میں تجلی کا
یہ ہے تصویر کی خوبی کہ سایہ ہو بہت اچھا
مصور خود ہے محو حسن کیونکر کھینچ سکے سایا
تری صورت کا نقشہ جب کبھی کھینچ جائے گا پورا
تو صنعت پر کرے گا ناز صورت آفریں برسوں

وفور ضعف سے ہے عرض مطلب میں زبان قاصر
اشاروں سے مجھے کرنا پڑا احوال دل ظاہر
مزا اس تیر آخر کا اٹھائے گا وہی کافر
عجب حسرت سے دیکھا ہے سو جاناں دم آخر
رہے گی یاد اس کو بھی نگاہ واپسیں برسوں

کسی مہجور کو معشوق کی فرقت کا رونا ہے
کسی کو آبرو کا رنج ہے عزت کا رونا ہے
تجھے تقدیر کا رونا مجھے قسمت کا رونا ہے

نہ ہنسئے میرے رونے پہ یہ وہ آفت کا رونا ہے
کہ جس کو دیکھ کر رویا کئے روح الامین برسوں

چھپایا راز دل کس طرح ہم نے محبت میں
مگر کیا کیجئے بدنامیاں تھیں اپنی قسمت میں
یہی تھا ایک رسوائی کا پردہ اس مصیبت میں
اڑائیں دھجیاں ہاتھوں نے اس کے جوش وحشت میں
رہی تھی دیدہ خونبار پر جو آستیں برسوں

پتا میرا کہیں بھی صورت عنقا نہ پائیں گے
کریں گے لاکھ میری جستجو اصلا نہ پائیں گے
نہ پائیں گے نہ پائیں گے مجھے حاشا نہ پائیں گے
کیا عشق کر نے بے نشان اپنا نہ پائیں گے
عدم میں بھی اگر ڈھونڈھیں گے مجھ کو ہمنشیں برسوں

جراحت وہ جراحت ہے کہ جو ہو تازہٗ و گلگوں
لہو جاری رہے اس سے برنگ دیدہٗ پرخوں
بھروں تلوار کا دم اور قاتل کو دعائیں دوں
رفاقت لذت زخم جگر تیرے میں جب جانوں
کہ مرقد میں بھی میرے منہ سے نکلے آفریں برسوں

جیسا نے اس کو دی ہو رخصت گفتار بھی شاید

کبھی خوش ہو گئے ہوں اس سے کچھ اغیار سے شاید
کئے ہوں جھوٹے سچے وعدہ دیدار بھی شاید
ہوئے ہوں گے کسی سے وصل کے اقرار بھی شاید
رہے ہم سے تو اس بے رحم کافر کی نہیں برسوں

وہ شان مغفرت جب تک نہ رنگ اپنا دکھائے گی
عبادت کام آئے گی نہ طاعت کام آئے گی
کوئی یہ جبہ سائے میرے لکھے کو مٹائے گی
نصیبوں میں جو لکھی ہے برائی وہ نہ جائے گی
اگر رگڑوں گا در پر کعبے کے نقش جبیں برسوں

ڈرایا یوں انہیں دیوانہ بن کر عین حکمت سے
نہیں ہے کھیل پھندے میں پھنسا لینا شرارت سے
تلافی میں کروں گا تم ہو واقف میری عادت سے
اسیر دام گیسو دل ہوا تو میں بھی وحشت سے
نہ چھوڑوں گا کبھی ہاتھوں سے زلف عنبریں برسوں

بٹھایا ہے ہمیں تقدیر نے بیٹھے ہیں ہم تھک کر
قیامت تک نہ اٹھیں گے اگر برپا ہوں سو محشر
یہی چوکھٹ یہی سر ہے یہی کوچہ یہی بستر
اسی امید پر شاید کسی دن آؤ تم باہر
نہ جائیں گے تمہارے در سے دم بھر بھی کہیں برسوں

قضا سر پر ہمارے وقت کی ہے منتظر ہر دم
نکلتا ہی نہیں تیری تمنا میں ہمارا دم
نہ مرتے ہیں نہ جیتے ہیں پڑے ہیں کس بلا میں ہم
ترے کوچے میں ہے مدت سے ہم پر نزع کا عالم
گھڑی ساعت کا نقشہ ہم نے دیکھا ہی نہیں برسوں

کرے گا داغ کی مانند ادب آداب کوئی بھی
وہی عاجز ہوا تو لا سکے گا تاب کوئی بھی
گلا رکھے گا زیر خنجر پر آب کوئی بھی
جفا سے اس کے ٹھہرے گا نہ اے نواب کوئی بھی
رہیں گے دیکھ لینا کوے جاناں میں ہمیں برسوں

خمسہ بر غزل خاقانی ہند سلطان الشعرا شیخ محمد ابراہیم ذوق دہلوی استاد

مصنف

آزاد مثل سرو تھی بستانیوں میں ہم
افتادہ شکل خار بیابانیوں میں ہم
وار ستہ ہو کے پھنس گئے نادانیوں میں ہم
پابند جوں دخاں ہیں پریشانیوں میں ہم
یا رب ہیں کس کی زلف کی زندانیوں میں ہم

الجھا وہیں تصور خاطر نشستہ میں

سو پیچ ایک تار رگ جان خستہ میں
بندش شکستگی ہے دل فکر بستہ میں
ہوتی نہ یاد زلف تو خط شکستہ میں
لکھتے الف خطوں کی نہ پیشانیوں میں ہم

ہے وہ نظر فریب ترا حسن مہ لقا
صل علی پکار اٹھیں شیخ و پارسا
ایمان کی یہ ہے نہ ہو ایمان ہی بجا
ہو وہ عزیز سورۂ یوسف سے بھی سوا
رکھ دیں تری شبیہ جو کنعانیوں میں ہم

ہے امتحان سوز محبت تمھیں فضول
چودہ طبق جو ہوں کرۂ نار کیا حصول
خورشید اس چراغ کا ادنیٰ ہے ایک پھول
دوزخ بھی جائے نعرۂ ہل میں مزید بھول
لائیں جو آہ کو شرر افشانیوں میں ہم

بھاگے دوائے عشق سے تاثیر کی طرح
تدبیر سے خلاف ہیں تقدیر کی طرح
حلقے میں کب کسی کے رہے تیر کی طرح
زنجیر میں بھی نالہ زنجیر کی طرح
جوش جنوں سے رہتے ہیں جولانیوں میں ہم

بے تاب و خوفناک و سراسیمہ وتباہ
کیا کیا پھرے کہاں سے کہاں تک گئی ہم آہ
دار امان ہمارے لئے ہو گی داد خواہ
پائے نہ تیغ عشق سے ہم نے کہیں پناہ
قرب حرم میں بھی تو ہیں قربانیوں میں ہم

تیغ جفا کے دل پہ نہیں ہیں نشاں کہ ہیں
کیا جانیں چارہ گر نہیں ان کو گمان کہ ہیں
اور میں جو چاک سینے کے ظاہر میں ہاں کہ ہیں
سینے کی چاک سینے کی فرصت کہاں کہ ہیں
مصروف زخم دل کی مگس رانیوں میں ہم

آنکھیں اگر ہوں خشک کلیجا تو تر رہے
اس اس ہی سے پیاس بجھے بسما اگر رہے
اب کیا رہے کہ مثل چراغ سحر رہے
نم بھی نہیں جگر میں رہا اس قدر رہے
سر گرم سوز عشق کی مہمانیوں میں ہم

شارع کا قول کچھ ہے تو کہتا ہے کچھ حکیم
سچ یہ کہ ایک کی بھی نہیں رائے مستقیم
ہم سے جو پوچھئے تو خدا اس کا ہے علیم

کیا جانے ہم زمانے کو حادث ہے یا قدیم
کچھ ہو بلا سے اپنے کہ ہیں فانیوں میں ہم

ملتی جو موت چاہتے پروردگار سے
افسوس ہے کہ وقت گیا اختیار سے
ہی ہے نہ مر گئے قلق انتظار سے
کیوں جی کے ہجر میں ہوئے شرمندہ یار سے
اب مر رہے ہیں اس کی پشیمانیوں میں ہم

پھر دوڑے ہاتھ جیب و گریباں کو ہو نوید
پھر نکلے پاؤں خار مغیلاں کو ہو نوید
کہسار کو خوشی ہو بیاباں کو ہو نوید
پاکو بیونکو مژدہ ہو زنداں کو ہو نوید
پھر ہیں جنوں کے سلسلہ جنبانیوں میں ہم

زاہد کا خوف ہے نہ خطر خوش ہیں رات دن
پیتے ہیں چھپ کے شام و سحر خوش ہیں رات دن
ساغر کش خیال نظر خوش ہیں رات دن
پوشیدہ ان نگاہوں میں سر خوش ہیں رات دن
شرب الیہود کرتے ہیں نصرانیوں میں ہم

سر خفی جو خاک کے پتلے میں بھر دیا

کیا جانیں اس کو جن و ملک ہے یہ بھید کیا
یاں اہل معرفت کو بھی ملتا نہیں پتا
مطلب سے اپنے کون ہے آگاہ جز خدا
جوں خط سر نوشت ہیں پیشانیوں میں ہم

ہم کو ملی ہے قسمت تصویر آئینہ
حیرت ہے اپنی حیرت تصویر آئینہ
کچھ بولے کب ہے طاقت تصویر آئینہ
ہیں آئینے میں صورت تصویر آئینہ
آئینہ رو کے سامنے حیرانیوں میں ہم

کیا مشت پر کے باد صبا راہ بر نہ ہو
کیا یوں وصال گلشن و گلہائے تر نہ ہو
پر حکم ہے جدا کوئی بازو سے پر نہ ہو
بیم کدورت دل صیاد گر نہ ہو
کیا کیا اڑائیں خاک پر افشانیوں میں ہم

گو فرق صبح شام ہے ظلمت کو نور سے
دونوں کا ہے ظہور ہمارے ظہور سے
ہو جائے رات دود دل ناصبور سے
دکھلائیں روز حشر کو بین السطور سے
اپنے سیاہ نامے کی طولانیوں میں ہم

کیا خاک طے ہو داغ کی مانند راہ شوق
سارے جہاں کے تیز رووں پر ہے اسی کو ذوق
زنجیر پاؤں میں ہے نہ گردن میں اپنے طوق
جا سکتے ضعف سے نہیں کوچے میں اس کے ذوق
بہہ جائیں کاش گریہ کی طغانیوں میں ہم

خمسہ مصنف بر غزل خود

تھی پریشان انتظار سے آنکھ
نہیں ملتی تھی ایک یار سے آنکھ
شکر ہے ہو گئی قرار سے آنکھ
لڑ گئی یار گلزار سے آنکھ
اب نہیں جھپتی ہزار سے آنکھ

توبہ کیا اور اتقا کیسا
تاکنا جھانکنا ہمیشہ رہا
یہ نظر بازیاں ہیں سخت بلا
دید کا بھی ہے کیا برا لپکا
نہیں رہتی ذرا قرار سے آنکھ

لپکی پڑتی ہے اک محبت سے

خود بخود چھا رہی ہے الفت سے
صاف ہے آئینے کی صورت سے
کچھ وہ حیرت سے کچھ وہ حسرت سے
خوب بنتی ہے انتظار سے آنکھ

جب مری قبر پہ گذر کیجئے
پھر تغافل نہ اس قدر کیجئے
کام جو کیجئے دیکھ کر کیجئے
تو وہ ناوک نظر کیجئے
کیوں چرائی مرے مزار سے آنکھ

یار ہے زود خشم و تیز مزاج
جس کے غصے سے ہو جہاں تاراج
نظر آتا نہیں کچھ اس کا علاج
اس کو دیکھا ہے جو مکدر آج
بھر گئی سرمہ غبار سے آنکھ

چار آنسو بھی جب بہائے ہیں
دل کے ٹکڑے مژہ پر آئے ہیں
عشق نے رنگ کیا دکھائے ہیں
اشک خونین نے گل کھلائے ہیں
آج آئی ہے کس بہار سے آنکھ

نگہ یار ہے غضب قاتل
اس بلا سے نجات ہے مشکل
جس کو دیکھا وہ ہو گیا بسمل
کیا بچے ناوک نظر سے دل
چوکتی ہی نہیں شکار سے آنکھ

بزم میں کوئی انجمن آرا
مہرباں ہو اگر تو کیا کہنا
دے وہ بھر بھر کے ساغر صہبا
دو بدو یوں ہے مے کشی کا مزا
جام سے کب ملے تو یار سے آنکھ

اللہ اللہ رے ناز کے دماغ
گل ہی گل سوجھتے ہیں باغ ہی باغ
ہو گیا عیش جاوداں سے فراغ
نشہ تیرا اتر گیا اے داغ
کھل گئی غفلت خمار سے آنکھ

خمسہ بر غزل شیخ امام بخش ناسخ مغفور لکھنوی

پہلے تھا دخل یہ دشوار ترے کوچے میں

کہ صبا کو بھی نہ تھا بار ترے کوچے میں
اب تو ہے مجمع اغیار ترے کوچے میں
روز ہے گرمی بازار ترے کوچے میں
جمع ہیں تیرے خریدار ترے کوچے میں

تو نے غرفے سے جو کچھ ہم کو دکھایا جھلکا
ہو گئی بے خود بیہوش ہم اے ہوش ربا
اب کہاں جائیں کدھر جائیں ترے در کے سوا
دیکھ کر تجھ کو قدم اٹھا نہیں سکتا اپنا
بن گئے صورت دیوار ترے کوچے میں

ہے محبت بھی تری قہر خدا سخت عذاب
کر دیا ایک زمانے کو اسی نے بے تاب
کفر و اسلام ہوا دونوں گھروں میں نایاب
دیر ویراں ہے ترے عہد میں کعبہ ہے خراب
جمع ہیں کافر و دیندار ترے کوچے میں

کیا خبر ہے تجھے کس حال میں ہوں کیسا ہوں
جادۂ راہ کہ میں نقش قدم ہوں کاے ہوں
آسمان ٹوٹ پڑے مجھ پہ جو اٹھنا چاہوں
پاؤں پھیلائے زمین پر میں پڑا رہتا ہوں
صورت سایہ دیوار ترے کوچے میں

خاک سے کتنے ہم آغوش پڑے رہتے ہیں
بے خود و غافل و خاموش پڑے رہتے ہیں
صورت مے کش و مے نوش پڑے رہتے ہیں
روزیاں سینکڑوں بے ہوش پڑے رہتے ہیں
ہے مگر خانہ خمار ترے کوچے میں

آرزو ہے دل بیتاب کی فریاد سنے
کہ ترے کان تک آواز ہماری پہنچے
پر جو اندیشہ ہے یہ بھی کوئی پہچان نہ لے
پاسبانوں کی طرح رات کو بے تابی سے
نالے ہم کرتے ہیں اے یار ترے کوچے میں

تھی نہ امید ہمیں ایسی فسوں سازی کی
اس نے تو چھوٹتے ہی ہم سے دغا بازی کی
ہائے کمبخت نے کیسی خلل اندازی کی
روز ہی عشق نے یہ تفرقہ پردازی کی
ہم ہیں زنداں میں دل زار ترے کوچے میں

شکل فرہاد جنوں پیشہ و مثل مجنوں
خاک برباد کرے میری نہ چرخ واژوں
دے اجازت تو رہوں تا بقیامت مجنوں

آرزو ہے جو مروں بھی تو یہیں دفن بھی ہوں
ہے جگہ تھوڑی سی درکار ترے کوچے میں

دوست دشمن ہیں سبھی تری ادا پر مائل
خنجر رشک سے ہر ایک ہوا ہے بسمل
تجھ کو پروا نہیں غمگین ہو کہ کوئی خوش دل
گر یہی ہیں ترے ابرو کے اشارے قاتل
آج کل چلتی ہے تلوار ترے کوچے میں

بے کہے اور سنے کیا ہو وفا کا اظہار
عار سننے سے تجھے ہے اسے کہنا دشوار
داغ نے آج یہ دیکھا ہے کہ ہو کر ناچار
حال دل کہنے کی ناسخ جو نہیں پاتا بار
پھینک آتا ہے وہ اشعار ترے کوچے میں

شہر آشوب

فلک زمین و ملائک جناب تھی دلی
بہشت و خلد سے بھی انتخاب تھی دلی
جو اب کا ہے کو تھا لاجواب تھی دلی
مگر خیال سے دیکھا تو خواب تھی دلی
پڑی ہیں آنکھیں وہاں جو جگہ تھی نرگس کی

خبر نہیں کہ اسے کھا گئی نظر کس کی

یہ شہر وہ ہے کہ انسان و جان کا دل تھا

یہ شہر وہ ہے کہ ہر قدر دان کا دل تھا

یہ شہر وہ ہے کہ ہندوستان کا دل تھا

یہ شہر وہ ہے کہ سارے جہاں کا دل تھا

رہی نہ آدھی یہاں سنگ وحشت کی صورت

بنی ہوئی تھی جو ساری بہشت کی صورت

یہاں کی شام تھی مانند صبح نورانی

یہاں کے ذرے میں تھی مہر کی درخشانی

یہاں کے سنگ سے تیرہ تھا لعل رمانی

یہاں کی خاک سے ہوتا تھا آئینہ پانی

یہ شہر وہ ہے کہ سایہ بھی نور تھا اس کا

چراغ رشک تجلی طور تھا اس کا

فلک تھا خوبی و حسن و جمال کا دشمن

صباح عشرت و شام وصال کا دشمن

عدوے اہل کمال اور کمال کا دشمن

غضب ہے اب تو ہوا جان و مال کا دشمن

یہ مفت بر جو تلاشی ہے نقد جان کے لئے

خضر بھی روئیں گے اب عمر جاوداں کے لئے

خدا پرستوں کا شیوہ جفا پرستی ہے

جو مال مست تھے اب ان کو فاقہ مستی ہے

بجائے ابر کرم مفلس برستی ہے

تنگ جینے سے ہیں ایسی تنگدستی ہے
غضب میں آئی رعیب بلا میں شہر آیا
یہ پڑیئے نہیں آئے خدا کا قہر آیا
زبان سے کہتے ہوئے آئے دیں دین لعین
جو ماتا دین کوئی تھا تو کوئی گنگا دین
وہ جانتے ہی نہ تھے چیز کیا ہے دین مبین
کئے ہیں قتل زن ار بچے کیسے کیسے حسین
روا نہ تھا کسی مذہب میں جو وہ کام کیا
غرض وہ کام کیا کام ہی تمام کیا
عجب شکل گل و گلستان نظر آئی
پڑیں جدھر کو نگاہیں خزاں نظر آئی
جب اٹھ کے تامژہ خونچکاں نظر آئی
تو کوئی عیش کی صورت نہ یاں نظر آئی
وہ گل رخان سمت بر کے قہقہے نہ رہے
وہ بلبلان خوش الحان کے چہچہے نہ رہے
فلک نے قہر و غضب تاک تاک کر ڈالا
تمام پردۂ ناموس چاک کر ڈالا
یکا یک ایک جہان کو ہلاک کر ڈالا
غرض کہ لاکھ کا گھر اس نے خاک کر ڈالا
جلیں ہیں دھوپ میں شکلیں جو ماہتاب کی تھیں
کھنچیں ہیں کانٹوں میں جو پتیاں گلاب کی تھیں
کھلا یا زہر ستمگر نے پان کے بدلے

پلایا خون جگر پپیہوں کے بدلے
نصیب دار ہوئی ہے نشان کے بدلے
ملا نہ گور گڑھا بھی مکان کے بدلے
یہ دعوت فلک کینہ ساز تو دیکھو
پھر اس پہ اس ستم آرا کے ناز تو دیکھو
زمین کے حال پہ اب آسمان روتا ہے
ہر اک فراق مکین میں مکان روتا ہے
گداؤ شاہ ضعیف اور جوان روتا ہے
غرض یہاں کے لئے اک جہان روتا ہے
جو کہیے جو شش طوفاں نہیں کہی جاتی
یہاں تو نوح کی کشتی بھی ڈوب ہی جاتی
لہو کے چشمے ہیں چشم پر آب کی صورت
کہاں یہ حشر میں توبہ عذاب کی صورت
زبان تیغ سے پرسش ہے داد خواہوں کی
رسن ہے طوق ہے گردن ہے بے گناہوں کی
یہ وہ جگہ ہے کہ عبرت پہ عبرت آتی ہے
یہ وہ جگہ ہے کہ حسرت پہ حسرت آتی ہے
یہ وہ جگہ ہے کہ آفت پہ آفت آتی ہے
یہ وہ جگہ ہے کہ شامت پہ شامت آتی ہے
یہ وہ جگہ ہے جہاں بے کسی بھی ڈر ڈر جائے
یہ وہ جگہ ہے اجل خوف کھا کے مر مر جائے
برنگ بوئے گل اہل چمن سے چلے

غریب چھوڑ کے اپنا وطن وطن سے چلے
نہ پوچھو زندوں کو بے چارے جس چلن سے چلے
قیامت آئی کہ مردے نکل کفن سے چلے
مقام امن جو ڈھونڈھا تو راہ بھی نہ ملی
یہ قہر تھا کہ خدا سے پناہ بھی نہ ملی
جو تھی تو افعی کاکل کے زہر کی گرمی
جو تھی تو شعلہ غداران شہر کی گرمی
نہ دیکھیں جو نگہ خشم و قہر کی گرمی
اٹھائیں ہائے وہ جلتی دوپہر کی گرمی
تپش سے ریگ بیاباں بھی آفتاب ہوئی
زمین کرۂ نار کا جواب ہوئی
جگہ جگہ تھے زمیندار دار کی صورت
چڑھے ہی آتے تھے سر پر نجار کی صورت
بلا سے کم نہ تھی ہر اک گنوار کی صورت
چھپی نہ ان سے پر اہل دیار کی صورت
کسی جگہ جو کوئی ہو کے بے قرار آیا
تو اہل قریہ یہ بولے کہ لو شکار آیا
زبان جو بدلیں تو صورت بدل نہیں آتی
ملیں جو خاک بھی منہ پر تو مل نہیں آتی
کسی طرح کسی پہلو سے کل نہیں آتی
پکارتے ہیں اجل کو اجل نہیں آتی
جو سر کو پھوڑیں تو پتھر پرے سرکتے ہیں

جو لوٹیں کانٹوں پہ کانٹے الگ کھٹکتے ہیں

پیادہ پا ہوں رواں شہسوار صد افسوس

لہو کے گھونٹ پئیں بادہ خوار صد افسوس

ذلیل و خوار ہوں اہل وقار صد افسوس

ہزار حیف دل بے قرار صد افسوس

جھکے ہیں بار الم سے تنے ہوئے کیسے

بگڑ گئے ہیں یکایک بنے ہوئے کیسے

بنا ہے خال سیہ رنگ مہ جمالوں کا

دوتا ہوا ہے قد دانست نونہالوں کا

جو زور آہوں کا لب پہ تو شور نالوں کا

عجیب حال دگر گوں ہے دلی والوں کا

کوئی مراد جو چاہی حصول ہی نہ ہوئی

دعائے مرگ جو مانگی قبول ہی نہ ہوئی

غضب ہے بخت بد ایسے ہمارے ہو جائیں

کہ لیں جو لعل و گہر سنگ پارے ہو جائیں

جو دانہ چاہیں تو خرمن شرارے ہو جائیں

جو مانگیں پانی تو دریا کنارے ہو جائیں

پئیں جو آب بقا بھی تو زہر ہو جائے

جو چاہیں رحمت باری تو قہر ہو جائے

جہاز ایسا تباہی میں آ گیا اپنا

ملا نہ تخت ثری تک کہیں پتا اپنا

رہا نہ آہ زمانے میں آشنا اپنا

بجز خدا کے نہیں کوئی نا خدا اپنا
کسی سے ڈوبے ہوئے ایسے کب نکلتے ہیں
یہاں سے حضرت الیاس بچ کر چلتے ہیں
پئے محاسبہ پرسش ہے نکتہ دانوں کی
تلاش بہر سیاست ہے خوش زبانوں کی
جو نوکری ہے تو اب یہ ہے نوجوانوں کی
کہ حکم عام ہے بھرتی ہے قید خانوں کی
یہ اہل سیف و قلم کا ہو جبکہ حال تباہ
کمال کیوں نہ ٹھہرے در بدر کمال تباہ
کہاں تک آہ لکھوں اس کا حال بربادی
کہاں تک آہ کہوں آسماں کی جلا دی
کسی کو قید محن سے نہیں ہے آزادی
کہ داغ داغ ہی دل ہر کوئی ہے فریادی
الٰہی پھر اسے آباد و شاد دیکھیں ہم
الٰہی پھر اسے حسب مراد دیکھیں ہم

قصائد در مدح حضرت ظل سبحانی خلیفہ رحمانی خادم حضرت ختمی پناہی حامی حرمین شریفین مشیر قیصر ہند جناب ہلال رکاب نواب کلب علی خان بہادر فرزند دلپذیر دولت انگلشیہ رئیس والا و راعظم طبقہ اعلائے ستارۂ ہند دام ملکہم و اقبالہم

کہاں وہ عقدہ لا حل کہاں وہ سخت دشواری
ہوئی پابند آزادی سے اب امیری گرفتاری

ترقی پر مرا طالع بلندی پر میرا اختر
ہوئے معدوم میری بخت واژوں کی نگوں ساری

تلافی ہو گئی عسرت کی عشرت اے زہے قسمت
مبدل ہو گئی آسانیوں سے میری دشواری

نہ آشفتہ دماغی ہے نہ وہ برہم مزاجی ہے
گئی میری پریشانی مٹی آشفتگی ساری

نہ وہ سر میں مرے سودا نہ وہ دل میں مرے وحشت
نہ وہ ٹکڑے کلیجے کہ نہ وہ مژگاں کی خونباری

شگفتہ دل مرا اتنا کہ جتنا تنگ دل غنچہ
مجھے وہ خوب راحت جس قدر نرگس کو بیداری

طبیعت میں میری ایسی نزاکت ہے لطافت ہے
کہ مضموں یہاں یار بھی زنجیر ہے بھاری

زمانے نے یکایک چھوڑ دی سب ظلم کی عادت
فلک نے یک قلم موقوف کی طرز ستمگاری

تھی دست ستم ہو کر فلک کا حال ایسا ہے
کہ جیسے خسرو محتاج کو ہو سخت ناچاری

ہنر مندوں کو ہے اپنے ہنر سے بہرۂ وافی
طبیعت اہل ہمت کی کسی فن میں نہیں عاری

سیہ کاروں کا دل بھی ہے مثال مہر نورانی
کہ داغ تیرگی دھوتا ہے آب رحمت باری

دل عشاق کو معشوق ارمانوں سے لیتے ہیں
وہ ہے الفت کے سودے کی جہاں میں گرم بازاری

سرور بادۂ عشرت سے مے کش مست و بے خود ہیں

اٹھا کر طاق پر رندوں نے رکھ دی اپنی ہوشیاری

کرے گر مے کشی کو منع وہ اس دور عشرت میں

کرم سے شیخ کو دینی پڑی اٹی گناہ گاری

جراحت کے عوض راحت ہوئی اس درد پیدا

بنا مرہم دل افگارن غم کا چرخ زنگاری

زمانے کا جو بدلا رنگ تو اس کا یہ باعث ہے

ہوا ہے مسند آرا آج وہ فخر جہانداری

امیر المسلمین کلب علی خان خسرو دوراں

وہ فیاض زمان جس سے ہے چشمہ فیض کا جاری

مہ اقبال و دولت آفتاب ثروت و شوکت

جہاں جود و ہمت آفتاب عدل و دیداری

فریدوں فرور ستم رزم و جم بزم و فلاطون عقل

سکندر جاہ و حاتم بذل و دار اے اسپہ داری

لکھوں اک مطلع دلچسپ ایسا مدح حاضر میں

کہیں احسنت سن کر جس کو سب اشخاص درباری

مطلع

ترے ابر کرم نے کی جو عالم میں گھر باری

تو آب گوہر خوش اب سے دریا ہوا جاری

بنا لبیک سکہ سیم و زر پر آج وہ دن ہے

حریم دل میں مفلس کے نہ بیٹھا داغ ناداری

زلال لطف کی تاثیر مٹ جائے شور ایسا
یقین ہے اب نہ نکلے حشر تک کوئی کنوں کھاری
ترا دل بادۂ پندار سے خالی نظر آیا
جو ہے تو نشہ عرفاں ہے چشم شوق میں طاری
ہوا ہے خواب و بیداری کا عالم ایک صورت پر
تری شب کو سحر کہیے تری غفلت کو ہوشیاری
جو وہ تھے ماہ کنعان تو ہی مہر عالم امکان
ہوا ہے تجھ میں اور یوسف میں فرق خواب بیداری
وہ تیرا عہد ہے علم و عمل سے شادور رہتے ہیں
فقیہہ و مفتی و صوفی و شیخ و حافظ و قاری
جہاں میں امن کیا ہے کیا تری ظل حمایت سے
کہ اک عالم ہے ایمن اللہ اللہ رے نگہداری
کسی کا دل تو کیسا آنکھ بھی دکھنے نہیں آتی
مٹائی عدل نے تیرے یہاں تک مردم آزاری
زر غنچہ اڑائے تو صبا اڑ کر کہاں جائے
تری تحقیق سے ہو شمع کا بھی چور فراری
نہ کیوں ہو تیرے دستور العمل سے شادماں عالم
کرم کرنا تری عادت جفا سے تجھ کو بیزاری
بگولہ بھی ہوا پر شکل گنبد بن کے قائم ہو
یہاں تک گم ہوئی خانہ خرابی خانہ مساری کر
ملے درد حنا کو اندتوں خدمت اپنی کی
دل عشاق کی کرنی پڑی کس کو خبرداری

مقابل میں ترا اے خواہاں نہ بہت ہوا گر دشمن
کرے زخموں سے تیری تیغ اس کے تن پہ گل کاری
ترے ڈر سے عدوے روسیہ کی یوں بہے آنسو
کہ چھوٹے جس طرح سے خون سوداوی کی پچکاری
سمندر میں سمندر ہوں صدف میں ہوں شرر پیدا
جو چمکاری آتش قہر و غضب کی تیرے چنگاری
تری محفل کا جو سامان ہے ثانی نہیں رکھتا
کھلیں جمشید کی آنکھیں اگر دیکھے یہ تیاری
تری بزم طرب انگیز و عشرت خیز ایسی ہے
تمنا جس کی کرتے ہیں پر بردیاں و پرخاری
یہ وہ سرکار عالی ہے کہ جس سے فیض پاتے ہیں
بد خشانی و طہرانی و شیرازی و بلغاری
یہ وہ درگاہ والا جاہ ہے جس کی سلامی میں
حجازی و عراقی و رومی و چینی و تاتاری
سخن فہم و سخن گستر غمخداں و سخن پرور
تجھی سے حسن کو رونق تجھی سے حسن نثاری
زباں کھولے نہ مثل شمع جل کر خاک ہو جائے
سنے سبحان وائل بھی اگر یہ نغز گفتاری
ترے پیل فلک رفعت کی شوکت پر یہ لازم ہے
مشابہ کیجئے کہسار سے اس کی گرانباری
گرانباری ہے ایسی وہ سبک رفتار ہے ایسا
نفس کو جس طرح سینے میں حاصل ہو سبکساری

ترے اسپ پری پیکر کی چالاکی کا کیا کہنا
نہیں آتی تصویر میں بھی جس کی تیز رفتاری

وہ پہنچے اس طرح اک جست میں مشرق سے مغرب تک
کہ جیسے آہ عاشق ہو رساتا چرخ زنگاری

مرا کیا منہ جو تیری مدح پوری ہو سکے مجھ سے
کہ تیرا وصف بے حد اور میری طبع ہی عاری

ہنر آیا نہ مجھ کو کوئی اور آیا تو یہ آیا
مرا ہے کام ناکامی مرا ہے کار بیکاری

ترے الطاف بے پایاں سے ہوں میں منفعل دل میں
نہیں ہوتا ادا مجھ سے ترا حق نمک خواری

مگر ہاں اس سہارے پر گذر جائے گذر جائے
ترا شیوہ کرم کرنا مری خصلت وفاداری

سراپا وصف ہے تو وصف تیرا داغ کیا لکھے
دعا پر ختم کرتا ہے قصیدے کو بنا چاری

رہیں جب تک الٰہی مہر و ماہ کوکب و اختر
رہے جب تک الٰہی اس زمین پر چرخ زنگاری

میسر خیر خواہوں کو تو عیش جاودانی ہو
ترے بد خواہ کو حاصل ہمیشہ ذلت و خواری

بچے تلوار تیری ہر گھڑی خون دل اعدا
ترا خنجر کرے دائم ترے دشمن کی خونخواری

دعا آٹھوں پہر ہے اقلیم آئے قبضہ میں
ترے قلعے کی ٹھہری ربع سکوں چار دیواری

ایضاً

ہے روز جشن کیوں نہ کرے روزگار عیش
ایک ایک غم کے بدلے ہیں سو سو ہزار عیش

رنگین نشاط سے سپید و سیاہ دہر
ہے ابلق زمانہ پہ گویا سوار عیش

اس غم کدے کو چرخ نے عشرت کدہ کیا
اب دیکھئے دکھائے گا کیا کیا بہار عیش

سارے اسیر درد و الم غم سے چھٹ گئے
طوق گلو کے بدلے گلے کا ہے ہار عیش

اہل زمین کو زیر فلک جو ششِ نشاط
آسودگان خاک کو زیر مزار عیش

اللہ رے اب کی گرمی ہنگامہ سرور
کیا کیا نکالتا ہے دلوں کا بخار عیش

رحمت سے حق کے دور نہیں جنتی کی طرح
گر آج دوزخی کو ملیں بے شمار عیش

لکھا کسی نے بھول کے گر کوئی حرف غم
نکلا زبان خاد سے بے اختیار عیش

لانے لگا نہال محبت گل مراد
بنتا ہے نخل غم کے لئے برگ و بار عیش

ہر مردہ دل کے واسطے آب حیات ہے
دھوتا ہے دل سے تیرہ دلوں کے غبار عیش

دام خوشی میں سب کو گرفتار کر لیا
کرتا ہے غمزدوں کے دلوں کا شکار عیش
جوش نشاط و فرط خوشی سے عجب نہیں
آخر کو غمزدوں کے دلوں پہ ہو بار عیش
دیکھا جو میں نے حال زمانے کا اس طرح
یعنی کہ اک جہان کا ہے کاروبار عیش
حیران ہوا کہ یار خدا ماجرا ہے کیا
دیتا ہے کسی کو یہ فلک کینہ کار عیش
مجھ سے کہا یہ دل نے کہ حیران ہے کس لئے
دنیا میں ہیں ہزار طرح کے ہزار عیش
یہ بھی کوئی گھڑی تھی خوشی کی کہ آ گئی
غم اڑ گیا جہاں سے ہوا غمگسار عیش
تو غمزدہ ہے آپ سے نادان کس لئے
کر تو بھی خوب عیش جو ہو سازگار عیش
گذرے جو دم خوشی سے تو غافل گذار دے
ہوتا ہے کس کے واسطے یاں بار بار عیش
گر عیش ہو نصیب تو بندہ ہو عیش کا
خصلت تری نشاط ہو تیرا شعار عیش
گر بس چلے تو ہاتھ سے مینائے مے نہ رکھ
جی بھر کے خوب پی کہ جو ہو خوشگوار عیش
ٹھہرے جو کوئی دم تو غنیمت اسے سمجھ
عاشق کے دل کی طرح سے ہے بے قرار عیش

ڈر انقلاب دہر سے کر غم سے اجتناب
غم دل سے دور پھینک کے کر استوار عیش

یہ دوستی کرے تو اسی کی ہے دوستی
گر دستدار ہے تو ترا دوستدار عیش

لیکن بشر کو چاہئے انجام کا خیال
اس پر رہے نظر کہ ہے ناپائیدار عیش

غم بھی خوشی کے ساتھ ہے انساں کے واسطے
اس پر نہ پھول تو کہ ہوا خوب بار عیش

معشوق و بادہ سیر چمن بزم دوستاں
دنیا میں چار دن کے لئے ہیں یہ چار عیش

تکیہ نہ کر تو اس پہ کہ دائم رہوں گا شاد
یہ عیش چار دن کا ہے بے اعتبار عیش

تدبیر کوئی چاہئے عیش دوام کی
تقدیر سے نصیب ہوں تجھ کو ہزار عیش

کر مدح اس رئیس ذوی الاقتدار کی
جس کی ثنا سے ہو تجھے اب سازگار عیش

جمشید عصر کلب علی خاں فلک نما
ہوتا ہے جس کی ذات سے صاحب وقار عیش

مطلع وہ لکھ کہ جس میں بندے سر بسر سرور
ٹپکے ہر ایک لفظ سے بے اختیار عیش

مطلع

ہیں دست بستہ واسطے تیرے ہزار عیش
تیری خوشی مطیع تو خدمت گذار عیش

اللہ رے تیرے نشہ کی سیر شاری سرور
جس کا اوتار عیش ہے جس کا خمار عیش

ٹھہرا ازل سے تا بہ ابد تیرے واسطے
کرتا ہے ورنہ چار گھڑی کب قرار عیش

مرہم پذیر عہد میں تیرے ہوا تمام
جمشید کے زمانے میں تھا دلفگار عیش

دیکھا جو آنکھ کھول کے تو آئی نظر خوشی
ہے تیرے روئے صاف کا آئینہ دار عیش

ہے روشنی جہان میں نشاط و سرور کی
چمکا ہے تیرے عہد میں خورشید دار عیش

آ کر ترے زمانے میں اس کے کھلے نصیب
مدت سے کھینچتا تھا پڑا انتظار عیش

کیا خانقاہ و میکدہ عشرت کدے ہیں سب
صوفی کریں خوشی تو کریں بادہ خوار عیش

ہے رنگ رنگ عیش مگر تیرے عہد میں
ہے رندگر کہیں کہیں پرہیز گار عیش

تیری زبان ہلی کہ جہاں ہو گیا نہال
رہتا ہے تیرے حکم کا امیدوار عیش

اس کا کہیں نشان تو کیا نام ہی نہ تھا
تو نے کیا ظہور ہوا آشکار عیش

پوری پڑے نہ محفل جمشید میں کبھی
جب تک نہ تیرے بزم سے لی مستعار عیش

رہنا بہشتیوں کو ہو جنت میں اک عذاب
گر خلد سے ہو بزم کا تیری دو چار عیش

مست شراب عیش ہیں سب تیری بزم میں
اک ہوشیار ہے تو بہت ہوشیار عیش

جز عیش کو کو بار تری بارگاہ میں
ہے عیش ہی کے واسطے لوٹی بہار عیش

شمع جمال پر ترے پروانہ ہے خوشی
جام نشاط سے ہی تری بادہ خوار عیش

آہو ہے شیر عہد میں تیرے پلنگ پر
صحرائے وحشیوں کو ہے تا کوہسار عیش

جمشید کی جبیں پہ یہ خط ہو کے مٹ گیا
یاں قصر خوش نگار کا نقش و نگار عیش

تو تلخ بھی سنائے تو یوں جی کو لطف آ لے
جیسے شراب تلخ سے خوشگوار عیش

کیا تیری بزم عیش کی کیفیتیں لکھوں
جس جا ہو بے حساب خوشی بے شمار عیش

گر ہے خوشی رفیق تو ہمدم ترا نشاط
گر دوست خرمی ہے تو ہر یاروں کا یار عیش

دن عیش رات عیش سحر عیش شام عیش
گہ دوستدار عیش گہے غمگسار عیش

ہے لاکھ لاکھ جاں سے صدقے تری خوشی
ہے لاکھ لاکھ جاں سے تجھ پر نثار عیش

آرام کیوں رہے نہ رعیت کو بے شمار
سرکار میں حضور کے ہے اہلکار عیش

کرتا ہوں اب دعا پہ قصیدے کے ختم میں
شاید کہ اس دعا سے ہو میرا بھی یار عیش

پھولیں پھلیں نہ عیش میں بھی تیرے مدعی
ہو تیرے دشمنوں کے کلیجے میں خار عیش

جلتے ہیں تیری عیش سے از بس بہت حسود
بنتا ہے ان کی جان پہ برق و شرار عیش

پھٹکے نہ پاس جیسے ترے دوستوں کے رنج
یوں تیرے دشمنوں سے کرے زینہار عیش

جب تک رہے جہاں میں یا رب خوشی کی دھوم
جب تک خوشی کے ساتھ رہے نامدار عیش

جب تک رہے زمانہ الٰہی بپے نشاط
جب تک ہو روزگار بپے روزگار عیش

جب تک رہے یہ باغ جہاں اک بہار پر
جب تک کرے ہزار چمن میں ہزار عیش

یا رب رہے ہمیشہ ہم آغوش عیش سے
تو ہمکنار عیش ترا ہمکنار عیش

یہ داغ مدح خواں ہے نمک خوار و جاں نثار
ہوں اس کو اک نگاہ سے تری ہزار عیش

قطعہ تاریخ تشریف آوری جناب مستطاب نواب محمد یوسف علی خاں

صاحب بہادر فردوس مکان تاب ثراہ از کلکتہ

کیا ولی عہد اور نواب آئے آج
برج صد حشمت کی دو کوکب یہ آئے

دو مسیحا آئے بہر درد ہجر
خاطر طالب کے دو مطلب یہ آئے

دو قمر اکبار آئے ہیں نظر
تھا زبانوں پہ یہی جس شب یہ آئے

مژدہ اس آمد کا ہے سامان زیست
جان میں جان آئی گویا جب یہ آئے

بہر استقبال میں پہنچا مگر
کون جانے کون آئے کب یہ آئے

گوش بر آواز و لب پہ یہ دعا
مجھ کو سنوا دے کہیں یا رب یہ آئے

دیکھ کر گرد سواری یک بیک
منتظر یوں بول اٹھے سب یہ آئے

ایک کی تھی ایک سے تکرار یہ
میرا جذب شوق لایا جب یہ آئے

داغ نے بھی پیشکش تاریخ کی
شان و شوکت جاہ و اقبال اب یہ آئے

تعریف جشن زیبا جاہ دام ملکہ

1282ھ

تہنیت جشن نایاب

1282ھ

بھر کر شراب صاف پلا آج جام میں
ساقی ہے انجمن کی زباں پر ترانہ آج

1282ھ

1282ھ

رنگین بدل زمانہ تعجب نہیں گر اب

1282ھ

شادی کا زہرہ رنگ سے دے شادیانہ آج

1282ھ

پریوں کا جمگھٹ اور حسینوں کا جلسہ ہے

1282ھ

کیا ایک رنگ پر ہے یہ جشن شہانہ آج

1282ھ

فانوس جھاڑ آئینے پر لیمپ بھی
چمکا ہے بزم جشن سے دیوانہ خانہ آج

1282ھ

1282ھ

سارا ہے جلوہ کلب علی خاں کے دم سے آج

1282ھ

عہد سرور آج ہے جشن شہانہ آج

1282ھ

آفاق کیا سخاؤ کرم سے کیا بحال

1282ھ

حاتم کا کیا مٹایا جہاں سے فسانہ آج

1282ھ

یہ سروری کہ داد و دہش اس قدر کہ بس

کیا کیا دیا ہے دولت و مال و خزانہ آج

1282ھ

1282ھ

پیدا کیا ہے لعل خوش آب خوش آب آج کوہ میں

یکتا رہا صدف میں نہ گوہر کا دانہ آجا

1282ھ

1282ھ

پیہم ہے سجدہ زیر نہاں فرق فرقدان

1282ھ

کیا کیا ہوا بلند ترا آستانہ آج

1282ھ

کچھ سہم کی نہیب سے تھرائے شکل بید

1282ھ

لیجیے جو مدعی پہ ترا تازیانہ آج

1282ھ

موج عطا سے پاس ہوا خواہ شادمان

حاسد کا دم ہے تن سے ہو بیشک روانہ آج

1282ھ

1282ھ

داغ مدح سنج مداح نواب

تمت بالخیر

از نتائج افکار دربار جناب نواب ضیاءالدین احمد خاں صاحب بہادر

متخلص بہ نیر درخشاں دہلوی

نازم آن نخلبند معنی را

کہ بیا راست از سخن صد باغ

گل رنگین باغ دل افروز

درد خوشبوی عطر بیز دماغ

اوج نازک خیالی اورا

باید آنسوی عرش جست سراغ

معنی نغز ازدلش ریزان

چون مئی ناب از کنارا یاغ

کردہ مشکین غزال مضمون صید

صفحہ خاطر ش فتن را راغ

جمع کردہ کلام روشن خویش
کہ شبستان فکر راست چراغ

ہر گہ از طبع تازہ اش دلخواہ
للہ الحمد دست داد فراغ

سال ختمش بخوان کہ این دیوان
زد بدلہا حدید سکہ داغ

ساخت این قطعہ نیر از دہلی
نزد نواب میرزا ابلاغ

تقریظ ریختہ کلک گوہر سلک معنی نگار سید نور الحسن خان بہادر متخلص

بہ کلیم خلف الصدق نواب امیر الملک والا جاہ مولوی سید محمد صدیق حسن خان بہادر فرمانروای ریاست بھوپال

ذوقیست ہمدمی بفغان بگذرم ز رشک
خار رہت بپای عزیزان خلیدہ باد

قطعہ تاریخ چکیدہ کلک گہر سلک تدبیر الدولہ مدبر الملک منشی مظفر علی خان بہادر بہادر جنگ متخلص بہ اسیر لکھنوی

باغ ابراہیم ہے دیوان داغ
خار اعدا کو دیا اس باغ نے

مصرعہ تاریخ یہ لکھا اسیر
کیا جلایا حاسدوں کو داغ نے

1296ھ

قطعہ تاریخ ریختہ طبع شاعر نازک خیال

سید ضامن علی صاحب جلال

باغ دیوان داغ کا پھولا
تازہ مژدہ صبا یہ لائی آج
طبع کے سن جلال نے لکھے
بوے گلزار داغ آئی آج

1296ھ

قطعہ تاریخ نتیجہ طبع سراپا لطافت محمد

عظمت علی خان صاحب بہ عظمت

دیوان ہے یا ہے نسخہ اعجاز عیسوی
معنی ہیں تازہ تازہ مضامین عجیب عجیب
عظمت جو یہ کلام ہوا زیب گوش خلق
تاریخ اس کی میں نے کہی در منتخب

قطعہ تاریخ نتیجہ فکر سلیم منشی

شیخ امیر اللہ صاحب تسلیم دام فیضہ

حضرت داغ کا چھپا دیوان
سو تکلف کا ہے بیان سلیس
فکر تاریخ ہی تو اے تسلیم
جلد کہدے کلام داغ نفیس

قطعہ تاریخ نتیجہ طبع رسائے سخنور یکتا
منشی صابر حسین صاحب صبا

خوشا نظم داغ سخن سنج یکتا
کہ فروست در عالم بے مثالی
بتاریخ طبعش صبا خوش رقم زد
کہ گنج معانی مضامین عالی
شداز جلوۂ طبع مطبوع عالم
کلام دل افروز داغ سخن گو
صبا گفت تاریخ در سال طبعش
کہ گنج معانی مضامین نیکو

کلام نواب میرزا خان نہ کیوں ہو مطبع دہر چھپ کر
مزا معانی میں سحر کا ہے مذاق جادو بھرا ہوا ہے
مجال کس کی صبا جو ایسی سنائے تاریخ بے تکلف
بیان ہے سوز و ساز عاشق زبان معشوق با ادا ہے

1296ھ

قطعہ تاریخ نتیجہ طبع رسائے سخنور بے ہمتا منشی گوبند لعل صاحب صبا

ریخت از باد نفس گنج سخن در گوش خلق
کرد دیوانی مرتب طبع گردون کرد داغ
از پے ترتیب و طبعش چون نمودم فکر سال
از سروش آمد بگوشم گنج یاد آورد داغ

1296ھ

قطعہ تاریخ ریختہ قلم جواہر رقم درفن شعر مشاق منشی بہاری لعل صاحب مشتاق

زہے شاعر نغز گفتار داغ
کہ در شاعری میکند ساحری
پے طبع دیوانش جستیم سال
چکید از قلم نسخہ شاعری

1296ھ

قطعہ تاریخ نتیجہ طبع وقاد صاحبزادہ محمد عطا اللہ خان صاحب عاشق ساکن مصطفیٰ آباد

اللہ رے دھوم داغ کا دیوان ہوا جو طبع

اک شور تہنیت ہے زمانے میں جا بجا
عاشق بگوش ہوش ذرا تو بھی سن اسے
ہاتف یہ کہہ رہا ہے مضامین دلکشا

قطعہ تاریخ ریختہ طبع با استعداد احسان علی خان ساکن مصطفیٰ آباد

چھپا میرے استاد کا جبکہ دیوان
ہوا اک زمانے میں یہ شہرت افزا
جو پوچھے کوئی اس کی تاریخ احسان
تو کہہ دوں میں گلدستہ فرحت افزا

1296ھ

قطعہ تاریخ نتیجہ طبع نکتہ سنج حافظ غلام رسول صاحب دہلوی متخلص بہ ویران شاگرد شیخ براہیم ذوق

داغ چون ساختہ دلچسپ مرتب دیوان
دل احباب شداز دیدن او خرم وشاد
ہریک از بسکہ بسا گرم مضامینش یافت
سال او گفت کہ حساد ورا داغ بداہ

قطعہ تاریخ ریختہ قلم گوہر رقم شیخ الہٰی بخش صاحب خوش رقمی نصیب متخلص بہ غریب

کشت بصد فرخی طبع چو دیوان داغ
آنکہ بود و سخن ماہر و شاگرد ذوق
از پے تاریخ اوکرد تجسس غریب

داد ندا ہا تفتش دفتر ارباب سق

قطعہ تاریخ ریختہ قلم بلاغت سید جمیل احمد صاحب خواہرزادہ سید جلیل احمد سہسوانی

چھپا جب داغ کا دیوان رنگین
کہ لعل بے بہا در عدن ہے پے
تاریخ شاخ کلک ترسے
کھلا غنچہ گلستان سخن

1296ھ

قطعہ تاریخ نتیجہ طبع و قاد جامع محاسن صوری معنوی منشی امیر احمد صاحب امیر لکھنوی

کیا شگفتہ ہی طبع حضرت داغ
داغ کھائے ہیں باغ نے کیسے
تو بھی تاریخ امیر لکھ رنگین
گل کھلای یہ داغ کیسے

1296ھ

قطعہ تاریخ نتیجہ طبع پاکیزہ گہر منشی محمد احمد صاحب قمر سلمہ اللہ الا کبر

ماشاء اللہ طرفہ دیوان چھپا
سب شعر میں ارباب سخن کو مقبول

تاریخ کی طبع کی میں نے قمر
دیوان ہے داغ کا کھلے ہیں پھول
حضرت نواب مرزا خان داغ

قطعہ تاریخ نتیجہ طبع جوہر تاہل قد اعلیٰ خان صاحب عاقل

میرو سودا سے ابھی جو غالب ہیں اب
واہ کیا دیوان چھپا صل علی
میں بلا کے بندشیں مضمون غضب
اس کی عاقل نے لکھی تاریخ یوں
روز مرہ دہلی کا ہی سب

قطعہ تاریخ از نتائج افکار سید قطب الدین اشک حسنی دہلوی تلمیذ جناب داغ مدظلہم العالی

ہزار شکر کہ مطبع میں پھر چھپا وہ کلام
کہ جو ہے اہل مضامین کے دل کا چشم چراغ
یہ وہ کلام ہے جس میں جہان کی لذت
یہ وہ کلام ہے سنتے ہیں جس کو اہل داغ
یہ وہ کلام ہے کہتے ہیں جس کو شمع بزم
یہ ہے وہ شمع کہ جس نے دیا ہے مہر کو داغ
یہ وہ کلام ہے کہتے ہیں جس کو رشک چمن
یہ وہ چمن ہے کہ قربان اس پر لاکھوں باغ
تمام خلق میں پھیلی ہیں اس کی خوشبوئیں

مہک رہی ہیں اسی واسطے ان کے دماغ

یہ بات داد الٰہی ہے کس کو ملتی ہے

پھریں ہزار اگر جستجو میں بہر سراغ

یہ بات داد الٰہی ہے کس کو ملتی ہے

پھریں ہزار اگر جستجو میں بہر سراغ

نہ کیونکر ایک زمانہ ہو ان کا پروانہ

تمام ہند میں روشن ہے آج ایک چراغ

میں اس خیال میں کیا لکھوں تاریخ

کیا سروش نے مجھ سے گل مراد داغ

اللہ رے مرتبہ مرے عجز و نیاز کا
گویا جواب ہے یہ ترے کبر و ناز کا

دے مجھ کو داغ عشق کہ احسان مان لوں
اس درد جاں فزا و غم دل نواز کا

کھا کھا کے رشک تیرے شہیدان عشق سے
غم کھا نہ جائے خضر کو عمر دراز کا

بگڑے ہوئے بھی تیغ حقیقت کے زخم زخم
ہنس ہنس کے منہ چڑھاتے ہیں عشق مجاز کا

گو مہر لب ہے حکم ترا اس کا کیا علاج
دل بولتا ہے خود بخود آگاہ راز کا

عالم تمام چشم حقیقت نگر بنا
منہ دیکھتا ہے آئینہ آئینہ ساز کا

یوسف کو چاہ میں تو مسیحا کو چرخ پر
عالم دکھا دیا ہے نشیب و فراز کا

ہر چند راہ کعبہ و بت خانہ ایک ہے
اے راہ رو ہے کام یہاں امتیاز کا

جل جل کے تیرے عشق میں گھل جائیں استخواں
مانند شمع لطف ہے سوز گداز کا

ناکامی دوام بھی ہو عشق جاوداں
کن نعمتوں کو حکم دیا ہے جواز کا

رتبے سے میری قیصر و سنجر کو رتبہ کیا
میں ہوں غلام شاہ عراق و حجاز کا
مجھ کو نہ کیونکر اس کی غلامی پہ فخر ہو
محمود ایک بردہ ہے جس کے ایاز کا
کونین جس کے ناز سے چکرا رہے ہیں داغ
میں ہوں نیاز مند اسی بے نیاز کا

☆☆☆☆☆

تو جو اللہ کا محبوب ہوا خوب ہوا
یا نبی خوب ہوا خوب ہوا خوب ہوا
شب معراج یہ کہتے تھے فرشتے باہم
سخن طالب و مطلوب ہوا خوب ہوا
اے شہنشاہ رسل فخر رسل ختم رسل
خوب سے خوب خوش اسلاب ہوا خوب ہوا
حشر میں امت عاصی کا ٹھکانا ہی نہ تھا
بخشوانا تجھے مرغوب ہوا خوب ہوا
حسن یوسف میں ترا نور تھا اے نور خدا
چارۂ دیدۂ یعقوب ہوا خوب ہوا
تھے سبھی پیش نظر معرکہ کرب و بلا
صبر میں ثانی ایوب ہوا خوب ہوا
فخر آدم کو نہ ہوتا جو فرشتہ ہوتا
بنی آدم سے جو منسوب ہوا خوب ہوا

داغ ہے روز قیامت مری شرم اس کے ہاتھ
میں گناہوں سے جو محجوب ہوا خوب ہوا

☆☆☆☆☆

عیب نکلا جو ہنر پیدا کیا
ہم نے کھویا جس قدر پیدا کیا

جس نے مضمون کمر پیدا کیا
اس نے ناپید مگر پیدا کیا

کھوئے دیتا ہے مجھے دنیا سے وہ
جس کو میں نے ڈھونڈ کر پیدا کیا

اہل جنت کو بھی آیا اس سے رشک
جس کسی نے دل میں گھر پیدا کیا

اے زہے سرمایہ رنج و الم
ہم نے جس کو عمر بھر پیدا کیا

آسماں تو آسماں ہی رہ گیا
نام تو نے فتنہ گر پیدا کیا

داغ کھائے فرقت اغیار کے
تم نے میرا سا جگر پیدا کیا

شرم ہے پیدا کئے کی اس کے ہاتھ
جس نے مجھ کو بے ہنر پیدا کیا

عشق نے کیا کیا دکھائے شعبدے
دل ادھر کھویا ادھر پیدا کیا

چٹکیاں لینے لگا کچھ دل میں درد
عشق نے کم کم اثر پیدا کیا

ہائے رے میں واہ کیا کہنا مرا
رنج ان کو چھیڑ کر پیدا کیا

مدعا یہ تھا کہ ہم دیکھیں تجھے
ورنہ کیوں نور نظر پیدا کیا

جینے دیتا کس کو داغ روسیاہ
پر خدا نے دیکھ کر پیدا کیا

☆☆☆☆☆

ترے قدم سے عرش بنے دوش نقش پا
صلی علی کہے لب خاموش نقش پا

بھر دے اگر قدم سے وہ آغوش نقش پا
پھولا سمائے پھر نہ تن و توش نقش پا

شور اس خرام نازکا محشر سے بڑھ گیا
کیا گوش خلق پھوٹ گئے گوش نقش پا

پھرتے ہیں بے قرار بہت تیری راہ میں
کہتا ہے صاف صاف یہی جوش نقش پا

کیا سر زمین کوچہ قاتل ہے فتنہ خیز
اڑنے لگے ہوا کی طرح ہوش نقش پا

بچتے ہیں خاکسار سے اہل آبرو
دیکھا نہیں حباب کو سرپوش نقش پا

ہم خاک بوسہ لیں کہ تیری رہگذر میں
ہتے چڑھے صبا کے تن و توش نقش پا

افتادگی میں کوئی سہارا نہیں مجھے
معراج ہو جو ہاتھ لگے دوش نقش پا

اس رہگذر کا ناصح مشفق نہ ذکر کر
یاد آ نہ جائے مشکل فراموش نقش پا

دشت جنوں میں قید کا پیرو ہوا ہوں میں
کانٹوں پہ کھینچتا ہے مجھے جوش نقش پا

افتادگان خاک کا رتبہ تو دیکھیے
باد صبا ہے غاشیہ بردوش نقش پا

لازم ہے یوں مسافر راہ عدم چلے
جیسے سبک رواں و سبکدوش نقش پا

مل جائیں آسماں و زمین کوئے غیر میں
بن جائے ہر ستارہ در گوش نقش پا

محشر میں بھی وہ فتنے نہ دیکھیں گے اہل حشر
جو دیکھتے ہیں آپ کے مدہوش نقش پا

تم شوخیوں سے پاؤں تو رکھو زمین پر
کھل کھیلتے ہیں اب لب خاموش نقش پا

روندی نہیں ہے آپ نے کیا قبر داغ کی!
پھولوں کی چادروں سے چھپا جوش نقش پا

☆☆☆☆☆☆☆

دیکھو جس مسکرا کے تم آگوش نقش پا
گستاخیاں کرے لب خاموش نقش پا

کس کے خرام سے یہ اڑے ہوش نقش پا
بیٹھی ہوئی ہے مجلس خاموش نقش پا

آسودگان خاک کی کہتا وہ سرگذشت
رکھتا نہیں زباں مگر گوش نقش پا

ہے خار خار حسرت افتاد کی غذا!
بے نیش کے نہیں ہے خورد نوش نقش پا

مٹ جائے گا مگر نہ کھلے گا یہ اے صبا
غنچہ کا منہ نہیں لب خاموش نقش پا

رکھوں قدم جو غیر کے نقش قدم پہ میں
انگشت پا مروڑے وہیں گوش نقش پا

آسودگان خاک کی آنکھوں کے ہیں نشاں
تری گلی میں اور ہو یوں جوش نقش پا

پائی مرے سراغ سے دشمن نے راہ دوست
اے بیخودی مجھے نہ رہا ہوش نقش پا

کس طرح غیر اس کے قدم پر قدم دھریں
میرا نشان سجدہ ہے روپوش نقش پا

میں خاکسار عشق ہوں آگاہ راز عشق!
میری زبان سے حال سنے گوش نقش پا

آئے بھی وہ چلے بھی گئے میری راہ سے
میں نامراد و والہ و مدہوش نقش پا

مجھ ناتواں کی خاک کو پامالیوں کے بعد

دوش صبا ملا جو چھٹا دوش نقش پا

ٹوٹا ہے ہار راہ میں کس مست ناز کا

ہے غنچہ موتیا کا درگوش نقش پا

رکھا قدم نہ بھول کے بھی میری قبر پر

اے کوچہ گرد وعدہ فراموش نقش پا

یہ کون میرے کوچے سے چھپ کر نکل گیا

خالی نہیں ہے فتنوں سے آگوش نقش پا

ملتے ہیں خاکسار گلے خاکسار سے

ہوتا ہے نقش پا بھی ہم آغوش نقش پا

یہ داغ کی تو خاک نہیں کوئے یار میں !

اک تشنہ وصال ہے آغوش نقش پا

☆☆☆

چل رہا ہے خنجر فولاد کیا

اس کے ہتے چڑھ گئی بیداد کیا

میں نوید وصل سن کر مرگیا

نامبارک تھی مبارک باد کیا

جل کے پھنکا تو نے کیوں آئینہ رو

آگ تھا آئینہ فولاد کیا

حسن شریں پر جو ہے لیلیٰ کو ناز

کس طرح سے اس کے دل میں گھر کروں

تیرے کوچے میں بپا ہے حشر کیوں

ہو گیا خالی عدم آباد کیا

ان کی صورت دیکھتے رہتے ہیں ہم

دیکھیے کس وقت ہو ارشاد کیا

اپنے دل پر ظلم جو کرتے ہیں ہم

ہو سکے گی تجھ سے وہ بیداد کیا

دل میں طاقت ہو تو سب کچھ ہو سکے

عرش تک جاتی نہیں فریاد کیا

کر لیا رنگ حنا نے دل اسیر

آپ کی مٹھی میں ہے صیاد کیا

باعث گریہ نہ پوچھ اے ہم نشیں

کیا کہوں میں آ گیا تھا یاد کیا

فصل گل میں کیوں ہے بلبل نغمہ سنج

آپ اپنے منہ مبارک باد کیا

داغ شب کو زہر کھا کر مر گیا

لو اٹھو بیٹھے ہوئے ہو شاد کیا

☆☆☆

ایک ہی رنگ ہے سب کا یہ تماشا کیسا

کوئی کیسا ہے کوئی چاہنے والا کیسا

رائے ہم یاس میں اس رنگ کا رونا کیسا

پانی ہو ہو کے بہا خون تمنا کیسا

عرصہ حشر میں انصاف ہمارا کیسا

دیکھنا یہ ہے کہ ہوتا ہے تماشا کیسا

بخش دے اس بت سفاک کو اے داور حشر
خون ہی مجھ میں نہ تھا خون کا دعوا کیسا

ڈھونڈتے پھرتے ہو بازار میں ہم کیا دیں گے
مفت ہاتھ آئے تو فرماؤ وہ سودا کیسا

وہی جنت ہے جو وحشت میں کہیں دل بہلے
لوگ صحرا لیے پھرتے ہیں صحرا کیسا

نیند آئی ہے بڑی رات گئے آئے ہو
سرخ آنکھوں میں بھلا نشہ صہبا کیسا

ڈوبتے ہیں عرق شرم میں غیرت والے
ڈوب مرنے ہی پہ جب آئے تو دریا کیسا

نامہ بر تو نے بھی دیکھا ہے اسے سچ کہنا
گات کیسی ہے پھبن کیسی ہے نقشا کیسا

خوبیاں لاکھ کسی میں ہوں تو ظاہر نہ کریں
لوگ کرتے ہیں بری بات کا چرچا کیسا

تیرے قربان کوئی دم یہی تکرار رہے
دل ہمارا ہے ہمارا ہے تمہارا کیسا

دیکھتے ہو طرف سنگ در آتے جاتے
مجھ کو دیکھو کہ ہوا ناصیہ فرسا کیسا

قیس و فرہاد کے قصے تو سنا کرتے تھے
داد دو اس کی کہ ہم نے تمہیں چاہا کیسا

ہم حقیقت میں سمجھتے ہیں اسے تکیہ کلام
آپ دل لے کے کہے جایئے کیسا کیسا

غیر کے غم میں وہ خاموش تھے میں نے پوچھا
جی ہے کیسا تو کہا تیرا کلیجہ کیسا

تم سلامت رہو ہر روز قیامت ہو گی
ہم بھی دیکھیں گے تماشے پہ تماشا کیسا

مجھ کو یہ شکوہ کہ اقرار وفا جھوٹا تھا
ان کو یہ ناز کیا ہم نے یہ وعدہ کیسا

جاں نثاروں کو نہ دیکھا یہ بہانہ رکھ کر
جان پر کھیلنے والوں کو تماشا کیسا

اے قیامت تجھے کیا آنکھ اٹھا کر دیکھوں
بس رہا ہے مری آنکھوں میں تماشا کیسا

مجھ سے بھی دل نہ لیا غیر سے بھی جان نہ لی
آ گیا ہے یہ تمہیں اپنا پرایا کیسا

غیر کا ذکر وفا اور ہمارے آگے
داغ اس بات سے جلتا ہے کلیجا کیسا

☆☆☆

تو ہی اپنے ہاتھ سے جب دلربا جاتا رہا
دل کی بھی پروا نہیں جاتا رہا جاتا رہا

جس توقع پر تھی اپنی زندگی وہ مٹ گئی
جو بھروسا تھا ہمیں وہ آسرا جاتا رہا

میں نے دیکھا ان کی زلفوں کو تو فرمانے لگے
آپ کا دل کھل پڑا گم ہو گیا جاتا رہا

دل چرا کر آپ تو بیٹھے ہوئے ہیں چین سے

ڈھونڈنے والے سے پوچھے کوی کیا جاتا رہا

مرگ دشمن کا زیادہ تم سے ہے مجھ کو ملال

دشمنی کا لطف شکووں کا مزا جاتا رہا

ہو سکے مطلب نگاری کیا پریشاں طبع سے

ذہن میں آتے ہی حرف مدعا جاتا رہا

اچھی صورت کی رہا کرتی ہے اکثر تانک جھانک

رہ گئیں آنکھیں مگر وہ دیکھنا جاتا رہا

دیکھو دیکھو مجھ پر برساتے رہو تیز نگاہ

صید جس دم آنکھ سے اوجھل ہوا جاتا رہا

کس قدر ان کو فراق غیر کا افسوس ہے

ہاتھ ملتے ملتے سب رنگ حنا جاتا رہا

حرص دامن گیر دنیا مال دنیا بے ثبات

جس قدر حاصل کیا اس سے سوا جاتا رہا

اب کئی دن سے وہ رسم و راہ بھی موقوف ہے

ورنہ برسوں نامہ بر آتا رہا جاتا رہا

داغ کچھ درہم نہ تھا جس کا انہیں ہوتا ملال

ہو گیا گم ہو گیا جاتا رہا جاتا رہا

☆☆☆

غیر کو منہ لگا کے دیکھ لیا

جھوٹ سچ آزما کے دیکھ لیا

ان کے گھر داغ جا کے دیکھ لیا

دل کے کہنے میں نے آ کے دیکھ لیا

کتنی فرحت افزا تھی بوئے وفا
اسنے دل کو جلا کے دیکھ لیا

کبھی غش میں رہا شب وعدہ
کبھی گردن اٹھا کے دیکھ لیا

جنس دل ہے یہ وہ نہیں سودا
ہر جگہ سے منگا کے دیکھ لیا

لوگ کہتے ہیں چپ لگی ہے تجھے
حال دل بھی سنا کے دیکھ لیا

جاؤ بھی کیا کرو گے مہر و وفا
بارہا آزما کے دیکھ لیا

زخم دل میں نہیں ہے قطرہ خوں
خوب ہم نے دکھا کے دیکھ لیا

ادھر آئینہ ہے ادھر دل ہے
جس کو چاہا اٹھا کے دیکھ لیا

ان کو خلوت سرا میں بے پردہ
صاف میدان پا کے دیکھ لیا

اس نے صبح شب وصال مجھے
جاتے جاتے بھی آ کے دیکھ لیا

تم کو ہے وصل غیر سے انکار
اور جو ہم نے آ کے دیکھ لیا

داغ نے خوب عاشقی کا مزا
جل کے دیکھا اور جلا کے دیکھ لیا

☆☆☆

بلا سے جو دشمن ہوا ہے کسی کا
وہ کافر صنم کیا خدا ہے کسی کا

دعا مانگ لو تم بھی اپنی زباں سے
کہ پورا ہو جو مدعا ہے کسی کا

ادھر آ کلیجے سے تجھ کو لگا لوں
تجھی پر تو دل آ گیا ہے کسی کا

کسی کی تپش میں خوشی ہے کسی کی
کسی کی خلش میں مزا ہے کسی کا

ذرا ڈال دو اپنی زلفوں کا سایہ
مقدر بہت نارسا ہے کسی کا

ہمیشہ اسے ہم نے ٹلتے ہی دیکھا
مگر دل بھی رنگ وفا ہے کسی کا

مری بزم میں آ کے وہ پوچھتے ہیں
برا حال ہم نے سنا ہے کسی کا

تم بھی کیے جاؤ ہم بھی ہیں حاضر
ہمیں حوصلہ دیکھنا ہے کسی کا

بچے جان کس طرح تیری ادا سے
قضا پر کہیں بس چلا ہے کسی کا

مری التجا پر بگڑ کر وہ بولے
نہیں مانتے اس میں کیا ہے کسی کا

وہ کرنے لگے ہیں قیامت کی باتیں

یہ سچ ہے تو بس فیصلہ ہے کسی کا
سنا کرتے ہیں چھیڑ کر گالیاں ہم
وگرنہ کوئی سرپھرا ہے کسی کا
تمہیں اس سے کیا بحث کیوں پوچھتے ہو
کوئی تذکرہ ہو رہا ہے کسی کا
بظاہر نہ جانے نہ جانے نہ جانے
تجھے داغ دل جانتا ہے کسی کا

☆☆☆

بتوں نے ہوش سنبھالا جہاں شعور آیا
بڑے دماغ بڑے ناز سے غرور آیا
اسے حیا ادھر آئی ادھر غرور آیا
مرے جنازے کے ہمراہ دور دور آیا
زباں پہ ان کے جو بھولے سے نام حور آیا
اٹھا کے آئینہ دیکھا وہیں غرور آیا
تمہاری بزم تو ایسی ہی تھی نشاط افزا
رقیب نے بھی اگر پی مجھے سرور آیا
کہاں کہاں دل مشتاق دید نے یہ کہا
وہ چمکی برق تجلی وہ کوہ طور آیا
تری زمین کی گلی اور اس قدر پامال
مگر یہاں کوئی مشتاق و ناصبور آیا
جہاں میں لاکھ حسیں ہوں تو انکو رشک نہیں
قیامت آ گئی جس وقت نام حور آیا

عدو کو دیکھ کے آنکھوں میں اپنے خون اترا
وہ سمجھے بادہ گل رنگ کا سرور آیا

تری گلی میں رہی بازگشت مثل نفس
کہ جتنی دور گیا واپس اتنی دور آیا

قسم بھی وہ کبھی قرآں کی نہیں کھاتے
یہ رشک ہے انہیں کیوں اس میں ذکر حور آیا

پیام برتری باتوں میں ہم کب آتے ہیں
وہاں ضرور گیا اور تو ضرور آیا

کہا جب اس نے تہ تیغ کون آتا ہے
پکار اٹھا دل مشتاق و ناصبور آیا

پیام بر سے شب وعدہ وہ بگڑ بیٹھے
بنے بنائے ہوئے کام میں فتور آیا

کسی نے جرم کیا مل گئی سزا مجھ کو
کسی نے شکوہ کیا مجھ پہ منہ ضرور آیا

جو خم کو جوش تو ساغر کو آ گیا چکر
مرے ہی دل کو نہ اس بزم میں سرور آیا

گزار دی شب وعدہ اسی توقع پر
مرے بلانے کو اب آدمی ضرور آیا

کہیں تھی راہ نمائی کہیں تھی راہ زنی
کہیں ملا کہیں میں کارواں سے دور آیا

لگاوٹیں ہیں تجلی کی یہ تو اے موسیٰ
کہ سرمہ بن کے آنکھوں میں کوہ طور آیا

الٰہی شک مصیبت کی آرزو رکھنا

یہ بے کسی میں برے وقت پر ضرور آیا

خدا نے بخش دیے حشر میں بہت عاشق

خیال یار میں کوئی نہ بے قصور آیا

ترے نصیب کا اے دل وہاں بھی صبر نہیں

جواب گیا وہ قیامت کے دن ضرور آیا

بنے ہو بزم میں ساقی تو یہ خیال رہے

کسے سرور نہ آیا کسے سرور آیا

شہید ناز بھی عاشق مزاج بھی میں ہوں

اسی لیے ملک الموت بن کے حور آیا

وہیں سے داغ سیہ بخت کو ملی ظلمت

جہاں سے حضرت موسیٰ کے ہاتھ نور آیا

☆☆☆

کیا لطف ستم یوں انہیں حاصل نہیں ہوتا

غنچے کو وہ ملتے ہیں اگر دل نہیں ہوتا

دل کا کوئی حامی دم بسمل نہیں ہوتا

کمبخت کلیجا بھی تو شامل نہیں ہوتا

کچھ تازہ مزہ شوق کا حاصل نہیں ہوتا

ہر روز نئی آنکھ نیا دل نہیں ہوتا

انکار رہا خواب میں بھی وصل سے اس کو

معشوق کسی حال میں غافل نہیں ہوتا

ایسا تو نہ ہو حشر میں تکرار کی ٹھہرے

تو اپنی خطا پر کبھی قائل نہیں ہوتا
جس آئینے کو دیکھ لیا قہر سے اس نے
اس آئینے کے کوئی مقابل نہیں ہوتا
کیا عشق سے نفرت ہے کہ وہ پوچھ رہے ہیں
کوئی بھی وہ بستی ہے جہاں دل نہیں ہوتا
غمزہ بھی سفاک نگاہیں بھی ہوں خونریز
تلوار کے باندھے سے تو قاتل نہیں ہوتا
انکار تو کرتے ہو مگر یہ بھی سمجھ لو
بے وجہ کسی سے کوئی سائل نہیں ہوتا
چلنے کا رہ دوست میں سامان نہیں بنتا
پہنچیں تو ٹھکانا سر منزل نہیں ہوتا
جس دن پئے گلگشت نکلتے ہیں وہ گھر سے
رکھتے ہی نہیں پاؤں جہاں دل نہیں ہوتا
کیا ناک میں دم ہے دل دشوار طلب نے
وہ کام بگڑتا ہے جو مشکل نہیں ہوتا
اب دل سے کھٹکتا ہے الگ خار تمنا
کھٹکے کی جگہ کوئی بھی شامل نہیں ہوتا
منزل پہ جو پہنچے تو ملے قیس کو لیلیٰ
ناقے سے جدا کیا کبھی محمل نہیں ہوتا
کھل کھیلیں وہیں آپ جہاں چار میں بیٹھے
یہ شرم یہ پردہ سر محفل نہیں ہوتا
میں اور شب تیرہ و صحرائے خطرناک

رہبر کا پتہ سینکڑوں منزل نہیں ہوتا

بن جاتے ہیں نادان وہ کیسے پئے تسکین

رکھتے ہیں وہاں ہاتھ جہاں دل نہیں ہوتا

میں دل سے بھی ہوشیار جگہ سے بھی خبردار

جب آنکھ لگاتا ہوں تو غافل نہیں ہوتا

رکھ لوں ترے پیکاں کو کلیجے سے لگا کر

لاپتا کبھی ہوتا ہے کبھی دل نہیں ہوتا

دیتے ہیں تجھے اہل ہوس نقد دل ایسا

جو تیرے غلاموں کے بھی قابل نہیں ہوتا

یہ داد ملی ان سے مجھے کاوش دل کی

جس کام کی عادت ہو وہ مشکل نہیں ہوتا

اے داغ کس آت میں ہوں کچھ بن نہیں آتی

وہ چھینتے ہیں مجھ سے جدو دل نہیں ہوتا

☆☆☆

جس نے ہمارے دل کا نمونہ دکھا دیا

اس آئینے کو خاک میں اس نے ملا دیا

معشوق کو اگر دل بے مدعا دیا

پوچھے کوئی خدا سے کہ عاشق کو کیا دیا

بے مانگے درد عشق و غم جاں گزا دیا

سب کچھ ہمارے پاس ہے اللہ کا دیا

ناوک ابھی ہے شست میں صیاد کے مگر

اٹھتے ہی انگلیاں وہ نشانہ اڑا دیا

رکھتے ہیں ایسے چاند کو تو غیر بھی عزیز
یوسف کے بھائیوں نے کنوئیں میں گرا دیا

ملتا ہے لخت دل مجھے سرکار عشق سے
اچھی جگہ نصیب نے ٹکڑا لگا دیا

صرف بنائے بت کدہ اے شیخ کچھ نہ پوچھ
اکثر اک اینٹ کے لیے مسجد کو ڈھا دیا

ملتے ہیں تیرے چاہنے والے میں تیرے ڈھنگ
جو تجھ پر مٹ گیا مجھے اس نے مٹا دیا

مضمون شوق چھپ نہ سکا اس کو کیا کروں
گو میں نے خط رقیب کے خط میں ملا دیا

دنیا میں اک یہی ہے زیارت گہہ جنوں
خانہ خرابیوں نے مرا گھر بنا دیا

لب خشک ہو رہے ہیں کف دست سرخ ہیں
لو سچ کہو کہ قول رقیبوں کو کیا دیا

تیر فراق داغ تمنا و رشک غیر
دل ہو جگر ہو کھاتے ہیں سب آپ کا دیا

پیکان یار سینے سے کیونکر نکال دوں
یہ ہے خدا کی دین کہ دل دوسرا دیا

تاحشر منکرین قیامت نہ مانتے
تجھ کو بنا کے اس کا نمونہ دکھا دیا

سمجھیں گے خوب اک بت ناآشنا سے داغ
گرا ایک بار اور خدا نے ملا دیا

☆☆☆

انکار مے کشی نے مجھے کیا مزا دیا

سینے پہ چڑھ کے اس نے خم مے پلا دیا

ہر اک کو مستعار دل مبتلا دیا

یوں ہم نے اک زمانے کو عاشق بنا دیا

جو کچھ ہو اب تو دل تجھے اے بیوفا دیا

تقدیر نے بگاڑ دیا یا بنا دیا

آخر کو جوش گریہ نے اتنا اثر کیا

نقش مراد صفحہ دل سے مٹا دیا

احسان مانتا ہوں ستم ہائے غیر کا

بگڑا ہوا مزاج تمہارا بنا دیا

وہ نامراد لطف اسیری ہوں ہم صغیر

صیاد نے بھی مجھ کو چمن سے اڑا دیا

اپنی تو زندگی ہے تغافل کی وجہ سے

وہ جانتے ہیں خاک میں ہم نے ملا دیا

تھوڑی سی پی کے تلخی مئی کا گلا رہا

جب منہ کو لگ گئی تو نہایت مزہ دیا

وہ ناز سے زمین پر رکھتے نہ تھے قدم

تعریف کر کے اور بھی ہم نے اڑا دیا

کام آ گیا ہجوم رقیبوں کا بزم میں

اس فتنہ گر کی آنکھ سے مجھ کو چھپا دیا

تعریف جور اور پھر اس شدومد کے ساتھ

میری زبان نے مجھے جھوٹا بنا دیا

یوں ہو گئی نجام یہ تدبیر بن پڑی

ناصح کو ہم نے غیر کے پیچھے لگا دیا

کوئی بھی طول روز جزا سے غرض نہ تھی

میری شب فراق کی ضد نے بڑھا دیا

یاروں کا میرا ساتھ ہے مانند براق و ابر

رویا کیا بہت مجھے جس نے ہنسا دیا

انسان جانتے تو نہ لکھتے وہ یہ جواب

کیا جانے نامہ بر نے مجھے کیا بتا دیا

کہلا رہے ہیں حاتم ثانی جناب شیخ

کیا جانے می فروش کو حضرت نے کیا دیا

بخشا گیا جو داغ سیہ کار دیکھنا

جنت کہے گی آگ لگا دی جلا دیا

☆☆☆

کچھ تو قاتل کا تبسم نمک افشاں ہوتا

کیا ہی پھیکا مرے زخموں سے نمکداں ہوتا

موت کا تجھ کو نہ کھٹکا شب ہجراں ہوتا

میرے دروازے پر گر آپ کا درباں ہوتا

گر مرے ہاتھ تری بزم کا ساماں ہوتا

میزباں میں کبھی ہوتا کبھی مہماں ہوتا

عشق تاثیر جو کرتا تو نہ پنہاں ہوتا

رنج میرا ترے چہرے سے نمایاں ہوتا

دین و دنیا کے مزے جب تھے کہ دو دل ہوتے
ایک میں کفر اگر ایک میں ایماں ہوتا

دل کو آسودہ جو دیکھا تو انہیں ضد آئی
اس سے بہتر تو یہی تھا کہ پریشاں ہوتا

خلد میں بند رہے عیش کے سامان بیکار
لطف جب تھا کہ یہ مجموعہ پریشاں ہوتا

بے نیازی جو ہوئی میری تمنا سے ہوئی
مجھ کو ارماں جو نہ ہوتا تجھے ارماں ہوتا

عشق کچھ کھیل نہیں اے دل آرام طلب
سیکھنا تھا تجھے وہ کام جو آساں ہوتا

کیا غضب ہے نہیں انسان کو انسان کی قدر
ہر فرشتے کو یہ حسرت ہے کہ انساں ہوتا

حشر کے روز تجھے پاس عدالت ہو گا
بخش دیتا جو یونہی جرم تو احساں ہوتا

ہم پڑھ لیتے ہیں کلمہ بت کافر سن لے
تو نے دیکھا ہی نہیں کوئی مسلماں ہوتا

اے فلک ہجر میں گھنگھور گھٹا چھائی ہے
دامن ابر بھی میرا ہی گریباں ہوتا

ذبح کے بعد مجھے لطف خلش رہ جاتا
کاش خنجر میں ترے تیر کا پیکان ہوتا

مرض عشق طبیبوں نے بہت الجھایا
آخر کار یہ آزار ہی درماں ہوتا

ایک مدت سے ہے عادت مجھے تنہائی کی
پاس فردوس کے سنسان بیاباں ہوتا
شکر کرتا ہوں ملی نعمت غم کھانے کو
آج فاقہ ہی مجھے اے شب ہجراں ہوتا
ہو گئی بار گراں بندہ نوازی تیری
تو نہ کرتا اگر احسان تو احساں ہوتا
بے تلاشی لیے رہتا نہ کبھی دست جنوں
گر مری جیب کے اندر بھی گریباں ہوتا
داغ کو ہم نے محبت میں بہت سمجھایا
وہ کہا مان نہ لیتا اگر انساں ہوتا

☆☆☆

دل پہ اضطراب نے مارا
اسی خانہ خراب نے مارا
میری آنکھوں سے ہے عیاں پس مرگ
نرگس نیم خواب نے مارا
دیکھ لینا کہ حشر کا میدان
میرے حاضر جواب نے مارا
یاد کرتے ہو غیر کے اشعار
ہائے اس انتخاب نے مارا
دل لگاوٹ نے کر دیا بسمل
اور پھر اجتناب نے مارا
جس کو ڈھونڈا ملا نہ کعبے میں

ایسے خالی ثواب نے مارا

جان بچتی نظر نہیں آتی

اب نگاہ عتاب نے مارا

تھک گئے ہاتھ لکھتے لکھتے خط

اس سوال و جواب نے مارا

جا چکیں خلد میں کہ دوزخ میں

طول روز حساب نے مارا

وصل دیکھا اگر وصال ہوا

مجھ کو تعبیر خواب نے مارا

میری میت پہ کیوں نہ برسے نور

غیرت آفتاب نے مارا

مجھ کو بے تاب دیکھ کر بولے

آپ کے اضطراب نے م؛ارا

دیکھ کر جلوہ غش ہوئے موسیٰ

داغ مجھ کو حجاب نے مارا

☆☆☆

اس کعبہ دل کو کبھی ویراں نہیں دیکھا

اس بت کو کب اللہ کا مہماں نہیں دیکھا

کیا ہم نے عذاب شب ہجراں نہیں دیکھا

تم کو نہ یقیں آئے تو ہاں ہاں نہیں دیکھا

کیا تو نے مرا حال پریشاں نہیں دیکھا

اس طرح سے دیکھا کہ مری جاں نہیں دیکھا

جب ہاتھ پڑا وصل میں شوخی سے کسی کا
پھر ہم نے گریباں کو گریباں نہیں دیکھا

ہم جیسے ہیں ایسا کوئی دانا نہیں پایا
تم جیسے ہو ایسا کوئی ناداں نہیں دیکھا

راحت کے طلب گار ہزاروں نظر آئے
محشر میں کوئی جور کا خواہاں نہیں دیکھا

نظروں میں سمایا ہوا ساماں نہیں جاتا
لیلیٰ نے بھی قیس کو عریاں نہیں دیکھا

اس بت کی محبت میں قیامت کا مزا ہے
کافر کو بھی دوزخ میں پشیماں نہیں دیکھا

کہتے ہو کہ بس دیکھ لیا ہم نے ترا دل
دل دیکھ لیا اور پھر ارماں نہیں دیکھا

کیا ذوق ہے کیا شوق ہے سو مرتبہ دیکھوں
پھر بھ یہ کہوں کہ جلوہ جاناں نہیں دیکھا

محشر میں وہ نادم ہوں خدا یہ نہ دکھائے
آنکھوں سے کبھی ان کو پشیماں نہیں دیکھا

جو دیکھتے ہیں دیکھنے والے ترے انداز
تو نے وہ تماشا میری جاں نہیں دیکھا

ہر چند ترے ظلم کی کچھ حد نہیں ظالم
پر ہم نے کسی شخص کو نالاں نہیں دیکھا

گو نزع کی حالت ہے مگر پھر یہ کہوں گا
کچھ تم نے مرا حال پریشاں نہیں دیکھا

تم غیر کی تعریف کرو قہر خدا ہے
معشوق کو یوں بندہ احساں نہیں دیکھا

کیا جذب محبت ہے کہ سینے سے کھنچا
سفاک ترے تیر میں پیکاں نہیں دیکھا

ملتا نہیں ہم کو دل گم گشتہ ہمارا
تو نے تو کہیں اے غم جاناں نہیں دیکھا

جو دن مجھے تقدیر کی گردش نے دکھایا
تو نے بھی وہ اے گردش دوراں نہیں دیکھا

کیا داد ملے اس سے پریشانی دل کی
جس بت نے کبھی خواب پریشاں نہیں دیکھا

میں نے اسے دیکھا مرے دل نے اسے دیکھا
تو نے اسے اے دیدہ حیراں نہیں دیکھا

تم کو مرے مرنے کی یہ حسرت یہ تمنا
اچھوں کو بری بات کا ارماں نہیں دیکھا

لو اور سنو کہتے ہیں وہ دیکھ کے مجھ کو
جو حال سنا تھا وہ پریشاں نہیں دیکھا

تم منہ سے کہے جاؤ کہ دیکھا ہے زمانہ
آنکھیں تو یہ کہتی ہیں کہ ہاں ہاں نہیں دیکھا

کیا عیش سے معمور تھی وہ انجمن ناز
ہم نے تو وہاں شمع کو گریاں نہیں دیکھا

کہتی ہے مری قبر پہ رو رو کے محبت
یوں خاک میں ملتے ہوئے ارماں نہیں دیکھا

کیا پوچھتے ہو کون ہے کس کی ہے یہ شہرت
کیا تم نے کبھی داغ کا دیواں نہیں دیکھا

☆☆☆

تو ہے مشہور دل آزار یہ کیا؟
تجھ پر آتا ہے مجھے پیار یہ کیا؟
جانتا ہوں کہ مری جان ہے تو!
اور میں جان سے بیزار یہ کیا؟
پاؤں پر ان کے گرا میں تو کہا
دیکھ ہشیار خبردار یہ کیا؟
تیری آنکھیں تو بہت اچھی ہیں!
سب انہیں کہتے ہیں بیمار یہ کیا؟
کیوں مرے قتل سے انکار یہ کیوں؟
ا اس قدر ہے تمہیں دشوار یہ کیا؟
سر اڑاتے ہوں وہ تلواروں سے
کوئی کہتا نہیں سرکار یہ کیا؟
ہاتھ آتی ہے متاع الفت
ہاتھ ملتے ہیں خریدار یہ کیا؟
خوبیاں کل تو بیاں ہوتی تھیں
آج ہے شکوہ اغیار یہ کیا؟
لے لیے ہم نے لپٹ کر بوسے
وہ تو کہتے رہے ہر بار یہ کیا؟
وحشت دل کے سوا الفت میں

اور ہیں سینکڑوں آزار یہ کیا؟

ضعف رخصت نہیں دیتا افسوس

سامنے ہے در دلدار یہ کیا؟

باتیں سنئے تو پھڑک جایئے گا

گرم ہیں داغ کے اشعار یہ کیا؟

☆☆☆

روکنا دل کو کہ شوق زلف دلبر لے چلا

تھامنا مجھ کو کہ یہ سودا مرا سر لے چلا

اس کی محفل سے کہوں کیا دل کو کیونکر لے چلا

ہار کر اک بار چھوڑا پھر مکرر لے چلا

نالہ چن کر دل کی باتیں دل سے باہر لے چلا

یہ بشارت یہ خبر یہ مژدہ گھر گھر لے چلا

باندھ کر مشکیں خیال زلف دلبر لے چلا

سانپ کے منہ میں مرا مجھ کو مقدر لے چلا

چل دیا وہ شعبدہ گر میں یہی کہتا رہا

اس کو لینا وہ کوئی دل کو چرا کر لے چلا

ابر رحمت کا ہوا اہل جہنم کو گمان

سوئے دوزخ میں جو اپنا دامن تر لے چلا

وہ سدھارے اپنے گھر مجھ کو رہی کشمکش

ضبط نے کھینچا ادھر دل سوئے دلبر لے چلا

رشک دشمن نے مجھے آنکھیں دکھائیں دور سے

شوق نظارہ جو سوئے روزن در لے چلا

دل کی باتیں دل ہی جانے بیخودی شوق میں
کس طرح لایا خدا جانے یہ کیونکر لے چلا

پھر بلایا پھر کہا کچھ پھر اسے رخصت کیا
نامہ بر جب حسرتوں کا مرے دفتر لے چلا

کیا ہوا کس سخت جاں سے ہو گئی قاتل کو لاگ
چھانٹ کر دس بیس میں جو ایک خنجر لے چلا

سینکروں مہر شہادت ہیں مرے داغ گناہ
میں عدم کو خود بنا کر اپنا محضر لے چلا

آدمی کی کیا ہے طاقت جو ہوا کا ساتھ دے
ٹھوکریں کھا کر گرا جب مجھ کو رہبر لے چلا

خوب رضواں سے در فردوس پر جھگڑے ہوئے
جب بت کافر کو میں دل میں چھپا کے لے چلا

کاتب اعمال سے محشر میں ہو گی گفتگو
اس لیے میں آپ اپنا حال لکھ کر لے چلا

کوئی دامن گیر تھا کوئی گریباں گیر تھا
اس کو اپنے ساتھ جب میں روز محشر لے چلا

پوری اترے یہ قیامت سے نہیں مجھ کو امید
ایک ڈورا میں ترے قد کے برابر لے چلا

آنسوؤں کا قافلہ چلنے لگا نالے کے ساتھ
یہ جرس کی آواز پر اپنی لگا کے لے چلا

اس کی چتون پھرتے ہی محفل میں ہلچل پڑ گئی
مضطرب کو مضطرب مضطر کو مضطر لے چلا

منزل مقصود تک پہنچے بڑی مشکل سے ہم
ضعف نے اکثر بٹھایا شوق اکثر لے چلا

وائے قسمت اب نہ آئے گا نہ لائے گا جواب
لے چلا خط بھی تو صیدی کا کبوتر لے چلا

یہ حسیں ہی مہ جبیں یہ شہر ایسی لہر بہر
داغ کلکتے سے لاکھوں داغ دل پر لے چلا

☆☆☆

کس نے کہا کہ داغ وفادار مر گیا
وہ ہاتھ مل کے کہتے ہیں کیا یار مر گیا

دام بلائے عشق کی وہ کشمکش رہی
اک اک پھڑک پھڑک کے گرفتار مر گیا

میرے ہی دم سے زندہ ہے آزار عشق کا
میں مر گیا اگر تو یہ آزار مر گیا

محجوب کر نہ جرم انغاں پر کہ لطف کیا
شرم گناہ سے جو گنہگار مر گیا

بیداد گر کو رہ گئی کیا حسرت ستم
جب اپنی موت کوئی دل افگار مر گیا

بدتر ہے موت سے بھی زیادہ یہ زندگی
وہ جی گیا جو عشق کا بیمار مر گیا

ہے تیرے جنس حسن میں تاثیر زہر کی
جس کی نظر پڑی وہ خریدار مر گیا

آنکھیں کھلی ہوئی ہیں پس مرگ اس لیے

جانے کوئی کہ طالب دیدار مر گیا
جس سے کیا آپ نے اقرار جی گیا
جس نے سنا ہے آپ سے انکار مر گیا
پس بے کسی سے داغ نے افسوس جان دی
پڑھ کر ترے فراق کے اشعار مر گیا

☆☆☆

جگر کو تھام کے میں بزم یار سے اٹھا
ہر اک قرار سے بیٹھا قرار سے اٹھا
ہمارے دل نے وہ تنہا اٹھا لیا ظالم
ترا ستم جو نہ اک روزگار سے اٹھا
ہوا نہ پھر کہیں روشن یہ رشک تو دیکھو
کوئی چراغ جو میرے مزار سے اٹھا
شب فراق اجل کی بہت دعا مانگی
جگر میں درد بڑے انتظار سے اٹھا
ہوا ہے خون کے چھینٹوں سے پیرہن گلزار
ترے شہید کا لاشہ بہار سے اٹھا
ہمارے خط میں وہ مضمون سرگرانی تھا
کہ ایک حرف نہ اس گلعذار سے اٹھا
تمہارے جھوٹ نے بے اعتبار سب سے کیا
کہ جیسے ایک سے اٹھا ہزار سے اٹھا
اسی کے راہ گزر میں لگائے سو چکر
جو گرد باد ہمارے غبار سے اٹھا

گلہ رقیب کا سن کر جھکی رہیں آنکھیں
حجاب کب نگہ شرمسار سے اٹھا

ترس رہے تھے شرابی کہ انگلیاں اٹھیں
وہ ابر رحمت پروردگار سے اٹھا

کسی نے پائے حنائی جو ناز سے رکھا
بھڑک کے شعلہ ہمارے مزار سے اٹھا

رہی وہ حسرت دنیا کہ صبح محشر بھی
میں اپنے ہاتھ کو ملتا مزار سے اٹھا

نہ چھوڑتا اگر ان کے قدم وہ کیوں جاتے
مگر نہ ہاتھ دل بے قرار سے اٹھا

وہ فتنہ فتنہ ہے وہ حشر حشر ہے یارب
جو بزم یار سے کوئے یار سے اٹھا

تم اپنے ہاتھ سے دو پھول غیر کو چن کر
یہ داغ کب دل امیدوار سے اٹھا

عدو کی بزم میں دیکھو تو داغ کے تیور
ذلیل ہو کے بڑے افتخار سے اٹھا

☆☆☆

دل مبتلائے لذت آزار ہی رہا
مرنا فراق یار میں دشوار ہی رہا

ہر دم یہ شوق تھا اسے قربان کیجیے
میں وصل میں بھی جان سے بیزار ہی رہا

احسان عفو جرم سے وہ شرمسار ہوں

بخشا گیا میں تو بھی گنہ گار ہی رہا

ہوتی ہیں ہر طرح سے مری پاسداریاں

دشمن کے پاس بھی وہ مرا یار ہی رہا

دن پہلوؤں سے ٹال دیا کچھ نہ کہہ سکے

ہر چند ان کو وصل کا انکار ہی رہا

زاہد کی توبہ توبہ رہی گھونٹ گھونٹ پر

سو بوتلیں اڑا کے بھی ہشیار ہی رہا

دیکھیں ہزار رشک مسیحا کی صورتیں

اچھا رہا جو عشق کا بیمار ہی رہا

صدقے میں تم نے چھوڑ دیے ہیں بہت اسیر

میں بھی رہا ہوا کہ گرفتار ہی رہا

لذت وفا میں ہے نہ کسی کی جفا میں ہے

دلدار ہی رہا نہ دل آزار ہی رہا

جلوہ کے بعد وصل کی خواہش ضرور تھی

وہ کیا رہا جو عاشق دیدار ہی رہا

کہتے ہیں جل کے غیر محبت کے داغ کی

معشوق اس کے پاس وفادار ہی رہا

☆☆☆

حشر میں بھی مبتلا اس پر جہاں ہو جائے گا

جو یہاں ہوتا ہے وہ اک دن وہاں بھی ہو جائے گا

دل سے بھی باتیں نہیں کرتا کبھی میں اس لیے

وہ ستمگر بدگماں یہ راز واں ہوجائے گا

آستیں سے پونچھ لے بہتے ہوئے مرے آنسو

ہاتھ تیرا مجھ پہ اے قاتل رواں ہو جائے گا

ان کے گھر سے جب بگڑ کر میں چلا تو یہ کہا

آپ کے جانے سے کیا سونا مکاں ہو جائے گا

حسن تیرا عشق میرا ہے بلائے روزگار

آفت آ جائے گی یہ چرچاچ جہاں ہو جائے گا

دل کو مدت میں کیا تھا خوگر طرز ستم

کیا خبر تھی وہ یکایک مہرباں ہو جائے گا

چپ رہوں میں حشر میں یہ آپ نے اچھی کہی

ہو سکے گا حال دل جتنا بیاں ہو جائے گا

سخت جانی تیرے تیروں کو رلائے گی لہو

ہر لب سو فار چشم خوں فشاں ہو جائے گا

دیکھ لینا آرزوئے وصل میں میرا وصال

بیٹھے بیٹھے یونہی اک دن ناگہاں ہو جائے گا

داغ کہ ہم یہ نہ سمجھے تھے کہ تیرے عشق میں

ہائے ایسا شخص یوں بے خانماں ہو جائے گا

☆☆☆

ارمان بھرے دل کا نہ یوں نام نکلتا

ناکامی جاوید سے بھی کام نکلتا

گر سلسلہ نامہ و پیغام نکلتا

تو اے دلنا کام بڑا کام نکلتا

وہ چپ ہی رہے ورنہ مرے ذکر وفا پر

تعریف میں بھی پہلوئے دشنام نکلتا

ہوتا ہے حسینوں کا یہی وقت نمائش

ورنہ مہ کامل نہ سر شام نکلتا

وہ کاش مرے قتل کو آتے مگر آ گے

ارمان تو اے گردش ایام نکلتا

فرہاد کو آتی نہ کبھی سینہ خراشی

گر لاکھ برس ہاتھ سے یہ کام نکلتا

معلوم نہ تھا یوں تری باتوں میں گھاتیں

آغاز میں کیا عشق کا انجام نکلتا

کیا حضرت زاہد ہی بنے پیر مغاں آج

میخانہ سے باہر نہیں اک جام نکلتا

گھبر کے نکلتا نہ ترا ناوک دلدوز

پہلو میں اگر گوشہ آرام نکلتا

آنکھوں میں تو رہتی ہیں وہ کاجل بھری آنکھیں

آنکھوں سے نہ کیوں خون سیہ فام نکلتا

دشمن کی ندامت نے انہیں پیار دلایا

اے کاش مرے ذمے بھی الزام نکلتا

پیغام بر! اس شوخ کو لا یا مجھے لے چل

خالی تری باتوں سے نہیں کام نکلتا

اے داغ سناتے غزل اس شوخ کو ہم بھی

گر شعر کوئی قابل انعام نکلتا

☆☆☆

ہے رشک کہ اغیار کو دیکھا اسے دیکھا
ہر چشم خریدار کو دیکھا اسے دیکھا
تصویر رخ یار کو دیکھا اسے دیکھا
خورشید پرانوار کو دیکھا اسے دیکھا
مشتاق سے کھل جاتے ہیں محبوب سے انداز
جب طالب دیدار کو دیکھا اسے دیکھا
حیرت سے ترے دیکھنے والے کی ہے یہ شکل
جس شخص نے دیوار کو دیکھا اسے دیکھا
کیا فتنہ محشر میں ہے جو اس میں نہیں ہے
ظالم تری رفتار کو دیکھا اسے دیکھا
دیکھا نا اسے دیکھ کے ہوش اڑ گئے تیرے!
ناصح بت عیار کو دیکھا اسے دیکھا
کہہ دے ارنی گو سے کوئی جا کے سر طور
گر شعلہ رخسار کو دیکھا اسے دیکھا
عاشق کو یونہی دیکھتے ہیں دیکھنے والے
ہر مرتبہ تلوار کو دیکھا اسے دیکھا
وہ آنکھ دکھائیں یہ تمنا نہیں ہم کو
جیسے کسی بیمار کو دیکھا اسے دیکھا
آنکھ اپنی لڑی رہتی ہے محفل میں ہر اک سے
بے تاب جو دو چار کو دیکھا اسے دیکھا
اے داغ اسی شوخ کے مضمون بھرے ہیں
جس نے مرے اشعار کو دیکھا اسے دیکھا

☆☆☆

دیکھ لے گا یہ مزا حشر میں جو جائے گا۔

آپ جو حکم کریں گے وہی ہو جائے گا

کیا مرے قتل کا یوں پردہ نہ ہو جائے گا

بیٹھ کے اہل عزا میں کوئی رو جائے گا

لے کے دل دو گے تو دوبھر مجھے ہو جائے گا

آپ جو حکم کریں گے وہی ہو جائے گا

چین آئے اسے تکیہ ترے سرکا بن کر

کاٹ ڈالوں گا مرا ہاتھ جو سو جائے گا

غیر آیا ہے عیادت کو اگر آنے دو

وہ بھی کم بخت مری جان کو رو جائے گا

آسماں ہو کہ زمانہ ہو غرض کوئی ہو

تم جسے دوست بنا لو گے وہ ہو جائے گا

نامہ بر دیدہ بیدار ہمارا لے جا

یہ تو جاگے گا جو تو راہ میں سو جائے گا

کیوں نگہبان بنے آپ پرائے دل کے

مفت کا مال ہے کھو جائے جو کھو جائے گا

حشر تک بات نہ جائے گی جو تم چاہو گے

گھر کا گھر ہی میں ابھی فیصلہ ہو جائے گا

کہہ گیا ساقی سرشار یہ چلتے چلتے

آپ جو رنگ میں ڈوبے گا ڈبو جائے گا

یہ وہ حالت ہے کہ ہنستوں کو رلا دیتی ہے

جو ہنسانے مجھے آئے گا وہ رو جائے گا

فیصلہ آج کیے لیتے ہیں جو کچھ ہو جائے

نہ سہی ان سے خوشی رنج تو ہو جائے گا

روز جمتی ہیں صفیں نامہ بروں کی بیکار

نہیں جمتا وہ مرے ذہن میں جو جائے گا

خط کی لوں نقل کہ قاصد کی اتاروں تصویر

یہ بھی گم ہو گا مرا نامہ بھی کھو جائے گا

وصل کے باب میں کی عرض تو ہنس کر بولے

کیوں مرے جاتے ہو ہو جائے گا ہو جائے گا

داغ تم داغ جدائی کے گلے کرتے ہو

چار چھینٹوں میں وہ چلتے ہوئے دھو جائے گا

☆☆☆

رکے جو کام تو بے داد رس نہیں چلتا

پرائے بس میں ہے اپنا بس نہیں چلتا

ہمارے سینے میں پہروں نفس نہیں چلتا

جب اس نے روک دیا کہہ کے بس! نہیں چلتا

دکھائیں کوچہ قاتل میں جان نثاروں کو

ہمارے ساتھ کبھی ابوالہوس نہیں چلتا

بہت ہمارے پھڑکنے سے تنگ ہے صیاد

کہ چار دن سے زیادہ قفس نہیں چلتا

گزر گئے ہیں جو دن پھر نہ آئیں گے ہرگز

کہ ایک چال فلک ہر برس نہیں چلتا

مریض غم سے چلے پیش کیا طبیبوں کی
بغیر حکم الٰہی نفس نہیں چلتا

وہ شہسوار بہت اپنے دل میں حیراں ہے
کہ میری خاک سے آگے فرس نہیں چلتا

وہ بدگماں ہے وہ ہے نازنیں مرا صیاد
کہ اپنے ہاتھ میں لے کر قفس نہیں چلتا

کبھی ادھر تو کبھی ادھر ہو شاہسوار
یہ بانکپن ہے کہ سیدھا فرس نہیں چلتا

ملے جو داغ تو کیسا بنائیں ٹھیک اسے
ہزار کوس سے کچھ ان کا بس نہیں چلتا

☆☆☆

ایک ہی شکوے میں سامان وصل کا برہم ہوا
کیا ہنسی میں رنج پھیلا کیا خوشی میں غم ہوا

حال میرا دوسرا گویا مزاج یار ہے
یہ سنبھالے سے نہ سنبھلے گا اگر برہم ہوا

ناامیدی تیرے صدقے تو نے دی راحت مجھے
کم ہوا جب ایک ارماں ایک دشمن کم ہوا

بے اثر ہو تو طوفاں ہو نہیں دریا تو ہو
حسرت اس آنسو پہ ہے جو قطرہ شبنم ہوا

چارہ درماں سے بھی رہ رہ کے ابھری دل کی چوٹ
تھوڑے تھوڑے لطف سے بھی درد دل کا کم ہوا

آگے آگے رنگ لائے گا ابھی مضمون غم

نامہ بر کہتا ہے اک اک لفظ پہ ماتم ہوا

درد دل معشوق کا غصہ نہیں اے چارہ گر

یہ نہ بڑھ کر کم ہوا جب کم ہوا تو سم ہوا

صبح ہجراں میں ادھر غمگیں ادھر ان کا یہ حال

آئینے سے کہتے ہیں یہ کیا مرا عالم ہوا

داغ پھر اس آفت جاں سے بڑھائی رسم و راہ

پہلے تھوڑا رنج پایا؟ پہلے تھوڑا غم ہوا

☆☆☆

کہو جب تم یہ ہے بیمار میرا

تو کیونکر دور ہو آزار میرا

یہ ہے دل باعث آزار میرا

یہ ہے غم خوار میرا یار میرا

پیام شوق بھی قاصد ادا ہو

نہ آئے نام بھی زنہار میرا

برائی میں بھی ہو گا کوئی مطلب

وہ کرتے ذکر کیوں ہر بار میرا

مجھے تو سیں بلا سے گالیاں دیں

مگر وہ نام لیں ہر بار میرا

کہوں گا حشر میں یہ کون میں کون

مزا دے جائے گا انکار میرا

خدا اے حشر کے دن وہ پکارے

کہاں ہے طالب دیدار میرا

قیامت ہے سنے وہ سر جھکائے

خدا کے سامنے اظہار میرا

مجھے تم جانتے ہو داغ ہوں میں

کہیں جاتا ہے خالی وار میرا

☆☆☆

جب جوانی کا مزا جاتا رہا

زندگانی کا مزا جاتا رہا

وہ قسم کھاتے ہیں اب ہر بات پر

بدگمانی کا مزا جاتا رہا

داستان عشق جب ٹھہری غلط

پھر کہانی کا مزا جاتا رہا

خواب میں تیری تجلی دیکھ لی

لن ترانی کا مزا جاتا رہا

مٹ گئی اب داغ فرقت کی جلن

اس نشانی کا مزا جاتا رہا

چھٹ سکے کیونکر میں برسات شراب

سرد پانی کا مزا جاتا رہا

درد نے اٹھ کر اٹھایا بزم سے

ناتوانی کا مزا جاتا رہا

غیر پر لطف و کرم ہونے لگا

مہربانی کا مزا جاتا رہا

غیر پر لطف و کرم ہونے لگا

مہربانی کا مزا جاتا رہا
کوئی تجھ پر غرض ہوتا نہیں
جاں فشانی کا مزا جاتا رہا
آپ وہ اپنے نگہبان بن گئے
پاسبانی کا مزا جاتا رہا
دوسرا کوئی نہ تجھ سا بن سکا
نقش ثانی کا مزا جاتا رہا
جب شراب کہنہ میں پانی ملا دیا
اس پرانی کا مزاجاتا رہا
دوسرا پورا پڑا قاتل کا ہاتھ
سخت جانی کا مزا جاتا رہا
نامہ بر نے کیے سارے پیام
منہ زبانی کا مزا جاتا رہا
کوئی دن کی اب ہوا کھاتے ہیں ہم
دانے پانی کا مزا جاتا رہا
داغ ہی کے دم سے تھا لطف سخن
خوش بیانی کا مزا جاتا رہا
وہ جانا پھیر کے چتون کسی کا
ہمارے ہاتھ میں دامن کسی کا
غبار آلود ہیں پائے حنائی
مٹا کر آئے ہیں مدفن کسی کا
زمانے کے چلن سیکھے ہیں تو نے

کسی دوست ہے دشمن کسی کا
دل ویران کو جب دیکھا تو بولے
یہ ہے اجڑا ہوا مسکن کسی کا
کہا غنچے سے مرجھا کہ یہ گل نے
ہمیشہ کب رہا جوبن کسی کا
پڑا تھا ہائے کس کمبخت کا ہاتھ
کہ ہے نکلا ہوا دامن کسی کا
کلیجا تھام لو گے جب سنو گے
نہ سنوائے خدا شیون کسی کا
گرے گی طور پر اک اور بجلی
چمکتا ہے رخ روشن کسی کا
گئے وہ جانب گو غریباں
برابر ہو گیا مدفن کسی کا
مرے ماتم میں وہ آئیں تو کہتا
کریں غم آپ کے دشمن کسی کا
کسی کا دم نکلتا ہے کسی سے
کسی پر حال ہے روشن کسی کا
تجلی روزن دل سے عیاں ہے
جھروکے سے ہوا درشن کسی کا
وہ پہروں دیکھتے ہیں داغ کے داغ
کس کی سیر گلشن کسی کا

☆☆☆

گیا ہے عرش معلیٰ پہ شور نالوں کا
خدا بھلا کرے آزاد دینے والوں کا

انہیں جو بحث قیامت سے ہے قیامت کی
عجیب حال دگرگوں ہے پائمالوں کا

وہ اپنا دست حنائی رکھتے ڈرتے ہیں
علاج کون کرے میرے دل کے چھالوںؔ کا

اسی سے پرسش اعمال سے ہو گئی پہلے
جواب سہل نہیں تھا مرے سوالوں کا

فلک پہ شمس و قمر ہیں زمین پہ لالہ و گل
مگر جواب کہاں ہے تمہارے گالوں کا

کہا یہ طرق تجلی سے طور نے جل کر
ہمارا کیا ہے یہ حصہ ہے خوش جمالوں کا

ہر ایک ماریسہ زلف و گیسو و کاکل
تمہارے بال ہیں یا کھیت ہے یہ کالوں کا

کہیں نہیں تری درگاہ کے سوا یا رب
فلک زدوں کا ٹھکانا تباہ حالوں کا

وہ پھول والوں کا میلا وہ سیر یاد ہے داغ
وہ روز جھرنے پہ جمگھٹ پری جمالوں کا

☆☆☆

بزم سے آخر شب ہے جام شراب
شام غربت ہوئی ساقی سحر جام شراب
مست و سرشار کو سرشار سنبھالے کیا خاک

نہ تھمی دست سبو سے کمر جام شراب

کثرت مجمع اغیار سے محروم رہا

نہ ہوا بزم میں مجھ تک گزر جام شراب

محتسب دے گا جواب اپنے ستم کا تو کیا

کل جو کوثر پہ ہوا داد گر جام شراب

یہ بھی اے محتسب اس لال پری کا ہے اثر

اڑ کے پہنچی ہے جو تجھ تک خبر جام شراب

خون روئے گا مری پیاس سے یہ اے ساقی

کوئی پتھر کا نہیں ہے جگر جام شراب

بزم دشمن میں رہیہ آپ تو صوفی بن کر

سرخ آنکھوں میں کہاں ہے اثر جام شراب

مئے گلرنگ بنا ہجر میں خونبا بہ دل

چشم ناسور ہوئی چشم تر جام شراب

نہیں معلوم کہ اے داغ ہے تو کس دھن میں

نہ تلاش بت مہوش نہ سر جام شراب

☆☆☆

میرے ہی دم سے مہرووفا کا نشان ہے اب

تجھ سا اگر نہیں ہے تو مجھ سا کہاں ہے اب

اک اک گھڑی ہے وعدے کی اک اک برس مجھے

تم دو گھڑی کہو مرے ورد زباں ہے اب

کیا مر گیا ہوں دیکھ اے چارہ گر مجھے

ان کی زبان سے میری وفا کا بیان ہے اب

آخر یہ کیا ہو گیا دہن تنگ کا جواب
گنجائش اپنی آپ کے دل میں کہاں ہے اب

اس حال کو پہنچ گئیں دل کی خرابیاں!
تیرا مکاں ہے اب نہ خدا کا مکاں ہے اب

باقی ہے آدھی رات مگر اس کا کیا جواب
گھبرا کے وہ یہ کہتے ہیں کہ وقت اذاں ہے اب

سینے سے میرے دست تسلی اٹھائیے
یہ بھی دل نحیف کو بار گراں ہے اب

دیکھو ذرا سی شرم نے سب کچھ مٹا دیا
وہ آنکھ وہ نگاہ وہ چتون کہاں ہے اب

بعد فنا بھی اور مکدر کیا اسے
میرا غبار میرے لیے آسماں ہے اب

میں کیا کہ اس نے غیر کو روکا ہے بارہا
چلتا ہوا رقیب سے بھی پاسباں ہے اب

کیا لطف دوستی کہ نہیں لطف دشمنی
دشمن کو بھی جو دیکھیے پورا کہاں ہے اب

اس دور میں نصیب کہاں عیش جاوداں
غم بھی اگر ملے تو وہی ارمغاں ہے اب

قاصد کی خاک آئی ہے اڑ کر ہوا کے ساتھ
ہر پرزہ پرزہ نامہ کا گرگت خزاں ہے اب

یہ کیا کہا کہ حشر کے دن آزمائیں گے
میں خوب جانتا ہوں مرا امتحاں ہے اب

لا ہے مجھ کو بخت رسا بزم عیش میں
مجھ سے ڈرو کہ دوست مرا آسماں ہے اب
تم کو یقیں نہیں تو اس کا کیا علاج
کمبخت داغ تم سے بہت بدگماں ہے اب

☆☆☆

عالم یاس میں گھبرائے نہ انسان بہت
دل سلامت ہے تو حسرت ارمان بہت
قتل ہونے نہ دیا شکر جفا نے مجھ کو
کام آتے ہیں برے وقت میں اوسان بہت
غیر کے واسطے سب طرز ستم بھول گئے
کچھ دوا کیجیے ہے اپ کو نسیان بہت
ہو گیا روز کے صدموں سے کلیجہ پتھر
نکلے ٹوٹے ہوئے قاتل ترے پیکان بہت
کاش دو چار ہزاروں میں تو ہوں کافر عشق
ہم نے کعبے میں بھی دیکھے نہ مسلمان بہت
سر اٹھاتا نہیں تو شرم جفا سے ظالم
یا کیے ہیں کسی کمبخت نے احسان بہت
تم کہ بیداد کرو اور نہ شرماؤ ذرا
ہم کہ ناکردہ گنہ اور پشیمان بہت
حسرتیں روز نئی دل میں بھری جاتی ہیں
تھوڑے تھوڑے بھی ہوئے جاتے ہیں مہمان بہت
سوچئے دل میں تو ہے عشق نہایت دشوار

نہ سمجھتے تو یہی کم ہے آسان بہت
وعدہ کرتے ہی پلٹ جاؤ ہم اس سے خوش ہیں
دل غمگیں کو خوشی کی تو ہے اک آن بہت
دل کس طرح تجھے بھلاؤں اے پردہ نشیں
بیخودی میں بھی تو رہتا ہے ترا دھیان بہت
رنگ لائے گا ترا دست حنائی کافر
ایک دن لائیں گے اس ہاتھ پہ ایمان بہت
حسرتیں لے تو چلی روح عدم کو لیکن
اس مسافر سے چلے گا نہ یہ سامان بہت
نہ ہوئی بات میں اے حضرت واعظ تاثیر
یہ مسلم کہ پڑھا آپ نے قرآن بہت
بزم احباب میں اے داغ کبھی تو ہنس بول
دیکھتے ہیں تجھے ہر وقت پریشاں بہت

☆☆☆

تری گلی سے گو ہو صبا یا نسیم بند
ہو گی نہ بوئے کاکل عنبر شمیم بند
گو ان کے گھر سے ہو گئے میرے ندیم بند
رکھتا نہیں ہے کام کسی کا کریم بند
ہو گا دم اخیر بھی لب پر مرے الم
ہو گی زباں پڑھ کے الف لام میم بند
بخشے گئے تو حشر میں ہم سیر میں رہے
آخر کو ہو گئے در خلد نعیم بند

جو خود نہ کھا سکے وہ کھلائے کسی کو کیا

رہتا ہے رات دن در گنج لیم بند

قاتل کی طرز نیم تبسم اڑائی ہے

لب نیم وا ہیں زخم جگر کے تو نیم بند

ایسی سنی ہیں ہم نے بہت لن ترانیاں

روکے سے کب ہوئی ہے زبان کلیم بند

روکے سے کوئی رکتی ہیں مژگاں درفشاں

باندھے سے بھی نہ ہو کبھی دست کریم بند

چوری سے کوئی رات کو نکلا ہے دیکھیے

دروازہ گھر کا نیم ہے وا، اور نیم بند

ہم بحر اشک روک کے رکھتے ہیں آنکھ میں

کوئی کرے تو کوزے میں دریا حکیم بند

یوں میرے دل میں گھر کیے رہیں تیری حسرتیں

ہو جائے جیسے قلعے میں فوج غنیم بند

اے داغ ان سے جور و جفا کا گلہ عبث

تیرے کہے سے ہو گی نہ رسم قدیم بند

☆☆☆

جواب وصل نکلا آپ کے منہ سے نہیں بن کر

شکایت بھی یہاں آئی تو لب پر آفریں بن کر

مکدر ہم کو رکھنا تھا تو یوں اے چرخ رکھنا تھا

کدورت دل میں رہتی اس کے کوچے کی زمیں بن کر

جو کرتے پیروی مجنوں کی ہم کیا ہم کو سودا تھا

مگر وہ دل میں بیٹھا لیلیٰ محمل نشیں بن کر

رموز عشق سے واقف نہیں وہ سچ کہا قاصد

وہی دانا سہی چھوٹ جائیں گے بھولے ہمیں بن کر

خیال ناز کی وے کوئی نالے کر نہیں سکتا

ہزاروں آفتوں سے بچ گئے تم نازنیں بن کر

یہاں ہم بد نصیبوں کے جو حصے میں نہیں آتی

الٰہی رہ گئی کیا خوبیٔ قسمت رہیں بن کر

شراب عشق کی ہم نے عجب تاثیر دیکھی ہے

بگڑ کر یہ کہیں دیتی ہے کیفیت کہیں بن کر

کدورت سے بری ہے جو محبت پاک ہوتی ہے

یہی وہ عطر ہے جو روح ٹھہرا لے زمیں بن کر

نہیں ہوتا اثر خجلت سے لب تک ہنسی نہیں آ سکتی

رہی ہے آہ سینے میں نگاہ شرمگیں بنکر

خراش سینہ سے یہ دست وحشت گل کھلا دیتا

بگاڑا جیب نے جیب آستیں نے آستیں بن کر

کوئی معشوق سے ایسی زبردستی بھی کرتا ہے

کہ تیرا نام چھپتا ہے مرے دل میں نگیں بن کر

تمہارے لب کے آگے خندہ گل کا یہ نقشہ ہے

کہ جس صورت کوئی بدشکل اترائے حسیں بن کر

عتاب آلودہ چہرے کی ادا پر لوٹ ہوں قاتل

میرے دل پر چھری پھرتی تری چیں جبیں بن کر

یہ سنتے ہی رہا اک شور برپا ان کی محفل میں

گئے تھے رات کو کیا داغ دیوانے تمھیں بن کر

☆☆☆

مٹ گئے عشق میں گھر سینکڑوں ویراں ہو کر
پھر گئی آنکھ تری گردشِ دوراں ہو کر

کیوں نہ مر جایئے اس چھیڑ پہ قرباں ہو کر
دل میں چبھتی ہے تمنا تری مژگاں ہو کر

جب کہیں جاتے ہو آتے ہو پشیماں ہو کر
تم کو جانا نہیں آتا ابھی مہماں ہو کر

اس کو حسرت نہ رہے دشمنِ ایماں ہو کر
کوئی دن دیکھ لو اے داغ مسلماں ہو کر

ہم تو اس داغ کے قائل ہیں جو چمکے تا حشر
دل کے پردے میں چراغِ تہِ داماں ہو کر

دردِ سر ہونے لگا سن کے زیادہ تعریف
اٹھ گئے آج وہ محفل سے پریشاں ہو کر

سانس بیتاب قدم تیز پریشاں نظر
آئے ہو کیا طرفِ گورِ غریباں ہو کر

بخیہ گر عیسیٰ مریم ہو تو کیا کام مجھے
غیر کے ہاتھ پڑے میرا گریباں ہو کر

خیر بہتر ہے تغافل ہی سہی سن لیتا
جان پر کھیل گیا کوئی پریشاں ہو کر

مصلحت سے نہ کیا جور تو کیا ہوتا ہے
آدمی توبہ کرے دل سے پشیماں ہو کر

نالے رہ جاتے ہیں رک رک کے مرے سینے میں
تیر بیٹھا ہے ترا حلق کا درباں ہو کر

یہ ہنر دست جنوں کا یہ سلیقہ دیکھو
دھجیاں اڑتی ہیں دامن کی گریباں ہو کر

کس خرابی میں ہیں آزار محبت والے
یہ بگڑتا ہے مرض قاتل درماں ہو کر

غیر کی خاک ترے کوچے میں بیشک ہو گی
اشک برسے ہیں مری آنکھ سے پیکاں ہو کر

دیکھنے والے ہی سو عیب لگا دیتے ہیں
کوئی جو چاہے کرے آنکھ سے پنہاں ہو کر

اپنے ہاتھوں سے وہ خط چاک کرے اے قاصد
یہ رہے گا مرے سینے پہ گریباں ہو کر

کیوں نہ ہو زیر فلک طالع دشمن کو فروغ
بخت چمکا ہے چراغ تہ داماں ہو کر

ضعف سے خوش ہوں کہ جب ہاتھ رکھا سینے پر
انگلیاں چبھ گئیں دل میں تری مژگاں ہو کر

تیری حسرت مجھے لائی ہے تری محفل میں
میں نہ نکلوں گا کبھی غیر کا ارماں ہو کر

ہائے ویرانی دل بے سروسامانی دل
تیرے ارماں بھی پچھتائے ہیں مہماں ہو کر

نورکس کا ہے مرے دل میں کہ ہر آہ کے ساتھ
رہ گئی برق تجلی سی نمایاں ہو کر

پاس رہنے کی محبت بھی تو ہو جاتی ہے

کیوں کہیں جائے ہماری شب ہجراں ہو کر

تجھ کو معلوم بھی ہے رات کو در پہ تیرے

نالے کرتا ہے کوئی روز غزل خواں ہو کر

داغ تو کعبے سے جاتا ہے جو بت خانے کو

شرم آتی نہیں کم بخت مسلماں ہو کر

☆☆☆

دل نکلے کس طرح ترے پیکاں کو چھوڑ کر

جاتا ہے گھر سے کوئی بھی مہماں کو چھوڑ کر

دست جنوں کا اور کریں چارہ گر علاج

سر پیٹتا ہوں جیب و گریباں کو چھوڑ کر

اک پل کی زندگی بھی غنیمت ہے دار پر

ملتے ہیں اشک خاک میں مژگاں کو چھوڑ کر

اہل عدم سے کہہ دو مروت سے دور ہے

تنہا نہ جاؤں گا شب ہجراں کو چھوڑ کر

آیا ہوں تیرے دام میں صیاد باغ سے

اپنی مراد پر گل و ریحاں کو چھوڑ کر

قاتل خدا کے واسطے اک زخم اور بھی

تلوار پھر سنبھال نمکداں کو چھوڑ کر

پوچھا جوان سے آؤ گے کب؟ ہنس کے چپ ہوئے

چہرے پہ اپنی زلف پریشاں کو چھوڑ کر

دیکھی نہ ہو گی سیر کبھی اس شکار کی

دیکھو رقیب پر سگ درباں کو چھوڑ کر
ظالم تری نگہ نے کیا کام ہی تمام
نشتر چبھوتے ہیں تو رگ جاں کو چھوڑ کر
محشر سے جائیں خلد میں یارب یہ کب ہوا
حیرت زدہ ہم اس بت حیراں کو چھوڑ کر
دنیا میں کوئی اور نہ ہوتا گنہ گار
پچھتا رہا ہوں دامن عصیاں کو چھوڑ کر
ہر چند رام پور میں گھبرا رہا ہے داغ
کس طرح جائے کلب علی خاں کو چھوڑ کر

☆☆☆

جو بل ہے تری زلف گرہ گیر سے باہر
وہ پیچ نہیں ہے مری تقدیر سے باہر
حسرت دل حیراں سے نہ نکلی ہے نہ نکلی
نکہت نہ ہوئی غنچۂ تصویر سے باہر
تم گھر سے نکلو تو نکلو کوئی آیا ہے مسافر
تم بات تو کر لو کسی رہ گیر سے بارہ
حیران ہیں خود اپنی اداؤں سے جہاں میں
آئینہ سے وہ گھر میں ہیں تصویر سے باہر
دربان کے جھگڑے نے بڑا کام نکالا
گھبر کے وہ نکلے اسی تدبیر سے باہر
در پہ وہ جو مضمون اسے میں نے لکھا ہے
ہے کاتب اعمال کی تحریر سے باہر

آئے ہو تو اب داغ ستم دیکھتے جاؤ
آتا ہے جگر نالہ شبگیر سے باہر

حسرت ہے تری تجھ سے وفادار زیادہ
نکلی نہ عاشق دل گیر سے باہر

کہتے ہیں مری قبر پہ وہ پتھر بھی تو دیکھیں
یہ مردہ نکالوں کسی تدبیر سے باہر

اے صید فگن دل میں کھٹکتا رہے پیکاں
سوفار رہے سینہ نخچیر سے باہر

اس تیغ نگہ سے وہ ادا ہوتی ہے باہر
شمشیر نکل آتی ہے شمشیر سے باہر

دل ناوک مژگاں تو جگر تیر نگہ لے
اس تیر سے باہر ہوں نہ اس تیر سے باہر

نقش قدم غیر کو اس کوچے میں دیکھا
یہ پاؤں نہ ہوں حلقہ زنجیر سے باہر

اک چشمہ ہے تو اور ہے اک کرشمہ کرشمہ
دو قطرے ہیں آب دم شمشیر سے باہر

دلی سے تو کلکتے میں پہنچے مگر اے داغ
کیونکر ہوں حصار **فلک** پیر سے باہر

☆☆☆

غیر بھی میری طرح کرتے ہیں آہیں کیونکر
میں بھی دیکھوں کہ پلٹتی ہیں نگاہیں کیونکر

قہر ہے عہد جوانی کی امنگ اور ترنگ

دل بھی مانے وہ رقیبوں کو نہ چاہیں کیونکر

نہ دلاسا نہ تسلی نہ تشفی نہ وفا

دوستی اس بت بدخو سے نباہیں کیونکر

زیر دیوار کبھی جھانک کے تم دیکھ تو لو

ناتواں کرتے ہیں دل تھام کے آہیں کیونکر

چاہ کا نام جب آتا ہے بگڑ جاتے ہو

وہ طریقہ تو بتاؤ تمہیں چاہیں کیونکر

جب وہ آنکھوں میں سمائے مرے دل میں آئے

بند ہوں ناصح نافہم یہ راہیں کیونکر

شرم سے آنکھ ملاتے نہیں دیکھا ان کو

پار ہوتی ہیں کلیجے سے نگاہیں کیونکر

درد مندوں سے کہاں ضبط فغاں ہوتا ہے

چپکے چپکے ترے بیمار کراہیں کیونکر

یہ چلن کس نے سکھائے یہ طریقے کس نے

آ گئیں جور و جفا کی تمہیں راہیں کیونکر

لالہ و گل کو جو دیکھا تو کہا مجنوں نے

سر پہ کانٹوں کے ہوں یہ سرخ کلاہیں کیونکر

غیر کی چاہ کا دم بھرتے ہو تم کیا جانو

نالے کس طرح کیا کرتے ہیں آہیں کیونکر

داغ وہ چاہتے ہیں غیر کو چاہے یہ بھی

جو برا چاہے ہمارا اسے چاہیں کیونکر

☆☆☆

محشر میں بھی کسی کے اٹھائیں گے ناز ہم

ایسے نیاز مند ہیں اے بے نیاز ہم

چاہیں بے نشاط سلیماں سے تخت و بخت

مانگیں مسیح و خضر سے عمر دراز ہم

کیا کیا بہانے موت سے کرتے ہیں رات دن

تجھ سے زیادہ ہجر میں ہیں حیلہ ساز ہم

دل سے موافقت ہے نہ دلبر سے اتفاق

بے لاگ ہیں کسی سے نہیں رکھتے ساز ہم

ہو گی فقط شریک دعا ایک بیکسی

میت پر اپنی آپ پڑھیں گے نماز ہم

انسان کی مجال یہ طاقت بشری ہے

تم جانتے ہو جیسے اٹھاتے ہیں ناز ہم

دل کی بری بھلی کو سمجھ لے پیام بر

کیا دخل کریں کہ اس نے نہیں ہیں مجاز ہم

واعظ یہی نہ کہہ دے کہ پیدا ہی کیوں ہوئے

دنیا میں آئیں اور ہیں پاکباز ہم

اس میں بھی کوئی بھید ہے تم جانتے نہیں

کہتے ہیں ایک ایک سے کیوں دل کے راز ہم

جب سنتے ہیں کہ آپ پہ دو چار مر گئے

دلواتے ہیں رقیبوں کی اپنے نیاز ہم

دو دن گئے کہ داغ تھی ہر دم بتوں کی یاد

پڑھتے ہیں پانچ وقت کی اب تو نماز ہم

☆☆☆

شب وصل بھی لب پہ آئے گئے ہیں
یہ نالے بہت منہ لگائے گئے ہیں

خدا جانے ہم کس کے پہلو میں ہوں گے
عدم کو سب اپنے پرائے گئے ہیں

وہی راہ ملتی ہے چل پھر کے ہم کو
جہاں خاک میں دل ملائے گئے ہیں

مرے دل کی کیونکر نہ ہو پائمالی
بہت اس میں ارمان آئے گئے ہیں

گلے شکوے جھوٹے بھی تھے کس مزے کے
ہم الزام دانستہ کھائے گئے ہیں

نگہ کو جگر زلف کو دل دیا ہے
یہ دونوں ٹھکانے لگائے گئے ہیں

رہے چپ نہ ہم بھی دم عرض طلب
وہ اک اک سو سو سنائے گئے ہیں

فرشتے بھی دیکھیں تو کھل جائیں آنکھیں
بشر کو وہ جلوے دکھائے گئے ہیں

چلو حضرت داغ کی سیر دیکھیں
وہاں آج بھی وہ بلائے گئے ہیں

☆☆☆

بت کو بت اور خدا کو خدا جو کہتے ہیں
ہم بھی دیکھیں تو اسے دیکھ کر کیا کہتے ہیں

ہم تصور میں بھی جو بات ذرا کہتے ہیں

سب میں اڑ جاتی ہے ظالم اسے کیا کہتے ہیں

کچھ تمہارے لب اعجاز نما کہتے ہیں

پر سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا کہتے ہیں

سب مجھے شیفتہ ناز و ادا کہتے ہیں

تو تم کہتے ہی نہیں کچھ اسے کیا کہتے ہیں

جو بھلے ہیں وہ بروں کو بھی بھلا کہتے ہیں

نہ برا سنتے ہیں اچھے نہ برا کہتے ہیں

بزم احباب و مئے ناب وصال معشوق

اب کسی شے میں نہیں جس کو مزا کہتے ہیں

نالہ بیساختہ قاصد کی زباں سے نکلا

کوئی رکتا ہے جسے تیر قضا کہتے ہیں

اس کے ہاتھوں سے یہی ذلت و خواری ہو گی

غیر اپنی تو خبر لیں مجھے کیا کہتے ہیں

سخن شاہ و گدا خیر سے خالی نہ سنا

وہ دعا کرتے ہیں سب کو یہ دعا کہتے ہیں

میں گنہگار اگر عشق مجازی ہے گناہ

میں خطاوار اگر اس کو خطا کہتے ہیں

دعوئی مہر وفا ان کی زبان پر آیا

اور سنیے کہ وہ میرا ہی کہا کہتے ہیں

کوئی خوبی نظر نہیں آتی تجھ میں ظالم

اے فلک پیری و صد عیب بجا کہتے ہیں

وقت ملنے کا جو پوچھاتو کیا کہہ دیں گے
غیر کا حال جو پوچھا تو کہا کہتے ہیں

چوٹ کھانے سے جو دل ٹوٹ گیا ہے اپنا
لوگ اس کو بھی ترا عہد وفا کہتے ہیں

نہیں ملتا کسی مضمون میں ہمارا مضمون
طرز اپنا ہے جدا سب سے جدا کہتے ہیں

کیا سناتے ہو کہ ہم قتل کریں گے تجھ کو
اس کو ہم مژدہ اندوہ ربا کہتے ہیں

شکوہ ہجر نے اس شوخ پر مجھ کو لکھا
جو رہے دل میں کہیں اس کو جدا کہتے ہیں

پہلے تو داغ کی تعریف ہوا کرتی تھی!
اب خداجانے وہ کیوں اسکو برا کہتے ہیں

☆☆☆

اس کی شرارتیں قیامت سے کم نہیں
دل تجھ سے بڑھ کے ہے کسی صورت سے کم نہیں

اندوہ و درد و یاس و غم و رنج اپنے پاس
جو کچھ ہے وہ تمہاری عنایت سے کم نہیں

دنیا میں ان بتوں نے جلایا ہے اس قدر
دوزخ بھی میرے واسطے جنت سے کم نہیں

مژگاں نے تیری چاک کیے عاشقوں کے دل
دست مژہ بھی پنجہ وحشت سے کم نہیں

وہ لذت وصال سے لیتے ہیں جان و دل

یہ مہربانیاں بھی عداوت سے کم نہیں

کیا ماجرا کہوں لد امیدوار کا

اک آرزو ہزار مصیبت سے کم نہیں

یہ ناز یہ نگاہ یہ چہل بل یہ شوخیاں

تم اس سے بھی سوا ہو قیامت سے کم نہیں

اس کا ثواب لوٹنے والے ہمیں تو ہیں

نظارہ میکدے کا عبادت سے کم نہیں

اس کا ثواب لوٹنے والے ہمیں تو ہیں

نظارہ میکدے کا عبادت سے کم نہیں

ہے شام ہی سے وصل میں تم کو تلاش صبح

یہ انتظار بھی مری حسرت سے کم نہیں

وہ اپنے دل میں خوش ہوں یہ ہے بات ہی کچھ اور

شکر جفا وگرنہ شکایت سے کم نہیں

خون جگر کی نہ کروں گا تمام عمر

جو رزق مل گیا مجھے قسمت سے کم نہیں

تو نے دیا فروغ تو ہے داغ آفتاب

ذرہ بھی ورنہ اس کی حقیقت سے کم نہیں

☆☆☆

مجال کس کی ہے اے ستم گر سنائے تجھ کو جو چار باتیں

بھلا کیا اعتبار تو نے ہزار منہ ہیں ہزار باتیں

رقیب کا ذکر وصل کی شب پھر اس پہ تاکید ہے کہ سنیے

تمہیں تو اک داستان ٹھہری ہمیں یہ ہیں ناگوار باتیں

انہیں نہ کیوں عذر دردِ سر ہو جب اس طرح کا پیامبر ہو
غضب کیا عمر بھر کی اس نے تمام کیں ایک بار باتیں

جو کیفیت دیکھنی ہے زاہد تو ل کے تو دیکھ میکدے میں
بہک بہک کر مزے مزے کی سنائیں گے بادہ خوار باتیں

نگاہیں دشنام دیر ہی ہیں ادائیں پیغام دیر ہی ہیں
کبھی نہ بھولیں گے حشر تک ہم رہیں گی یہ یادگار باتیں

بہل ہی جائے گا دل ہمارا کہ ہجر کی شب کو رحم کھا کے
تمہاری تصویر بول اٹھے گی کرے گی بے اختیار باتیں

ہمارے سر کی قسم نہ کھاؤ قسم ہے ہم کو یقین نہ ہو گا
تمہارے ناپائیدار وعدے تمہاری بے اعتبار باتیں

مرے جنازے پہ کیوں وہ آئے کہ الٹے طعنے مجھے سنائے
کہا کیے جو زبان پہ آیا سنا کیے سوگوار باتیں

فسانہ درد و غم سنایا تو بولے وہ جھوٹ بولتا ہے
سنی ہوئی ہے بہت کہانی نہ ہم سے ایسی بگھار باتیں

مزا تو اس وقت جھوٹ سچ کا کھلے کہ ہے کون راستی پر
خدا کے آگے مری تمہاری اگر ہوں روز شمار باتیں

ابھی سے ہے کچھ اور قاصد ابھی سے ہے بدحواس قاصد
سنبھل سنبھل کر سمجھ سمجھ کر کرے گا کیا بیقرار باتیں

تمہاری تحریر میں ہے پہلو تمہاری تقریر میں ہے جادو
پھنسے نہ کس طرح دل ہمارا جہاں ہوں یہ پیچدار باتیں

بری بلا ہے یہ داغ پر فن تم اس کو ہرگز نہ منہ لگانا
وگرنہ ڈھپ ہی لگا ہی لے گا سنیں اگر اس کی چار باتیں

☆☆☆

بتانِ ماہ وش اجڑی ہوئی منزل میں رہتے ہیں

کہ جس کی جان جاتی ہے اسی کے دل میں رہتے ہیں

ہزاروں داغ پنہاں عاشقوں کے دل میں رہتے ہیں

شرر پتھر کی صورت ان کی آب و گل میں رہتے ہیں

زمیں پر پاؤں نفرت سے نہیں رکھتے پری پیکر

یہ گویا اس مکاں کی دوسری منزل میں رہتے ہیں

محبت میں مزا ہے چھیڑ کا لیکن مزے کی ہو

ہزاروں لطف ہر اک شکوہ باطل میں رہتے ہیں

خدا رکھے سلامت جن کو ان کو موت کب آئے

تڑپتے تڑپتے ہم کوچہ قاتل میں رہتے ہیں

ہزاروں حسرتیں وہ ہیں کہ روکے سے نہ رکیں گی

بہت ارمان ایسے ہیں کہ دل کے دل میں رہتے ہیں

یہاں تک تھک گئے ہیں چلتے چلتے تیرے ہاتھوں سے

کہ اب چھپ چھپ کر ناوک سینہ بسمل میں رہتے ہیں

نہ دیکھے ہوں گے رندوں سے بھی تو نے پاک اے زاہد

کہ یہ بیداغ میخانے کی آب و گل میں رہتے ہیں

محیط عشق ک ہر موج طوفان خیز ایسی ہے

وہ ہیں گرداب میں جو دامن ساحل میں رہتے ہیں

خدا رکھے محبت نے کیے آباد دونوں گھر

میں ان کے دل میں رہتا ہوں وہ مرے دل میں رہتے ہیں

جو ہوتی خوبصورت تو نہ چھپتی قیس سے لیلیٰ

مگر ایسے ہی ویسے پردہ محمل میں رہتے ہیں

ہمارے سایے سے بچتا ہے ہر اک بزم میں اس کی

ہمیں دیکھو کہ ہم تنہا بھری محفل میں رہتے ہیں

سراغ مہر و الفت غیر کے دل میں نہ پائیں گے

عبث وہ رات دن اس سعی بے حاصل میں رہتے ہیں

بتوں کو محرم اسرار تو نے کیوں کیا یارب

کہ یہ کافر ہر اک خلوت سرائے دل می رہتے ہیں

فلک دشمن ہو اگر وش زدوں کو جب ملی راحت

زیادہ راہ سے کھٹکے مجھے منزل میں رہتے ہیں

تن آسانی کہاں تقدیر میں ہم دل گرفتوں کی

خدا پر خوب روشن ہے کہ جس مشکل میں رہتے ہیں

رہے پیر مغاں کے پاس کیونکر شیخ مصنوعی

جو رہتے ہیں تو کامل صحبت کام میں رہتے ہیں

ہمیں دشوار جینا عار تم کو قتل کرنے سے

بڑی مشکل میں رکھتے ہو بڑی مشکل میں رہتے ہیں

کوئی نام و نشان پوچھے تو اے قاصد بتا دیتا

تخلص داغ ہے وہ عاشقوں کے دل میں رہتے ہیں

☆☆☆

یہ کیا کہا کہ داغ کو پہچانتے نہیں

وہ ایک ہی تو شخص ہے تم جانتے ہیں

بدعہدیوں کو آپ کی کیا جانتے نہیں

کل مان جائیں گے اسے ہم مانتے نہیں

وعدہ ابھی کیا تھا ابھی کھائی تھی قسم
کہتے ہو پھر کہ ہم تجھے پہچانتے نہیں

چھوٹے گی حشر تک نہ یہ مہندی لگی ہوئی
تم ہاتھ میرے خون میں کیوں سانتے نہیں

مہر و وفا کا کب انہیں آتا ہے اعتبار
جب تک اسے وہ خوب طرح چھانتے نہیں

سرباز و جاں نثار محبت وہ ہیں دلیر
رستم بھی ہو تو کچھ اسے گردانتے نہیں

ان کا ہی مدعا تھا مرا مدعا نہ تھا
پر کیا کروں کہ وہ تو مری مانتے ہی نہیں

تن جائیں گے جو سامنے آئے گا آئینہ
دیکھیں تو کس طرح وہ بھویں تانتے ہی نہیں

نکلا ہے جو زبان سے اس کو نباہیے
ایسی وہ اپنے دل میں کبھی ٹھانتے نہیں

جب دیکھتے ہو مجھ کو چڑھاتے ہو آستین
دامن عدو کے قتل یہ گردانتے نہیں

کیا داغ نے کہا تھا جو ایسے بگڑ گئے
عاشق کی بات کا تو برا مانتے نہیں

☆☆☆

پردے پردے میں عتاب اچھے نہیں
ایسے انداز حجاب اچھے نہیں

میکدے میں ہو گئے چپ چاپ کیوں؟

آج کچھ مست شراب اچھے نہیں

جب سوال وصل پر کرتا ہوں ضد

ڈر کے دیتے ہیں جواب اچھے نہیں

والہ و شیدا کہو تم غیر کو

اس کے جانب ی خطاب اچھے نہیں

اے فلک کیا ہے زمانے کی بساط

دمبدم کے انقلاب اچھے نہیں

صورت اچھی ہے تو سیرت ہے بری

ایسے معشوق انتخاب اچھے نہیں

تو بھی اس کی زلف پیچاں ہو گیا

اے دل ایسے پیچ و تاب اچھے نہیں

اور سنیے مجھ کو سمجھاتے ہیں وہ

ڈھنگ یہ خانہ خراب اچھے نہیں

کوئی بزم وعظ سے کہتا گیا

ایسے جلسے بے شراب اچھے نہیں

توبہ کر لیں ہم مئے و معشوق سے

بے مزہ ہیں تو یہ ثواب اچھے نہیں

اک نجومی داغ سے کہتا تھا آج

آپ کے دن اے جناب اچھے نہیں

☆☆☆

کیا کہوں تجھ کو جو بے مہرو فسونگر نہ کہوں

جس کو دنیا کہے اس بات کو کیونکر نہ کہوں

سنگدل کہنے سے تو آپ برا مان گئے

یہ جو کچھ سینے پہ ہے اس کو بھی پتھر نہ کہوں

فائدہ کیا جو کہوں تم سے مصیبت اپنی

سامنے داور محشر کے یہ دفتر نہ کہوں

مہربانی سے کسی شخص نے پوچھا ہے مزاج

سخت مشکل ہے کہ حال دل مضطر نہ کہوں

چھیڑ کر حال عدو چھیڑ سے چپ ہو جاؤں

وہ کہیں پھر کہوں میں اس کو مکرر نہ کہوں

بات کہنے کا مزہ جو غلط تم سمجھو!

گر یقین ہو تو کہوں نہ ہو باور نہ کہوں

میری شامت ہے کہوں آپ کا بگڑا ہے مزاج

اس کو بگڑا ہوا میں اپنا مقدر نہ کہوں

دل کی تاکید ہے ہر حال میں ہو پاس وفا

کیا ستم کہ ستم گر کو ستمگر نہ کہوں

غیر کا حال چھپائے سے کوئی چھپتا ہے

گو کسی وجہ سے آپ کے منہ پر نہ کہوں

غیر کے واسطے دیدار بھی ہے دار بھی ہے

کس طرح گھر کو ترے عرصہ محشر نہ کہوں

اب کے کچھ منہ سے نکالا تو تمہیں جانو گے

داغ پھر مجھ کو نہ کہنا جو برابر نہ کہوں

☆☆☆

پھنسی ہوئی ہے یہ گردن بتوں کے پھندوں میں

چھڑا دے کوئی ہو اتنا خدا کے بندوں میں

جنوں کی خانہ خرابی سے اب کہاں فرصت

پھنسا ہوا ہے یہ دن رات گھر کے دھندوں میں

اسی سے ہوتےہیں انداز بے نیازی کے

جو ہم قدیم تمہارے نیاز مندوں میں

اڑا جو لے کے خط شوق ہو گیا عنقا

وہ تیز پر ہے کبوتر مرا پرندوں میں

نکل کے جائے کہاں دل تمہاری زلفوں سے

پھنسا ہے ایک یہ نخچیر دو کمندوں میں

خدا کا ذکر تو اس بت کے سامنے کرتے

مگر وہ ایک ہی کافر ہے خود پسندوں میں

نکال دیتے ہیں رو رو کے ہم بھی دل کا بخار

جو بیٹھ جاتے ہیں دو چار درد مندوں میں

چڑھا دے نیزے پہ سر میرا کاٹ کر قاتل

کہ یہ شہید بھی نامی ہو سربلندوں میں

ہوئی ہے داغ محبت میں تھوڑی بدنامی

یہ منہ دکھانے کے قابل ہے بھائی بندوں میں

☆☆☆

راہ پر ان کو لگا لائے ہیں باتوں میں

اور کھل جائیں گے دو چار ملاقاتوں میں

یہ بھی تم جانتے ہو چند ملاقاتوں میں

آزمایا ہے تمہیں ہم نے کئی باتوں میں

غیر کے سر کی بلائیں جو نہیں لیں ظالم
کیا مرے قتل کو بھی جان نہیں ہاتھوں سے

ابر رحمت ہی برستا نظر آیا زاہد
خاک اڑتی کبھی دیکھی نہ خراباتوں میں

یارب! اس چاند سے ٹکڑے کو کہاں سے لاؤں
روشنی جس کی ہو ان تاروں بھری راتوں میں

تمھیں انصاف سے اے حضرت ناصح کہہ دو
لطف ان باتوں میں آتا ہے کہ ان باتوں میں

دوڑ کر دست دعا ساتھ دعا کیے جاتے
ہائے پیدا نہ ہوئے پاؤں میرے ہاتھو ں میں

کیا قیامت ہے اس ارمان بھرے کی حسرت
ایک شب جس کو میسر نہ ہو سو راتوں میں

جلوہ یار سے جب بزم میں غش آیا ہے
تو رقیبوں نے سنبھالا ہے مجھے باتوں میں

ایسی تقریر سنی تھی نہ کبھی شوخ و شریر
تیری آنکھوں کے بھی فتنے ہیں تری باتوں میں

عہد جمشید میں تھا لطف مئے و ابر و ہوا
کب یہ معشوق تھے اس وقت کی برساتوں میں

ہم سے انکار ہوا غیر سے اقرار ہوا
فیصلہ خوب کیا آپ نے دو باتوں میں

ہفت افلاک ہیں لیکن نہیں کھلتا یہ حجاب
کون سا دشمن عشاق ہے ان ساتوں میں

اور سنیے ابھی رندوں سے جناب واعظ
چل دیے آپ تو دو چار ہی صلواتوں میں

ہم نے دیکھا انہیں لوگوں کو ترا دم بھرتے
جن کی شہرت تھی یہ ہرگز نہیں ان باتوں میں

کھینچے دیتا ہے انہیں عشق متاع دل و جاں
ایک سرکار لٹی جاتی ہے سوغاتوں میں

دل کچھ آگاہ بھی تو ہو شیوہ عیاری سے
اس لیے آپ ہم آتے ہیں تری گھاتوں میں

وصل کیسا وہ کسی طرح بہلتے ہی نہ تھے
شام سے صبح ہوئی ان کی مداراتوں میں

وہ گئے دن جو رہے یاد بتوں کی اے داغ
رات بھر اب تو گزرتی ہے مناجاتوں میں

☆☆☆

نگاہ پھیر کے عذر وصال کرتے ہیں
مجھے وہ الٹی چھری سے حلال کرتے ہیں

زبان قطع کرو دل کو کیوں جلاتے ہو
اسی سے شکوہ اسی سے سوال کرتے ہیں

نہ دیکھی نبض نہ پوچھا مزاج بھی تم نے
مریض غم کی یونہی دیکھ بھال کرتے ہیں

مرے مزار کو وہ ٹھوکروں سے ٹھکرا کر
فلک سے کہتے ہیں یوں پائمال کرتے ہیں

پس فنا بھی مری روح کانپ جاتی ہے

وہ روتے روتے جو آنکھوں کو لال کرتے ہیں

ادھر تو کوئی نہیں جس سے آپ ہیں مصروف

ادھر کو دیکھیے ہم عرض حال کرتے ہیں

یہی ہے فکر کہ ہاتھ آئے تازہ طرز ستم

یہ کیا خیال ہے وہ کیا خیال کرتے ہیں

وہاں فریب و دغا میں کمی کہاں توبہ

ہزار چال کی وہ ایک چال کرتے ہیں

نہیں ہے موت سے کم اک جہان کا چکر

جناب خضر یونہی انتقال کرتے ہیں

چھری نکالی ہے مجھ پر عدو کی خاطر سے

پرائے واسطے گردن حلال کرتے ہیں

یہاں یہ شوق، و نادان مدعا باریک

انہیں جواب بتا کے سوال کرتے ہیں

ہزاروں کام محبت میں ہیں مزے کے داغ

جو لوگ کچھ نہیں کرتے کمال کرتے ہیں

☆☆☆

بھویں تنتی ہیں خنجر ہاتھ میں ہے تن کے بیٹھے ہیں

کسی سے آج بگڑی ہے کہ وہ یوں بن کے بیٹھے ہیں

دلوں پر سینکڑوں سکے ترے جوبن کے بیٹھے ہیں

کلیجوں پر ہزاروں تیر اس چتون کے بیٹھے ہیں

الٰہی کیوں نہیں اٹھتی قیامت ماجرا کیا ہے

ہمارے سامنے پہلو میں وہ دشمن کے بیٹھے ہیں

یہ گستاخی یہ چھیڑ اچھی نہیں ہے اے دل ناداں
ابھی پھر روٹھ جائیں گے ابھی من کے بیٹھے ہیں

اثر ہے جذب الفت میں تو کھینچ کر آ ہی جائیں گے
ہمیں پروا نہیں ہم سے اگر وہ تن کر بیٹھے ہیں

سبک ہو جائیں گے گر جائیں گے وہ بزم دشمن میں
کہ جب تک گھر میں بیٹھے ہیں وہ لاکھوں من کے بیٹھے ہیں

فسوں ہے یا دعا ہے یا معمہ کھل نہیں سکتا
وہ کچھ پڑھتے ہوئے آگے مرے فن کے بیٹھے ہیں

بہت رویا ہوں میں جب سے یہ میں نے خواب دیکھا ہے
کہ آپ آنسو بہاتے سامنے دشمن کے بیٹھے ہیں

کھڑے ہوں زیر طوبیٰ وہ نہ دم لینے کو دم بھر بھی
وہ حسرت مند تیرے سایہ دامن کے بیٹھے ہیں

تلاش منزل مقصد کی گردش اٹھ نہیں سکتی
کمر کھولے ہوئے رستے میں ہم رہزن کے بیٹھے ہیں

یہ جوش گریہ تو دیکھو کہ جب فرقت میں رویا ہوں
در و دیوار اک پل میں میرے مدفن کے بیٹھے ہیں

نگاہ شوق و چشم شوق میں درپردہ چھنتی ہے
کہ وہ چلمن میں ہیں نزدیک ہم چلمن کے بیٹھے ہیں

یہ اٹھنا بیٹھنا محفل میں ان کا رنگ لائے گا
قیامت بن کے اٹھیں گے بھبوکا بن کے بیٹھے ہیں

کسی کی شامت آئے گی کسی کی جان جائے گی
کسی کی تاک میں وہ بام پر بن ٹھن کے بیٹھے ہیں

قسم دے کر انہیں یہ پوچھ لو تم رنگ ڈھنگ اس کے
تمہاری بزم میں کچھ دوست بھی دشمن کے بیٹھے ہیں
کوئی چھینٹا پڑے تو داغ کلکتے چلے جائیں
عظیم آباد میں ہم منتظر ساون کے بیٹھے ہیں!

☆☆☆

محبت میں آرام سب چاہتے ہیں
مگر حضرت داغ کب چاہتے ہیں
خطا کیا ہے ان کی جو اس بت کو چاہا
خدا چاہتا ہے تو سب چاہتے ہیں
وہی ان کا مطلوب و محبوب ٹھہرا
بجا ہے جو اس کی طلب چاہتے ہیں
مگر عالم یاس میں تنگ آ کر
یہ سامان آفت عجب چاہتے ہیں
اجل کی دعا ہر گھڑی مانگتے ہیں
غم و درد و رنگ و تعب چاہتے ہیں
نہ تفریح آسائش دل کی خواہش
نہ سامان عیش و طرب چاہتے یہں
قیامت بپا ہو نزول بلا ہو
یہی آج کل روز شب چاہتے ہیں
نہ معشوق فرخار سے ان کو مطلب
نہ یہ جام بنت العنب چاہتے ہیں
نہ جنت کی حسرت نہ حوروں کی پروا

نہ کوئی خوشی کا سبب چاہتے ہیں

نرالی تمنا ہے اہل کرم سے

ستم چاہتے ہیں غضب چاہتے ہیں

نہ ہو کوئی آگاہ راز نہاں سے

خاموشی کو یہ مہر لب چاہتے ہیں

خدا ان کی چاہت سے محفوظ رکھے

یہ آزار بھی منتخب چاہتے ہیں

غم عشق میں داغ مجبور ہو کر

کبھی جو نہ چاہا وہ اب چاہتے ہیں

☆☆☆

تمام رات وہ جاگیں وہ سوئیں سارے دن

خبر ہے کیا انہیں کیونکر کٹے ہمارے دن

خدا بچائے قیامت کے ہیں تمہارے دن

یہ پیاری پیاری جوانی یہ پیارے پیارے دن

مجھے گزرتی ہے اک اک گھڑی قیامت کی

جو اس طرح سے گزارے تو کیا گزارے دن

کسی کے جاتے ہی گھر میں ہوئی تاریکی

چراغ میں نے جلائے ہیں آج سارے دن

وہ بدنصیب ہوں آئے نہ یہ قیامت تک

جو میرے ساتھ شب وصل کو پکارے دن

تمہاری طرح بھی ہو گا نہ کوئی ہرجائی

تمام رات کہیں ہو کہیں ہو سارے دن

مرے جگر پہ ہیں داغ فراق روز فراق
دکھا رہا ہے چمکتے ہوئے ستارے دن

شب فراق ہو کیونکر نصیب روز فراق
کہ زلف لیلیٰ و شب کس طرح گزارے دن

لڑیں جو غیر کی عشرت سے اپنے لیل و نہار
تو رات رات ہو رات کس طرح گزارے دن

انہوں نے وعدہ کیا آج شب کے آنے کا
خوشی تو جب ہے خدا خیر سے گزارے دن

ہمیشہ تم کو مبارک ہو داغ روز نشاط
پھریں ہمارے بھی جیسے پھرے تمہارے دن

☆☆☆

درد دل کا کوئی پہلو جو نکالوں تو کہوں
اپنے روٹھے ہوئے دلبر کو منا لوں تو کہوں

زہر سے کم نہیں احباب کے طعنے مجھ کو
جو ہے دل میں انہیں دیوانہ بنا لوں تو کہوں

پوچھتے کیا ہو یہ کیسا ہے کتابی چہرا
پہلے میں ہاتھ میں قرآں اٹھا لوں تو کہوں

جو مرے دل میں ہے کہتے ہوئے جی ڈرتا ہے
گدگدا لوں تو کہوں پاؤں دبا لوں تو کہوں

میں نے جو پائی ہے اس تیغ ادا میں لذت
سامنے خضر و مسیحا کو بٹھا لوں تو کہوں

شب ہجراں میں جو کچھ اس سے ہوئی ہیں باتیں

تیری تصویر کو سینے سے لگا لوں تو کہوں

یک بیک سن کے حال میرا اکھڑ جائیں گے

ہم نشیں میں انہیں باتوں میں لگا لوں تو کہوں

میں ہوں بیتاب وہ بدمست فسانہ ہے دراز

دل کو تھاموں تو کہوں ان کو سنبھالوں تو کہوں

رات بھر ہجر میں جاگا ہوں اے داور حشر

حال دل کوئی گھڑی آنکھ لگا لوں تو کہوں

ہتھکنڈے غیر کے سن کر مجھے مکرا لو گے

پہلے دو چار گواہی کو بلا لوں تو کہوں

حال غم کے لیے اس کی بھی شہادت ہے ضرور

ڈیرھ اینچ دل مضطر کو پڑھا لوں تو کہوں

جو گزرتی ہے مری دم پہ نہ پوچھو مجھ سے

گالیاں عشق و محبت کو سنا لوں تو کہوں

داغ پابند قفس ہوں نہیں کچھ کر سکتا

دام صیاد سے چھوٹ کے جا لوں تو کہوں

☆☆☆

جو پرزے ہو نہ صحرا میں جو ٹکڑے ہو نہ گلشن میں

گریباں میں گریباں ہے نہ وہ دامن ہے دامن میں

قیامت کی تجلی ہے تمہارے روئے روشن میں

مجھے ڈر ہے کہ دیکھو آگ لگ جائے نہ چلمن میں

تمہارے واسطے میں غیر کو تنہا نہ چھوڑوں گا!

سمجھ لینا وہ مردے گڑیں گے ایک مدفن میں

کسی کے خوف سے جی کھول کر رویا نہیں جاتا

کہ جو آنسو ٹپکتا ہے چھپا لیتا ہوں دامن میں

گرے کوسوں الگ خوف و خطر سے کانپ کر بجلی

اگر تخم محبت ایک بھی ہو سارے خرمن میں

مسخر کر لیا آخر کو بنگالے کے جادو نے

بڑا بول آگے آیا ہم جو بولے تھے لڑکپن میں

مزا جب ہے کہ اس انداز سے ہوں پیار کی باتیں

ہمارا ہاتھ سینے پر تمہارا ہاتھ گردن میں

کبھی ہم وحشیوں کے گھر کی آبادی نہیں جاتی

اگر کوئی نہ ہو تو خانہ ویرانی سے مسکن میں

بنایا آپ نے تعلیم دے کر اپنے مطلب کا

بھلا کیونکر نہ ساری خوبیاں پیدا ہوں دشمن میں

نئے گل پھولتے ہیں کیا نرالے رنگ کھلتے ہیں

بہاریں جو تری محفل میں ہیں کب ہیں وہ گلشن میں

غضب ہے داغ یہ دن رات یہ برسات یوں گزرے

کہاں وہ رشک گل جھولا جھلائیں جس کو ساون میں

☆☆☆

کچھ آنے لگا جب سے اثر آہ رسا میں

دل اور ہوا ہے جگر اور ہوا میں

تمکین تری شوخی میں تو شوخی ہے حیا میں

غمزے ترے انداز میں انداز ادا میں

دو باتوں کی فریاد ہے درگاہ خدا میں

رحم آئے ترے دل میں اثر میری دعا میں
اغیار نہ روکیں مجھے احباب نہ تھا میں

مل جائے مگر دست سبو لغزش پا میں
اے نامہ بر اس بت کی وہی راہ گزر ہے

سجدے کا نشاں جس کے ہو نقش کف پا میں
آنکھیں تری بیمار ہوئیں شرم جفا سے

زلفیں ہیں گرفتار مرے دل کی بلا میں
اللہ انہیں تو نظر بد سے بچانا

بن ٹھن کے وہ بیٹھے ہیں مرے اہل عزا میں
کھینچا ہے کسی ہاتھ نے کیا دامن دل کو

جب بھول کے رکھا ہے قدم راہ خدا میں
کیوں دور ہو اے چارہ گر آزار ہمارا

کچھ روح مسیحا تو نہیں تیری دوا میں
تھا عقدہ کشا کون کہ موجود ہیں دیکھو

ٹوٹے ہوئے ناخن گرہ بند قبا میں
آنکھیں ترے تلووں سے ملیں کس نے پئے وصل

دو پھول سے نرگس کے بنے ہیں کف پا میں
دیتے ہو مجھے گریہ بے صرفہ کے طعنے

تم ڈوب نہ جانا عرق شرم و حیا میں
فریادی فرقت ہیں بہت چاہنے والے

کیسا ہو جو آ جائے اثر سب کی دعا میں
سنتے ہیں وہ عشاق کی آہیں پس دیوار

پھر بھی شکایت ہے کہ گرمی ہے ہوا میں
تو دوست ہے کس طرح نہ لیں تیری بلائیں
ہم کود پڑا کرتے ہیں دشمن کی بلا میں
کب یہ دل وابستہ ہوا بار نزاکت
ہاں ایک گرہ اور بڑھی زلف دوتا میں
اس دام سے چھٹنا کوئی آسان ہے ظالم
تو دل میں ہے دل زلف میں اور زلف بلا میں
ہے بعد فنا بھی وہ تباہی کہ مری خاک
تھوڑی سی زمیں پر ہے بہت سی ہے ہوا میں
کیا ہاتھ اٹھاتے ہی نہ اٹھے گی قیامت
بس جان لو تم فیصلہ ہے اب کی دعا میں
کہتے نہیں کچھ اور سنا کرتے ہو سب کی
تم کو تو مزا آنے لگا شرم و حیا میں
افسوس گلا کاٹ کے مر بھی نہ سکے ہم
مصروف رہے ہاتھ شب ہجر دعا میں
تھے اس بت مہوش کے بہت چاہنے والے
انگشت نما داغ ہوا ساری سبھا میں

☆☆☆

دل گیا تم نے لیا ہم کیا کریں
جانے والی چیز کا غم کیا کریں
میں نے مر کر ہجر میں پائی شفا
ایسے اچھے کا وہ ماتم کیا کریں

ایک ساغر پہ ہے اپنی زندگی
رفتہ رفتہ اس سے بھی کم کیا کریں

کر چکے سب اپنی اپنی حکمتیں
دم نکلتا ہے وہ ہمدم کیا کراں

دل نے سیکھا شیوہ بیگانگی
ایسے نامحرم کو محرم کیا کریں

معرکہ ہے آج حسن و عشق کا
دیکھیے وہ کیا کریں ہم کیا کریں

تند خو ہے کب سنے وہ دل کی بات
اور بھی برہم کو برہم کیا کریں

آئینہ ہے اور وہ ہیں دیکھیے
فیصلہ دونوں یہ باہم کیا کریں

کہتے ہیں اہل سفارش مجھ سے داغ
تیری قسمت ہے بری ہم کیا کریں

☆☆☆

صاف کب امتحاں لیتے ہیں
وہ تو دم دے کے جان لیتے ہیں

یوں ہے منظور خانہ ویرانی
مول میرا مکان لیتے ہیں

تم تغافل کرو رقیبوں سے
جانے والے جان لیتے ہیں

پھر نہ آنا اگر کوئی بھیجے!

نامہ بر سے زبان لیتے ہیں

اب بھی گر پڑ کے ضعف سے نالے

ناتواں آسمان لیتے ہیں

تیرے خنجر سے بھی تو اے قاتل

نوک کی نوجوان لیتے ہیں

اپنے بسمل کا بس ہے زانو پر

کس محبت سے جان لیتے ہیں

یہ سنا ہے مرے لیے تلوار

اک مرے مہربان لیتے ہیں

یہ نہ کہہ ہم سے تیرے منہ میں خاک

اس میں تیری زبان لیتے ہیں

کون جاتا ہے اس گلی میں جسے

دور سے پاسبان لیتے ہیں

منزل شوق طے نہیں ہوتی

ٹھیکیاں ناتوان لیتے ہیں

کر گزرتے ہو کہ بھلی کہ بری

دل میں جو کچھ وہ ٹھان لیتے ہیں

وہ جھگڑتے ہیں جب رقیبوں سے

بیچ میں مجھ کو سان لیتے ہیں

ضد ہر اک بات پر نہیں اچھی

دوست کی دوست مان لیتے ہیں

مستعد ہو کے یہ کہو تو سہی

آیئے امتحان لیتے ہیں

داغ بھی ہے عجیب سحر بیاں

بات جس کی وہ مان لیتے ہیں

☆☆☆

دل داد خواہ ظلم جو اے کینہ جو نہ ہو

کل عرصہ گاہ حشر میں پھر تو ہ تو نہ ہو

عاشق کے دل میں اور تیری آرزو نہ ہو

اس باغ کا تو پھول ہو پھر اس میں بو نہ ہو

کھٹکا ہوا ہوں خار تمنا سے اس قدر

ڈرتا ہوں یاس سے بھی کہیں آرزو نہ ہو

لے تو چلا ہے ناصح ناداں پیام وصل

میں شرط باندھتا ہوں جو بے آبرو نہ ہو

اے درد عشق خانہ دل گھر ترا سہی

آباد یہ مکان تو جب ہو کہ تو نہ ہو

اس فکر میں کچھ ان سے نہ ہم بات کر سکے

یہ گفتگو نہ ہو کہیں وہ گفتگو نہ ہو

میں رنگ دیکھ کر نہ کروں گا یقین کبھی

جب تک عدو کے خون کی خنجر میں بو نہ ہو

اک تیری دوستی سی ہوئی سب میں دشمنی

گر یہ نہ ہو تو کوئی کسی کا عدو نہ ہو

بخشے ہی جائیں شرم حضوری سے لاکھ جرم

دنیا میں کیا کریں جو خدا روبرو نہ ہو

ہم بادہ نوش پاؤں نہ رکھیں بہشت میں
جب تک ہمارے سامنے جام و سبو نہ ہو

چاک دل رقیب کی جب فکر کیجیے
پہلے یہ دیکھ لیجیے پہلا رفو نہ ہو

کافر خدا کرے کہ غلط ہو مرا گماں!
جو میں سمجھ رہا ہوں وہ اے کاش تو نہ ہو

کیا رشک ہے کہ طالب ہجراں ہوں اس لیے
جو مجھ کو ہے رقیب کو وہ آرزو نہ ہو

مجھ کو جناب شیخ کی دعوت ضرورت ہے
ایسی کہیں شراب ملے جس میں بو نہ ہو

مٹی کی مورت اس سے تو اے داغ خوب ہو
معشوق کیا جو شوخ نہ ہو خوش گلو نہ ہو

☆☆☆

ممکن نہیں تیری محبت کی بو نہ ہو
کافر اگر ہزار برس دل میں تو نہ ہو

کیا لطف انتظار جو تو حیلہ جو نہ ہو
کس کام کا وصال اگر آرزو نہ ہو

محشر میں اور ان سے مری دوبدو نہ ہو
کہنے کی بات ہے جو کوئی گفتگو نہ ہو

قاتل اگر نہ شوخ ہو خنجر اگر نہ تیز
رگ رگ میں بے قرار ہمارا لہو نہ ہو

خلوت میں تجھ کو چین نہیں کس کا خوف ہے

اندیشہ کچھ نہ ہو جو نظر چار سو نہ ہو

سرخی ہے تیغ پر حنا تیرے ہاتھ میں
قاتل کہیں سفید عدو کا لہو نہ ہو

وہ آدمی کہاں ہے وہ انسان ہے کہاں
جو دوست کا ہو دوست عدو کا عدو نہ ہو

دل کو مسل مسل کے ذرا ہاتھ سونگھیے
ممکن نہیں کہ خون تمنا کی بو نہ ہو

زاہد مزا تو جب ہے عذاب و ثواب کا
دوزخ میں بادہ کش نہ ہوں جنت میں تو نہ ہو

معشوق ہجر اس سے زیادہ کوئی نہیں
کیا دل لگی رہے جو تیری آرزو نہ ہو

ایسے کہاں نصیب کہ وہ بت ہو ہم کلام
ہم طور پر بھی جائیں تو کچھ گفتگو نہ ہو

دست دعا کو ملتی ہے تاثیر عرش سے
جو ہاتھ سے ہو پاؤں سے وہ جستجو نہ ہو

غش آ نہ جائے دیکھ کے قاتل کو موج نہ خوں
نازک مزاج کا کہیں ہلکا لہو نہ ہو

ہے لاگ کا مزا دل بے مدعا کے ساتھ
تم کیا کرو کسی کو اگر آرزو نہ ہو

یہ ٹوٹ کر کبھی نہ بنے گا کسی طرح
زاہد شکست توبہ شکست سبو نہ ہو

اے داغ آ کے پھر گئے وہ اس کو کیا کریں

پوری جو نامراد تری آرزو نہ ہو!

☆☆☆

موت اس دن جو تجھ ستم ایجاد نہ ہو

میں تو مرجاؤں اگر لذت بیداد نہ ہو

زلف وہ دام کہ جس دام سے آزاد نہ ہو

آنکھ وہ چور کہ جس چور کی فریاد نہ ہو

بات کا زخم ہے تلوار کے زخموں سے سوا

کیجیے قتل مگر منہ سے کچھ ارشاد نہ ہو

غیر کا خون بہانا مری تربت پہ ضرور

آبرو دار کی مٹی کہیں برباد نہ ہو

ہائے وہ دل وہ کلیجہ کہاں سے لاؤں

وصل میں شاد ن ہو ہجر میں ناشاد نہ ہو

جور کے بعد ہے اب حرف تسلی کیا

اس سے فرمایئے جس کو وہ گھڑی یاد نہ ہو

دیکھ اے شام غریبی وہ مسافر میں ہوں

جس کا گھر بار نہ ہو جس کو وطن یاد نہ ہو

ہے یہی حسن کی شہرت تو ہمارا ذمہ

کہ ترے کوچے میں اک شہر جو آباد نہ ہو

محو آرائش زینت ہی رہے آٹھ پہر

تجھ کو اللہ کرے فرصت بیداد نہ ہو

بدگمانی بھی محبت سے بری ہوتی ہے

وہ یقین ہو مجھے جس بات کی بنیاد نہ ہو

حشر تک اس کی بہاریں نہ مٹیں گی زاہد
کوچہ یار ہے یہ جنت شداد نہ ہو

میری شامت کہ پڑھا قصہ شیریں میں نے
مجھ سے وہ کہتے ہیں صاحب تمہیں فرہاد نہ ہو

آدمی وہ ہے جو چتون کا اشارہ سمجھے
مجھ کو معلوم ہوا منہ سے کچھ ارشاد نہ ہو

ہے مرے دل کی تباہی پہ تعجب کیا خوب
آپ برباد کریں جس کو وہ برباد نہ ہو

اے وہ دشنام سہی خلعت و عزت نہ سہی
جو عطا غیر کو ہو وہ مجھے امداد نہ ہو

اٹھ سکیں ان نگہ ناز کی چوٹیں کس سے
روبرو تیرے جو آئینہ فولاد نہ ہو

تم مکاں مول نہ لو غیر کے ہمسایہ میں
آج تک ہو نہ ہوا ہے کبھی آباد نہ ہو

لاکھ گھاتیں ہیں کہیں دل کے پھنسا لینے کی
ہمیں صیاد ہوں اس کے جو وہ صیاد نہ ہو

کوستے ہیں وہ الٰہی کہ دعا دیتے ہیں!
داغ کو دیکھ کے کہتے ہیں یہ ناشاد نہ ہو

☆☆☆

تم کو چاہا تو خطا کیا ہے بتا دو مجھ کو
دوسرا کوئی تو اپنا سا دکھا دو مجھ کو
کون ہوتا ہے کڑی بات کا سہنے والا

گالیاں تم کو سکھا دیں یہ دعا دو مجھ کو
دل مرا ہاتھ میں لیتے ہی الگ پھینک دیا
مال ایسا یہ نہیں لاؤ اٹھا دو مجھ کو
باغ فردوس میں بھی بوئے وطن یاد رہے
عطر مٹی کا دم مرگ سنگھا دو مجھ کو
غیر کو دست حنائی نہ دکھاؤ دیکھو
گر لگانی ہے یوں ہی آگ لگا دو مجھ کو
وہ جو سوئے بھی شب وعدہ یہ کہہ کر سوئے
جب وہ آئے تو اسی وقت جگا دو مجھ کو
تم کو تو حشر کے دن لاکھ میں پہچان لیا
میں بھلا کون ہوں میرا تو پتا دو مجھ کو
اب خدا چاہے تو میں تم کو نہ چاہوں ہرگز
پھر یہ تقصیر ہو مجھ سے تو سزا دو مجھ کو
زہر بھی وہ نہیں دیتے مری قسمت دیکھو
جھوٹے منہ بھی جو کہوں پان لگا دو مجھ کو
دل میں سو شکوہ غم پوچھنے والا ایسا
کیا کہوں حشر کے دن یہ تو بتا دو مجھ کو
مجھ کو ملتا ہی نہیں مہر و محبت کا نشاں
تم نے دیکھا ہو کسی میں تو بتا دو مجھ کو
ہمدمو! ان سے میں کہہ جاؤں گا حالت دل کی
دو گھڑی کے لیے دیوانہ بنا دو مجھ کو
بے مروت دل بے تاب سے ہو جاتا ہے

شیوہ خاص تم اپنا ہی سکھا دو مجھ کو

تم بھی راضی ہو تمہاری بھی خوشی ہے کہ نہیں

جیتے جی داغ یہ کہتا ہے مٹا دو مجھ کو

☆☆☆

کیوں میری آہ سرد انہیں ناگوار ہو

یہ وہ ہوا نہیں جو کلیجے کے پار ہو

یوں مرے ساتھ دفن دل بیقرار ہو

چھوٹا سا اک مزار کے اندر مزار ہو

وعدے سے بیشتر یہ دعا مانگ لیجیے

یا رب مری قسم کا اسے اعتبار ہو

ہم آدمی ہیں کام کے اے ناصح شفیق

دیکھو ہمارے کام جہاں اختیار ہو

دونوں اپنے دل کو رنج یہ شرط وفا نہیں

اس سے اگر پھروں تمہیں کیا اعتبار ہو

تم تو شوخیوں سے نہیں چین رات دن

میں جانتا ہوں میری طرح بے قرار ہو

تیرے غضب سے رتبہ قیامت کو کون سا

یہ لاکھ با ہو وہ اگر ایک بار ہو

آسودگان خاک سے قاتل کو لاگ ہے

اے سونے والو جاگ اٹھو ہوشیار ہو

اترا رہے ہیں حشر کو وہ تیرے لطف پر

ایسا غضب نہ اے مرے پروردگار ہو

ایسے کو تو خدا کی قسم چھوڑنا ہے کفر

تجھ سا حسین ہو اور نہ دل بے قرار ہو

ناصح کی گفتگو سے ہوئیں بدگمانیاں

ایسا نہ ہو رقیب کا در پردہ یار ہو

کرتا ہے اس سے شکوہ الفت یہ ہے لحاظ

تصویر یار بھی نہ کہیں شرمسار ہو

جھپکی جو آنکھ ہجر کی شب آئی یہ ندا

اے ننگ عشق مر نہ گیا ہوشیار ہو

یہ داغ پارسا ہی کی شہرت ہے ان دنوں

لاکھوں میں ہو نہ ہو وہی پرہیز گار ہو

☆☆☆

کل تک تو آشنا تھے مگر آج غیر ہو

دو دن میں یہ مزاج ہے آگے کو خیر ہو

مرجائیں دونوں قہر و غضب سے تو سیر ہو

تم ہو تمہارا گھر ہو نہ میں ہوں نہ غیر ہو

چاہیں اگر وہ کافر دین دار میں سلوک

بت خانہ میں ہو کعبہ تو کعبے میں دیر ہو

کیوں دعویٰ رقیب سراپا نہ ہو غلط

جب اس کی بات کا کوئی سر ہو نہ پیر ہو

کیسا وصال کیسی تسلی کہاں کا لطف

کچھ نہ ہو بلا سے مرے دل کی خیر ہو

دیتے ہیں لو یہ خاک دل تلخ کام کی

دینا یہ زہر اس کو تمہیں جس سے بیر ہو

دلی میں پھول والوں کا میلا پھر آئے داغ

بن ٹھن کے آء وہ تو قیامت کی سیر ہو

☆☆☆

آئینہ اپنی نظر سے نہ جدا ہونے دو

کوئی دم اور بھی آپس میں ذرا ہونے دو

کم نگاہی میں اشارا ہے اشارے میں حیا

یا نہ ہونے دو مجھے چین سے یا ہونے دو

ہاتھ باندھے ہوئے اغیار کے ساتھ آؤ گے

ہم دکھا دیں گے مزا روز جزا ہونے دو

ہم بھی دیکھیں گے تو کہاں تک نہ توجہ ہو گی

کوئی دن تذکرہ اہل وفا ہونے دو

آنکھ ملتے ہی کہوں خاک حقیقت دل کی

دیکھ کر جلوہ مرے ہوش بجا ہونے دو

تم دل آزار بنے رشک مسیحا کیسے

کم نہ ہونے دو مرا درد سوا ہونے دو

میری آنکھوں پہ مرے منہ پہ نہ تم رکھو ہاتھ

حرف مطلب کسی صورت سے ادا ہونے دو

کیا نہ آئے گا اسے خوف میرے قتل کے بعد

دست قاتل کو ذرا دست دعا ہونے دو

لطف سمجھو تو رقیبوں سے بڑھا دو مجھ کو

سیر دیکھو تو کوئی فتنہ بپا ہونے دو

جب سنا داغ کوئی دم میں فنا ہوتا ہے
اس ستمگر نے اشارے سے کہا ہونے دو

☆☆☆

ہے غضب بوسہ مجھے کھا کے قسم ایک نہ دو
پھر تغافل سے ہزاروں ہوں ستم ایک نہ دو

پائمالوں کی تری راہ میں گنتی کیا ہے
سینکڑوں آ گئے سر زیر قدم ایک نہ دو

چرخ سا اور سخی کون ہے دینے والا
مجھ کو دس بیس دیے داغ الم ایک نہ دو

ہاتھ کیوں کھینچ لیا ایک ہی ساغر دے کر
دو تو سو جو نہ دو اس سے تو کم ایک نہ دو

وہ اشاروں ہی سے اقرار کریں دو دن کا
ایسے بھولے نہیں سمجھیں گے جو ہم ایک نہ دو

ہم نے کعبے میں بھی لاکھوں کی یہ صورت دیکھی
کرتے ہیں صنم ہائے صنم ایک نہ دو

میری تقدیر بکثرت مجھے دلوائے گی
دل تمہارا جو کہے گا اسے غم ایک نہ دو

مجھ کو دو دل ہوں عطا روز ازل کہتا تھا
رنج کھانے کو اٹھانے کو ستم ایک نہ دو

داغ دلی تھی کسی وقت میں یا جنت تھی
سینکڑوں گھر تھے وہاں رشک ارم ایک نہ دو

☆☆☆

کہتے ہیں جس کو حور وہ انساں تمہیں تو ہو
جاتی ہے جس پہ جان مری جاں تمہیں تو ہو

مطلب کی کہہ رہے ہیں وہ ناداں ہمیں تو ہیں
مطلب کی پوچھتے ہو وہ دانا تمہیں تو ہو

آتا ہے بعد ظلم تمہیں کو تو رحم بھی
اپنے کیے سے دل میں پشیماں تمہیں تو ہو

پچھتاؤ گے بہت مرے دل کو اجاڑ کر
اس گھر میں اور کون ہے مہماں تمہیں تو ہو

اک روز لائیں گی یہ مہربانیاں
ہم جانتے تھے جان کے خواہاں تمہیں تو ہو

دلدار و دلفریب دل آزار و دل ستاں
لاکھوں میں ہیں ہم کہیں گے کہ ہاں ہاں تمہیں تو ہو

کرتے ہو داغ دور سے بت خانے کو سلام
اپنی طرح کے ایک مسلماں تمہیں تو ہو

☆☆☆

نکلی فلک سے کم کسی سائل کی آرزو
پھر اس پہ آرزو بھی مرے دل کی آرزو

حسرت ہے اس کو نکلی نہ بسمل کی آرزو
پوری کرے خدا مرے قاتل کی آرزو

حوروں سے کیا غرض تھی عبث بدگماں ہو
جنت میں لے گئی تری محفل کی آرزو

یوں آہ نارسا کو تمنائے عرش ہے

جیسے کسی غریب کو منزل کی آرزو

یہ ناامید زیست وہ مشتاق رقص ہے

بسمل کی یاس دیکھیے قاتل کی آرزو

آئینہ دیکھ کر تمھیں متاق کیا ہوئے

تم سے سوا ہے مدمقابل کی آرزو

ہے قیس کا تو شوق زمانے پر آشکار

کیا جانے کوئی صاحب محمل کی آرزو

دنیا سرائے تنگ ہے محشر ہے جائے تنگ

عاشق کہاں نکال سکے گا دل کی آرزو

دل ہر طرف رہا نگراں بحر عشق میں

اس ڈوبتے کو رہ گئی ساحل کی آرزو

اوچھی پڑی ہے تیغ کہ قاتل ہے نازنیں

بسمل کے ساتھ جائے گی بسمل کی آرزو

پہچان لو فقیر کی صورت سوال ہے

تم جان لو یہ ہے مرے سائل کی آرزو

یوسف نے دیکھ کر تری تصویر یہ کہا

کیوں ہو نہ ایسی شکل وشمائل کی آرزو

رتبہ کمال عشق کا حاصل نہی ہوا

اب داغ کو ہے مرشد کامل کی آرزو

☆☆☆

شب وصل ضد میں بسر ہو گئی

نہیں ہوتے ہوتے سحر ہو گئی

نگہ غیر پر بے اثر ہو گئی
تمہاری نظر کو نظر ہو گئی

کسک دل میں پھر چارہ گر ہو گئی
جو تسکین پہر دوپہر ہو گئی

لگاتے ہیں دل اس سے اب ہار جیت
ادھر ہو گئی یا ادھر ہو گئی

جواب ان کی جانب سے دینے لگا
یہ جرأت تجھے نامہ بر ہو گئی

برے حال سے یا بھلے حال سے
تمہیں کیا ہماری بسر ہو گئی

میسر ہمیں خواب راحت کہاں
ذرا آنکھ جھپکی سحر ہو گئی

جفا پر وفا تو کروں سوچ لو
تمہیں مجھ سے الفت اگر ہو گئی

نگاہ ستم میں کچھ ایجاد ہو
کہ یہ تو پرانی نظر ہو گئی

تسلی مجھے دے کے جاتے تو ہو
مبادا جو جوع دگر ہو گئی

کہیں حسن سے بھی ہے کاہیدگی
نہ ہونے کے قابل کمر ہو گئی

شب وصل ایسی کھلی چاندنی
وہ گھبرا کے بولے سحر ہو گئی

کہی زندگی بھر کی شب واردات
مری روح پیغام بر ہو گئی
کہو کیا کرو گے مرے وصل کی
جو مشہور جھوٹی خبر ہو گئی
غمِ ہجر سے داغ مجھ کو نجات
یقین تھا نہ ہو گی مگر ہو گئی

☆☆☆

اس سے کیا خاک ہم نشینی بنتی
بات بگڑی ہوئی نہیں بنتی
وہ بنی ابتدائے الفت میں
دم پہ جو وقت واپسیں بنتی
آدمی سب فرشتے بن جاتے
آسماں پر اگر زمیں بنتی
میری صورت بنی تو خاک بنی
قسمت اے صورت آفریں بنتی
وعدہ کرتے ہی کیا وہ آجاتے
رات بھر زلف عنبریں بنتی
کاش سنتا نہ کوئی شور و فغاں
دل کی جا چشم سرگیں بنتی
تو نے ایسے بگاڑ ڈالے ہیں
ایک کی ایک سے نہیں بنتی
نہ چمکتی جو حسن کی تقدیر

کیوں تری چاند سی جبیں بنتی

پارہ جیب سے مری اے کاش

دست وحشت کی آستیں بنتی

بزم دنیا تھی قابل جنت

خوب بنتی اگر یہیں بنتی

طبع نازک کا لطف جب تھا داغ

نازنینوں میں نازنیں بنتی!

☆☆☆

ملاتے ہو اسی کو خاک میں جو دل سے ملتا ہے

مری جاں چاہنے والا بڑی مشکل سے ملتا ہے

کہیں ہے عید کی شادی کہیں ماتم ہے مقتل میں

کوئی قاتل سے ملتا ہے کوئی بسمل سے ملتا ہے

پس پردہ لیلیٰ ہاتھ رکھ لیتی ہے آنکھوں پر

غبار ناتواں قیس جب محمل سے ملتا ہے

بھرے ہیں تجھ میں وہ لاکھوں ہنر اے مجمع خوبی

ملاقاتی ترا گویا بھری محفل سے ملتا ہے

مجھے آتا ہے کیا کیا رشک وقت ذبح اس سے بھی

گلا جس دم لپٹ کر خنجر قاتل سے ملتا ہے

بظاہر باادب یوں حضرت ناصح سے ملتا ہوں

مرید خاص جیسے مرشد کامل سے ملتا ہے

مثال گنج قاروں اہل حاجت سے نہیں چھپتا

جو ہوتا ہے سخی خود ڈھونڈ کر سائل سے ملتا ہے

جواب اس بات کا اس شوخ کو کیا دے سکے کوئی

جو دل لے کے کہے کمبخت تو کس دل سے ملتا ہے

چھپائے سے کوئی چھپتی ہے اپنے دل کی بیتابی

کہ ہر تار نفس اپنا رگ بسمل سے ملتا ہے

عدم کی جو حقیقت ہے وہ پوچھو اہل ہستی سے

مسافر کو تو منزل کا پتا منزل سے ملتا ہے

غضب ہے داغ کے دل سے تمہارا دل نہیں ملتا

تمہارا چاند سا چہرہ مہ کامل سے ملتا ہے

☆☆☆

تم نے بدلے ہم سے گن گن کے لیے

ہم نے کیا چاہا تھا اس دن کے لیے

کچھ نرالا ہے جوانی کا

شوخیاں زیور ہیں اس سن کے لیے

چاہنے والوں سے گر مطلب نہیں

آپ پھر پیدا ہوئے کن کے لیے

فیصلہ ہو آج میرا آپ کا

یہ اٹھا رکھا ہے کس دن کے لیے

دے مئے بے درد اے پیر مغاں

چاہیے اک پاک باطن کے لیے

دل کے لینے کی ضمانت چاہیے

اور اطمینان ضامن کے لیے

ہم نشینوں سے مرے کہتے ہیں وہ

چھوڑ دیں غیروں کو کیا ان کے لیے
ہیں رخ نازک پہ گنتی کے نشاں
کس نے بوسے تیرے گن گن کے لیے
وہ نہیں سنتے ہماری کیا کریں
مانگتے ہیں ہم دعا جن کے لیے
آج کل میں داغ ہو گئے کامیاب
کیوں مرے جاتے ہو دو دن کے لیے

☆☆☆

آئے بھی تو ہو منہ کو چھپائے مرے آگے
اس طرح سے آئے کہ نہ آئے مرے آگے
دل میں نے لگایا ہے مگر دیکھیے کیا ہو
سب جھینکتے ہیں اپنے پرائے مرے آگے
بجھتے ہوئے دیکھوں گا نہ میں دل کی لگی کو
کوئی نہ کبھی شمع بجھائے مرے آگے
کیا دم کا بھروسا ہے پھر آئے کہ نہ آئے
جانا ہو قاصد کو تو جائے مرے آگے
کچھ تذکرہ رنجش معشوق جو آیا!!
دشمن کے بھی آنسو نکل آئے مرے آگے
مانگی ہے دعا وصل کی کچھ اور نہ سمجھو
کوسا ہوا اگر میں نے تو آئے مرے آگے
تیور یہی کہتے تھے کہ یہ نام ہے میرا
لکھ کر حرف اس نے مٹائے میرے آگے

دیکھے تو کوئی قاصد جاناں کی دلیری
واپس مرے خط لا کے جلائے مرے آگے
بچھڑے ہوئے معشوق ملیں سب کو الٰہی
تنہا کوئی جنت میں نہ جائے مرے آگے
محشر میں بھی ہے خواہش خلوت مجھے ان سے
کہتا ہوں کیا میرا نہ آئے میرے آگے
کچھ داغ کا مذکور جو آیا تو وہ بولے
آئے تھے برا حال بنائے مرے آگے

☆☆☆

سب سے تم اچھے ہو تم سے مری قسمت اچھی
یہی کمبخت دکھا دیتی ہے صورت اچھی
حسن معشوق سے بھی حسن سخن ہے کمیاب
ایک ہوتی ہے ہزاروں میں طبیعت اچھی
میری تصویر بھی دیکھی تو کہا شرما کر
یہ برا شخص ہے اس کی نہیں نیت اچھی
ہر طرح دل کا ضرر جان کا نقصاں دیکھا
نہ محبت تری اچھی نہ عداوت اچھی!
کس صفائی سے کیا وصل کا تو نے انکار
اس محل پر تو زباں میں تری لکنت اچھی
ہجر میں کس کو بلاؤں نہ بلاؤں کس کو
موت اچھی ہے الٰہی کہ قیامت اچھی
دیکھنے والوں سے انداز کہیں چھپتے ہیں

ہم کو پردے میں نظر آتی ہے صورت اچھی

میری شامت کہ دکھائی اسے دشمن کی شبیہہ

مسکرا کر یہ کہا کہ اس نے نہایت اچھی

جو ہو آغاز میں بہتر وہ خوشی ہے بدتر

جس کا انجام ہو اچھا وہ مصیبت اچھی

ہے سرناز فروشی تو خریدار بہت

بیچ ڈالو اس مل جائے گی قیمت اچھی

عیب بھی اپنے بیاں کرنے لگے آخر کار

ہو گئی ان کو برا کہنے کی عادت اچھی

تم بتاؤ تو سہی مہر و محبت کے گواہ

ایسے دعوی میں تو جھوٹی ہی شہادت اچھی

زور و زر سے بھی کہیں داغ حسیں ملتے ہیں

اپنے نزدیک تو ہے سب سے اطاعت اچھی

☆☆☆

یہ جو ہے حکم مرے پاس نہ آئے کوئی

اس لیے روٹھ رہے ہیں کہ منائے کوئی

یہ نہ پوچھو کہ غم ہجر میں کیسی گزری

دل دکھانے کا اگر ہو تو دکھائے کوئی

تاک میں ہے نگہ شوق خدا خیر کرے

سامنے سے مرے بچتا ہوا جائے کوئی

ہو چکا عیش کا جلسہ تو مجھے خط پہنچا

آپ کی طرح سے مہمان بلائے کوئی

ترک بیداد کی تم داد نہ چاہو مجھ سے

کر کے احسان نہ احسان جتائے کوئی

یوں شب وصل ہو بالیدی عیش و نشاط

آپ اپنے میں خوشی سے نہ سمائے کوئی

حال افلاک و زمیں کا جو بتایا تو کیا

بات وہ ہے جو ترے دل کی بتائے کوء

درد الفت کے مزے لیتے ہیں قسمت والے

خون دل زہر نہیں ہے کہ نہ کھائے کوئی

کیا وہ مئے داخل دعوت نہیں ہے اے واعظ

مہربانی سے بلا کر جو پلائے کوئی

وعدہ وصل اسے جان کے خوش ہو جاؤں

وقت رخصت یہھ اگر ہاتھ ملائے کوئی

سرمہری سے زمانے کی ہوا ہے دل سرد

رکھ کر اس چیز کو کیا آگ لگائے کوئی

آپ نے داغ کو منہ سے بھی نہ لگایا افسوس

اس کو رکھتا تھا کلیجے سے لگائے کوئی

☆☆☆

ہجر کی یہ رات کیسی رات ہے

ایک میں ہوں یا خدا کی ذات ہے

آپ کی ہر بات میں یہ بات ہے

چال ہے فقرہ ہے دم ہے گھات ہے

حور کی خواہش پہ یہ طعنے ملے

واہ کیا نیت ہے کیا اوقات ہے
تو نے قاصد جو کہی دل کی کہی

یہ اسی کافر کے منہ کی بات ہے
پھر خدا جانے کہاں تم ہم کہاں

عیش و عشرت کی یہی اک رات ہے
شکوہ کے بدلے کیا شکر ستم

پھر خفا ہیں کیا مزے کی بات ہے
ان کا قاصد لے چلا ہے دل مرا

تازہ فرمائش نئی سوغات ہے
شب کو جاگیں بزم میں وہ دن کو سوئیں

رات کا دن اور دن کی رات ہے
کیوں پھسل پڑتے ہیں ملک حسن میں

کیا وہاں برسات ہی برسات ہے
جب کہا میں نے کہ اب مرتا ہوں میں

بولے بسم اللہ اچھی بات ہے
ضعف سے اٹھتے نہیں دست دعا

اب ہماری شرم اس کے ہاتھ ہے
کہتے ہیں دشنام دے کر لیں گے دل

مفت کیوں دیتے ہو کچھ خیرات ہے
داغ سے جا کر ملے تھے ہم بھی آج

آدمی خوش وضع خوش اوقات ہے

☆☆☆

تلاش ان کو ہے میرے راز داں کی
نئی ترکیب نکلی امتحاں کی

کہاں اے چارہ گر دل میں حرارت
یہ گرمی ہے فقط ضبط فغاں کی

نہیں کچھ ہرزہ گو دیوانہ عشق
سنو تو کہہ رہا ہے یہ کہاں کی

کرے گی سجدہ میت بھی ہماری
کہ مٹی دی ہے اس نے آستاں کی

شب غم آئے خواب مرگ کیونکر
یہاں دیکھی ہیں آنکھیں پاسباں کی

تمہیں سنواؤں کیونکر اس کی باتیں
مرے دل میں ہے کیفیت زباں کی

ذہن کو ہے مزا تیرے دہن کا
زبان کو چاٹ ہے تیری زباں کی

وہ سن کر داغ کے اشعار بولے
خدا جانے یہ بولی ہے کہاں کی

☆☆☆

وہ نیم وعدہ کر کے فراموش ہو گئے
امیدوار ہوش سے بے ہوش ہو گئے

تلچھٹ بھی آج حضرت زہد نے صاف کی
مے نوش کیا ہوئے کہ بلانوش ہو گئے

کافی ہے میرے قتل سے اتنا نہیں لحاظ

دو چار دن کے واسطے روپوش ہو گئے
احباب کو جنازہ اٹھانا بھی بار تھا

ہم خاک میں ملے وہ سبکدوش ہو گئے
بگڑا مزاج ان کا تو محفل بگڑ گئی

سامان عیش اڑ کے مرے ہوش ہو گئے
ماتم ہے طفل اشک کا یا دل کا سوگ ہے

کیوں مرد ماں دیدہ سیاہ پوش ہو گئے
ہاں ہاں ٹھہر کے اٹھا رخ سے تو نقاب

پیدا طبیعتوں میں بہت جوش ہو گئے
میری برائیاں تو نہ کرتا ہو مدعی!

کیا غور ہے کہ ہم ہمہ تن گوش ہو گئے
اے داغ سب زمانہ ماضی کے ذوق و شوق

اک بار دل سے محو و فراموش ہو گئے

☆☆☆

پھرے راہ سے وہ یہاں آتے آتے
اجل مر رہی ہے تو کہاں آتے آتے

مجھے یاد کرنے سے یہ مدعا تھا
نکل جائے دم ہچکیاں آتے آتے

نہ جانا کہ دنیا سے جاتا ہے کوئی
بہت دیر کی مہرباں آتے آتے

کلیجا مریمہ کو آئے گا اک دن
یونہی لب پہ آہ و فغاں آتے آتے

ابھی سن ہی کیا ہ جو بیباکیاں ہوں
انہیں آئیں گی شوخیاں آتے آتے

چلے آتے ہیں دل میں ارمان لاکھوں
مکاں بھر گیا مہماں آتے آتے

نتیجہ نہ نکلا تھکے سب پیامی
وہاں جاتے جاتے یہاں آتے آتے

تمہارا ہی مشتاق دیدار ہو گا
گیا جان سے اک جوان آتے آتے

یقین ہے کہ ہو جائے آخر کو سچی
مرے منہ میں تیری زباں آتے آتے

سنانے کے قابل جو تھی بات ان کو
وہی رہ گئی درمیاں آتے آتے

تری آنکھ پھرتے ہی ایسا پھرا ہے
مری راہ پر آسماں آتے آتے

مرے آشیاں کے تو تھے چار تنکے
چمن اڑ گیا آندھیاں آتے آتے

کسی نے کچھ ان کو ابھارا تو ہوتا
نہ آتے نہ آتے یہاں آتے آتے

قیامت بھی آئی تھی ہمراہ اس کے
مگر رہ گئی ہم عناں آتے آتے

بنا ہے ہمیشہ یہ دل باغ و صحرا
بہار آتے آتے خزاں آتے آتے

نہیں کھیل اے داغ یاروں سے کہہ دو
کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے

☆☆☆

مل گئی بیخودی شوق سے راحت کیسی
ہو گئی دونوں جہاں سے مجھے فرصت کیسی
کیا کہوں اس نے اٹھائی ہے اذیت کیسی
مرنے والے کی رہی رات کو حالت کیسی
عشق نے دی ہیں دعائیں دم رحلت کیسی
مجھ سے مل مل کے گلے روئی ہے حسرت کیسی
عکس بھی آئینہ میں چار گھڑی بعد آیا
بڑھ گئی حد سے سوا ان کی نزاکت کیسی
بندہ چاہے جو خدائی کوئی مل سکتی ہے
لوگ قسمت کے لیے پھرتے ہیں قسمت کیسی
جور معشوق کی پرسش ہی نہیں دنیا میں
اپنے بندے سے خدا کو ہے محبت کیسی
حور سے بحث نہیں ہاں یہ بتا اے زاہد
لاکھ دو لاکھ میں ہو ایک وہ صورت کیسی
دوست یک رنگ جو اک جا کبھی مل بیٹھتے ہیں
لطف کے ساتھ گزرتی جاتی ہے صحبت کیسی
خواب میں بھی جو برا اس نے کہا سب نے سنا
جلد ہوتی ہے بری بات کی شہرت کیسی
آپ ہی جور کریں آپ ہی پوچھیں مجھ سے

یہ تو فرمایئے ہے آج طبیعت کیسی

اب تو دو چار ہی نالوں کا رہا تھا جھگڑا

ہار دی حضرت دل آپ نے ہمت کیسی

تھمیے تھمیے کہ نکل جایئے ذرا جان حزیں

میں تو رخصت نہ ہوا آپ کی رخصت کیسی

تھے کہاں رات کو آئینہ تو لے کر دیکھو

اور ہوتی ہے خطا وار کی صورت کیسی

نگہ یار کو میں دل میں جگہ دوں لیکن

چور ہو جب کوئی مہمان تو عزت کیسی

چھیڑ ہر وقت کی اچھی نہیں یہ یاد رہے

کبھی کیسی ہے کبھی اپنی طبیعت کیسی

شعر تر نکلے تو وہ لخت جگر اپنا ہے

اپنی اولاد سے ہوتی ہے محبت کیسی

دل کو سمجھائیں گے بہلائیں گے پھسلائیں گے

بعد مر جانے کے مل جائے گی فرصت کیسی

دھمکیاں دیتے ہو تم جذبہ دل کی اے داغ

بندہ پرور یہ محبت میں حکومت کیسی

نظر آتا ہے پری رو جو کوئی شوخ و شریر

گدگداتی ہے پھر اے داغ طبیعت کیسی

☆☆☆

ہر دل میں نئے درد سے ہے یاد کسی کی

ملتی نہیں فریاد سے فریاد کسی کی

آرام طلب ہوں کرم عام کے طالب
یوں مفت میں لٹتی نہیں بیداد کسی کی

دل تھامے ہوئے پھرتے ہیں سب گبرو مسلماں
کیا یاد ہے کیا یاد ہے کیا یاد کسی کی

اس حسن جہاں سوز سے برپا ہے قیامت
ایسے میں کرے کیا کوئی امداد کسی کی

بڑھتی ہے محبت کی اسیری میں اسیری
پوری نہیں ہوتی کبھی معیاد کسی کی

ایمان تو جب لائیں ہم اے شان کریمی
مٹ جائے اگر لذت بیداد کسی کی

نکلی تو سہی جان مگر سہل نہ نکلی
ان کی نہیں رہتی مرے جلاد کسی کی

جب دیکھتی ہے نالہ بلبل میں اگر کچھ
اس کو بھی اچک لیتی ہے فریاد کسی کی

گھبر کے اگر موت بھی مانگوں تو کہیں وہ
جاگیر نہیں ہے عدم آباد کسی کی

کیا عیش بھلائے گا یہ آزار یہ تکلیف
جنت میں بھی یاد آئے گی بیداد کسی کی

ہے الفت دشمن میں برا حال کسی کا
اے حضرت دل کیجیے امداد کسی کی

کم بخت وہی داغ نہ ہو دیکھو تو کوئی
بے چین کیے دیتی ہے فریاد کسی کی

☆☆☆

اس کے در تک کسے رسائی ہے
وہ ہی جائے گا جس کی آئی ہے

بات اک دل میں میرے آئی ہے
گر کہوں تو ابھی لڑائی ہے

دوسری جان ہے تری الفت
ایک کھوئی ہے ایک پائی ہے

بھر دیا زخم میں نمک اس نے
یہ دعا گو کی منہ بھرائی ہے

سچ ہے بے عیب ہے خدا کی ذات
تجھ میں کیا جانے کیا برائی ہے

اے لب یار تجھ کو میری قسم
کبھی سچی قسم بھی کھائی ہے

اس کے در تک پہنچ گیا قاصد
آگے تقدیر کی رسائی ہے

قتل کرتی ہے گفتگو ان کی
بات میں بات کی صفائی ہے

داغ اب وصل کا وصال ہوا
یار زندہ غم جدائی ہے

☆☆☆

و بت دل میں مہماں ہوا چاہتا ہے
نیا دین و ایمان ہوا چاہتا ہے

لب یار خزاں ہوا چاہتا ہے
کوئی عہد و پیاں ہوا چاہتا ہے

ترا پیرہن میری باتوں سے ناصح
مرا ہی گریباں ہوا چاہتا ہے

تری دوستی میں یہ تھوڑی خوشی ہے
کہ دشمن پشیماں ہوا چاہتا ہے

شب وصل کی آخر ہوئی جلد جاؤ
یہاں اور ساماں ہوا چاہتا ہے

کہے دیتی ہے سرگرانی ہماری
اجل کا کچھ احساں ہوا چاہتا ہے

نگاہ تغافل نے تلوار کھینچی
یہاں خون ارماں ہوا چاہتا ہے

تھکا کر بٹھانے لگی مجھ کو گردش
بیاباں ہی زنداں ہوا چاہتا ہے

اسی واسطے ہاتھ اپنا ہے دل پر
کوئی اس کا خواہاں ہوا چاہتا ہے

کیا داغ گو اسنے جھوٹا ہی وعدہ
ترا کام آساں ہوا چاہتا ہے

☆☆☆

کچھ اور دل لگی نہیں اس بدنصیب سے
ہم جانتے ہیں کھیلتے ہو تم رقیب سے
کیا خوب رازدار ملا ہے نصیب سے

کھل کھیلے پردے پردے میں تم تو رقیب سے

بھر دعائے مرگ اٹھیں کس طرح سے ہاتھ

چھٹتی نہیں ہے نبض ہماری طبیب سے

میں بدگمانیوں کا: بھی ممنون ہو گیا

وہ حال پوچھ لیتے ہیں میرا طبیب سے

شوخی میں تمکنت ہے تو ہے ناز میں نیاز

تعلیم تم نے پائی ہے اچھے ادیب سے

اپنا ہی عکس کیوں نہ ہو اللہ رے حجاب

دیکھا نہ آئینہ کبھی اس نے قریب سے

اخفائے راز عشق کی عادت ہے بری

ہم نے ہمیشہ حال چھپایا طبیب سے

ایسی غم فراق میں صورت بگڑ گئی

جھک جھک کے دیکھتے ہیں وہ مجھ کر قریب سے

دیوانگی میں بھی نہ گئیں اپنی شوخیاں

گلشن میں پھول مانگتے ہیں عندلیب سے

دشمن بنائے ہیں مری قسمت نے سینکڑوں

چاہا ہے تجھ کو خلق نے میرے نصیب سے

اے ناصح شفیق رہے کچھ تو چھیڑ چھاڑ

ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے

جو دیکھتا ہے اس کو مجھے دیکھتا نہیں

دنیا میں کون آنکھ ملائے غریب سے

مانند برق مثل ہوا صورت نگاہ

اکثر نکل گئے ہیں وہ میرے قریب سے

کہتا یہ مرتے دم بھی تجھے اب شفا ہوئی

پالا پڑا مریض کو جھوٹے طبیب سے!

ہم کو جلا جلا کے جہنم میں جائے گا

ناراض ہے خدا بھی ہمارے رقیب سے

کلکتہ میں ہے شیخ نمائش میں کامگار

اس خلقت عجیب و لباس غریب سے

پوچھو جناب داغ کی ہم سے شرارتیں

کیا سر جھکائے بیٹھے ہیں حضرت غریب سے

☆☆☆

درد بن کر دل میں آنا کوئی تم سے سیکھ جائے

جان عاشق ہو کے جانا کوئی تم سے سیکھ جائے

ہر سخن پر روٹھ جانا کوء تم سے سیکھ جائے

روٹھ کر پھر مسکرانا کوئی تم سے سیکھ جائے

وصل کی شب چشم خواب آلودہ کو ملتے اٹھے

سوتے فتنے کو جگانا کوئی تم سے سیکھ جائے

کوئی سیکھے خاکساری کی روش وت ہم سکھائیں

خاک میں دل کو ملانا کوئی تم سے سیکھ جائے

آتے جاتے یوں تو دیکھے ہیں ہزاروں خوش خرام

دل میں آنا دل سے جانا کوئی تم سے سیکھ جائے

اک نگاہ لطف پر لاکھوں دعائیں مل گئیں

عمر کا اپنی بڑھانا کوئی تم سے سیکھ جائے

جان سے مارا اسے تنہا جہاں پایا جسے

بیکسی میں کام آنا کوئی تم سے سیکھ جائے

فیلسوفی اے بتو تم کو زمانہ کیا سکھائے

بلکہ ہو کیسا ہی دانا کوئی تم سے سیکھ جائے

جانتے ہو ہر بات ہر غماز کی آیت حدیث

جھوٹ پر ایمان لانا کوئی تم سے سیکھ جائے

کیا سکھائے گا زمانے کو فلک طرز جفا

اب تمہارا ہے زمانہ کوئی تم سے سیکھ جائے

ہے تغافل میں بھی دزدیدہ نظر سے تانک جھانک

چور کو رستہ بتانا کوئی تم سے سیکھ جائے

ہر گنہ سے توبہ کر لی جب جوانی ہو چکی

زاہد جنت میں جانا کوئی تم سے سیکھ جائے

وہ کیا وعدہ کہ میں فرط خوشی سے رو دیا

ایسے ہنستے کو رلانا کوئی تم سے سیکھ جائے

غیر کو اپنا بنا لیتے ہیں ہم تو وقت پر

دوست کو دشمن بنانا کوئی تم سے سیکھ جائے

محو و بے خود ہو نہیں کچھ دین و دنیا کی خبر

داغ ایسا دل لگانا کوئی تم سے سیکھ جائے

☆☆☆

دیکھا جو شہر حسن میں چرچا ہی اور ہے

اس کی ہوا ہے اور وہ دنیا ہی اور ہے

مجھ کو رلا کے آپ ہنسی سے تڑپ گئے

خود لوٹنے لگے یہ تماشا ہی اور ہے

جی چاہتا ہے مجھ کو وہ یارب نصیب ہو

کیسا بہشت مجھ کو تمنا ہی اور ہے

اس بے وفا کے ہاتھ رہا دل کا فیصلہ

نامنصفوں سے طے ہو یہ جھگڑا ہی اور ہے

لو دیکھتے ہی غیر کو چتون بدل گئی

آنکھوں کو دیکھیے تو اشارا ہی اور ہے

آئے تو کیا کہ پھر وہ کوئی دم میں جائیں گے

کم جس قدر ہوا ہے غم اتنا ہی اور ہے

کہتے ہیں خواب میں شب وعدہ ہم آئے تھے

یہ مکر یہ فریب یہ دھوکا ہی اور ہے

دیکھے جو تیرے قد کو قیامت تو یہ کہے

سج دھج ہی اور ہے یہ سراپا ہی اور ہے

تم آئینہ ہی دیکھ کے حیران رہ گئے

واللہ میرے دل میں اک ایسا ہی اور ہے

جب اہل حشر سے نہ ملی میری واردات

سب نے کہا سنو تو یہ جھگڑا ہی اور ہے

حوروں کی آرزو میں یہ کیفیتیں کہاں

اللہ رکھے اس کی تمنا ہی اور ہے

پھوٹیں یہ کان گر قم عیسیٰ کی ہو ہوس

مرتے ہیں جس پہ ہم وہ مسیحا ہی اور ہے

قاتل کو زیر قبر بھی دیتے رہے دعا

سر جا کے بھی نہ جائے یہ سودا ہی اور ہے
کرتا ہوں صبر ان کی جفا پر تو کہتے ہیں
یہ دل ہی اور ہے یہ کلیجا ہی اور ہے
کیسا نیاز کس کی وفا کس کی عاشقی
تم جانتے نہیں مجھے یہ دعوا ہی اور ہے
اجیر ہو کے جائیں گے اے داغ ہم بہار
اب کی برس سفر کا ارادہ ہی اور ہے

☆☆☆

نک جائے یہ حسرت وہ نہیں ہے
بدل جائے یہ قسمت وہ نہیں ہے
وہی تم طبیعت وہ نہیں ہے
وہی صورت ہے سیرت وہ نہیں ہے
پکار دیکھ کر میں حور کی شکل
خداوندا یہ صورت وہ نہیں ہے
تمہارا دل تو دیکھوں ہاتھ رکھ کر
وہی ہے یا محبت وہ نہیں ہے
کہے دیتے ہیں ہم دھوکا نہ کھانا
ہماری اب طبیعت وہ نہیں ہے
دکھائے بت برہمن شیخ حوریں
پلٹ جائے یہ نیت وہ نہیں ہے
ترا دل کیا ترے گھر میں بھی مجھ کو
ٹھہرنے دے یہ وحشت وہ نہیں ہے

مرے مرقد پہ بولے ہاتھ مل کر
اسی کی ہے یہ تربت وہ نہیں ہے
یہاں قیدی ہیں تھے دنیا میں آزاد
ہمیں جنت میں راحت وہ نہیں ہے
جو تم سمجھے ہو دل میں چارہ سازو
علاج درد فرقت وہ نہیں ہے
گئی محفل کی رونق داغ کے ساتھ
وہی دم تھا غنیمت وہ نہیں ہے

☆☆☆

مرادیں مان رہا ہوں قضا کے آنے کی
بری گھڑی تھی دل مبتلا کے آنے کی
شب وصال نہ ٹھہرے حیا کے آنے کی
کہ پھر کبھی نہیں یہ رات جا کے آنے کی
تمہارے دن ہیں قیامت اٹھائے پھرنے کے
تمہاری عمر کے ناز و ادا کے آنے کی
دم اخیر مجھے اس کی خوشی کم ہے
کر دیکھی چال تری مسکرا کے آنے کی
شگاف چرخ سے اے آہ کیا ہوا حاصل
کہ اور راہ کھلی ہر بلا کے آنے کی
لگائے بیٹھے ہو مہندی عبث شب وعدہ
تمہیں امید ہے رنگ حنا کے آنے کی
کریں گے صبح قیامت بھی انتظار بہت

کہ عادت آپ کو ہے دن چڑھا کے آنے کی

وہ میری قبر پہ آتے ہیں خوب بن ٹھن کر
یہی تو وجہ ہے خلق خدا کے آنے کی

جواب وصل سے کیونکر نہ ہوں میں شادی مرگ
خوشی بھی اور خوشی دلربا کے آنے کی

وہ سادہ دل ہوں کہ تا وقت واپسیں مجھ کر
جمی ہوئی ہے بت بے وفا کے آنے کی

مرا خیال تو آنے دیا نہ تم نے مگر
ہوئی نہ روک دل مبتلا کے آنے کی

شب فراق ہجوم بلا سے کیا مرتا
کہ راہ بند ہوئی تھی قضا کے آنے کی

مری بلا رہے فرقت میں رات بھر ناشاد
مجھے تو عید ہے روز جزا کے آنے کی

بنا ہوں نفس واپسیں نقاہت سے
نہ آ کے جانے کی طاقت نہ جا کے آنے کی

رہی ہے منزل مقصود ہائے تھوڑی دور
خبر نہ تھی مجھے سیل فنا کے آنے کی

ابھی تو کھیل ہیں اے داغ شوخیاں ان کی
پھر آرزوئیں کرو گے حیا کے آنے کی

☆☆☆

دنیا میں کوئی لطف کرے یا جفا کرے
جب میں نہیں بلا سے مری کچھ ہوا کرے

اس جور پر وفا نہ کرے یا وفا کرے
مری جگہ نصیب سے ہو تو کیا کرے

آتے ہی ان کو ہوش قیامت بپا ہوئی
مانگیں تھیں کیوں دعائیں کہ یہ دن خدا کرے

کیوں اے ستم شعار یہ کہنا بھی یاد ہے
تجھ سے دغا کرے تو خدا سے دغا کرے

لذت کو عشق کے غم جاوید چاہیے
تھوڑی سی زندگی ہے کہاں تک وفا کرے

گو وعدہ دروغ کی بھی عہد ہو گئی
امید ہی نہیں جو کوئی التجا کرے

روز جزا کہیں نہ سوال و جواب میں
کچھ گفتگو ہمارے تمہارے ہوا کرے

اس التجا کے ساتھ کہا م نے حال دل
جیسے اخیر وقت میں کوئی دعا کرے

دل کی طرح سے جان نہ جائے گی عشق میں
پھر کچھ وفا کرے تو یہی بے وفا کرے

بیتاب زیر تیغ نہ ہو وقت امتحاں!
دل کا غلام ہو جو تحمل ذرا کرے

منظور کس کو ہے جو اٹھائے بلائے عشق
جب سر پہ آ پڑے تو کہو کوئی کیا کرے

تجھ کو پسند آ گئی دیوانگی مری!
تیری خوشی سے کام کوئی کچھ کیا کرے

دل نخل تن میں یک ثمر خوشگوار ہے
اے کاش تیغ یار ہی یہ پھل نیا کرے

معشوق ہے نیاز ہے عاشق کو چاہیے
لب سے کرے جو شکوہ تو دل سے دعا کرے

اس عشق میں کسی کا اجارہ نہیں ہے داغ
پروردگار جس کو یہ یہ دولت عطا کرے

☆☆☆

میرے رونے پر جو رویا آدمی فہمیدہ ہے
ناصح عاقل پرانا گرگ باراں دیدہ ہے

جانتے ہیں جاگنے والے فراق یار کے
فتنہ روز قیامت فتنہ خوابیدہ ہے

میں تو دیکھوں نکلتا ہے یہ تنکا کس طرح
چارہ گر کی آنکھ میں میرا تن کاہیدہ ہے

کیا کہوں کیونکر کہوں کس سے کہوں کیا کیا کہوں
آپ کی کیا بات ہے جو بات ہے سنجیدہ ہے

تو نے رکھا ہے رقیب ترش رو کے دل پہ ہاتھ
آج کیوں پھیکا ترا دست حنا مالیدہ ہے

تیر جب بیٹھا مرے دل میں ترازو ہو گیا!
اس سے یہ ظاہر ہوا قاتل بہت سنجیدہ ہے

میں تو ان باتوں کا قائل ہوں مرے خط کا جواب
جس قدر مختصر ہے چیدہ ہے پیچیدہ ہے

خاک میں اس نے ملایا مجھ کو میں نے اسے

آج میں ہوں اور یہ میرا دل تنشیدہ ہے

زہر کھا کر مل گئے ہیں خاک میں عاشق بہت

انگلیاں ہیں دیکھ تو یا سبزہ روئیدہ ہے

خوب آتا ہے لگا لینا نگاہ یار کو

ایک سے ان بن ہوئی تو دوسرا گرویدہ ہے

اس ستم گر نے مرے پیغامبر سے یہ کہا

مر نہیں جاتا اگر آزردہ ہے رنجیدہ ہے

بہر نظارہ چلا ہے کوچہ قاتل میں داغ

کس بلا کا ہے کلیجہ کس غضب کا دیدہ ہے

☆☆☆

پیامی کامیاب آئے نہ آئے

خدا جانے جواب آئے نہ آئے

ترے غمزوں کو اپنے کام سے کام

کسی کے دل کو تاب آئے نہ آئے

اسے شرمائیں گے ذکر عدو پر

یہ قسمت ہے حجاب آئے نہ آئے

تم آؤ جب سوار تو سن ناز

قیامت ہمرکاب آئے نہ آئے

شمار اپنی خطاؤں کا بتا دوں

تمہیں شاید حساب آئے نہ آئے

نئے خنجر سے مجھ کو ذبح کیجیے

پھر ایسی آب و تاب آئے نہ آئے

شب وصل عدو تیری بلا سے
کسی مضطر کو خواب آئے نہ آئے

پیوں گا آج ساقی سیر ہو کر
میسر پھر شراب آئے نہ آئے

یہ جان پوچھ آ تو ان سے درباں
کہ وہ خانہ خراب آئے نہ آئے

نہ دیکھو داغ کا دیوان دیکھو
سمجھ میں یہ کتاب آئے نہ آئے

☆☆☆

بعد مردن بھی خیال رخ قاتل ہے وہی
جس سے ہم جان چراتے تھے مقابل ہے وہی

عشق کا کوئی نتیجہ نہیں جز درد و الم
لاکھ تدبیر کیا کیجیے حاصل ہے وہی

چار دن پہلے جو تقدیر میں تھا اب وہ نہیں
ہ وہ تم ہو وہی شوق وہی دل ہے وہی

خضر سے پوچھے کوئی عمر ابد کی تکلیف
زندگی نام ہے جس چیز کا قاتل ہے وہی

مر گئے خسر و جمشید سے میکش لاکھوں
رونق ساغر و آرائش محفل ہے وہی

مانگے جائیں گے دعا ہو گی نہ کب تک مقبول
بے لیے جو کبھی ٹلتا نہیں ہو سائل ہے وہی

رشک اغیار نے کیا وہم میں ڈالا مجھ کو

وہ نہیں پہلو میں اندیشہ باطل ہے وہی
طپش دل تہہ شمشیر نہ دیکھو دیکھو
جس سے قاتل بھی تڑپ جائے یہ بسمل ہے وہی
دیکھ کر مجمع اغیار یہ ان سے پوچھا
ہم جہاں رہتے تھے دن رات یہ محفل ہے وہ
کام دنیا میں نہیں نکلتا نہیں آسانی سے
جس کو ہم سہل سمجھ لیتے ہیں مشکل ہے وہی
شور اٹھتا بن ہر مو سے انا لیلیٰ کا
قیس گر دل کو سمجھتا کہ یہ محمل ہے وہی
بارے اتنا تو مرا دھیان انہیں رہتا ہے
سب سے کہتے ہیں مرے جور کے قابل ہے وہی
بڑھ گیا سیروں لہو ان کو جو آتے دیکھا
خود نہ پہچان سکا میں کہ مرا دل ہے وہی
نام پاتے ہیں محبت میں جو مٹ جاتے ہیں
جس کے ہونے کا گماں بھی نہ رہے دل ہے وہی
انتظار نفس باز پسیں ہے ہر دم
سر منزل ہوں مگر دوری منزل ہے وہی
حسرتوں کی ہے تباہی سی تباہی دل میں
جس جگہ قافلے لٹتے ہیں یہ منزل ہے وہی
کیا بتوں کی سی نہ حوروں میں ادائیں ہوں گی
آدمی کے لیے جنت میں بھی مشکل ہے وہی
جو کہے داغ سیہ مست وہ لکھ لو دل پر

اس خرابات میں اک مرشد کامل ہے وہی

☆☆☆

میری فریاد دوسرا نہ سنے
تم سنو اے بتو خدا نہ سنے
راز اپنا کبھی کہا نہ کہے
حال میرا کبھی سنا نہ سنے
خوبرو وہ جسے زمانہ کہے
گفتگو وہ جسے زمانہ سنے
غیر بھی گر کرے مری تعریف
تو بھی ہرگز وہ بے وفا نہ سنے
کیوں سنے وہ شکایت بیداد
صنعت خنجر ادا نہ سنے
اس لیے ہے پیام بر کی تلاش
مجھ سے میرا وہ مدعا نہ سنے
سن کے دشنام پی گئے ناصح
کان وہ ہے جو نا روا نہ سنے
دوستی کیا اسی کو کہتے ہیں
آشنا کی جو آشنا نہ سنے
دیدہ و دل میں اس لیے فرق ہے
ایک کا ایک ماجرا نہ سنے
کیوں نہ بنتا وہ صورت تصویر
مدعا تھا کہ مدعا نہ سنے

ہوش اڑتے ہیں دیکھ کر ان کو

ایسے دیکھے پری لقا نہ سنے

سن سکے ترے منہ سے کیا انکار

لن ترانی کی جو صدا نہ سنے

ہجر میں جو دعائیں مانگیں ہیں

کوئی اللہ کے سوا نہ سنے

داغ کو چین ہی نہیں آتا

اس سے جب تک برا بھلا نہ سنے

☆☆☆

فرقت کی شب یہ کام لیا دل کے داغ سے

ڈھونڈا اجل کو تابہ سحر اس چراغ سے

تفریح چیکی پڑتی ہے ان کے دماغ سے

گلگشت کر کے آئے ہیں دشمن کے باغ میں

کھاتے ہیں داغ دوست مرے دل کے داغ سے

سچ ہے چراغ ہوتا ہے روشن چراغ سے

اللہ رے غرور و نزاکت مزاج کی

اپنی بھی زلف سونگھتے ہیں کس دماغ سے

توبہ تو کر چکا ہوں مگر اب بھی شوق ہے

خالی صراحی و خم و جام و ایاغ سے

شہ رگ سے پاس اور پھر اس کا مقام دور

ہرجائی اور پھر نہیں ملتا سراغ سے

گر بعد مرگ وسعت دل ہو نصیب میں

کنج لحد بھی کم نہ ہو کنج فراغ سے
فرہاد و قیس ایک جنوں میں ہیں مبتلا
داماں کوہ بستہ ہے داماں داغ سے
بوئے وفا بھی آتی تو ہوتا ہے درد سر
کیونکر نبھے گی اس بت نازک دماغ سے
پیتے ہیں زیر خاک بھی رندان بادہ کش
گرتی ہے جب شراب چھلک کر ایاغ سے
فریاد عندلیب کو سمجھے مری فغاں
گھبرائے منہ بنائے وہ آتے ہیں باغ سے
دل بجھ گیا ہے اس کی تجلی کے سامنے
خورشید و ماہ اختر و شمع و چراغ سے
ہر شان میں نشان ہے ہر رنگ میں ظہور
آوارہ ہوا ہوں میں کسی کے سراغ سے
ہر وقت تازہ فقرہ ہے ان کی زبان پر
ہر دم نئی اترتی ہے ان کے دماغ سے
دنیا میں ایسے لوگ مصیبت زدہ کہاں
روئے ہم آج خوب گلے مل کے داغ سے

☆☆☆

آرزو یہ ہے کہ نکلے دم تمہارے سامنے
ہم تمہارے سامنے ہو ہم تمہارے سامنے
حشر کے دن بھی ہو شرح غم تمہارے سامنے
سب خدا کے سامنے ہوں ہم تمہارے سامنے

آہ لب پر آئے تھم تھم کر کہ تم گھبرا نہ جاؤ

درد دل میں ہو مگر کم کم تمہارے سامنے

روبرو میرے بٹھایا جس طرح سے غیر کو

ہو یونہی اک فتنہ عالم تمہارے سامنے

بعد میرے روئے گا سارا زمانہ دیکھنا

دھوم سے ہو گا مرا ماتم تمہارے سامنے

آئی ہے کیا میری شامت آئی ہے کیا میری موت

میں کروں اظہار درد و غم تمہارے سامنے

قتل کر ڈالو ہمیں یا جرم الفت بخش دو

لو کھڑے ہیں ہاتھ باندھے ہم تمہارے سامنے

واعظو تم کو نہ ہو زندان جنت کا یقیں

خود کہیں گر حضرت آدم تمہارے سامنے

اک تمہاری چپ میں سو اعجاز دیکھے اے بتو!

دم بخود ہے عیسیٰ مریم تمہارے سامنے

اب یہ بیباکی؟ وہ دن بھی یاد ہیں جب چھپ گئے

آ گیا جب کوئی نامحرم تمہارے سامنے

حال دل میں کچھ نہ ہو تاثیر یہ ممکن نہیں

کوئی اتنا کہے ہر دم تمہارے سامنے

مجھ کو اس سر کی قسم ہر دم وہی ہے اضطراب

داغ مضطر کا جو تھا عالم تمہارے سامنے

☆☆☆

پھر کہیں چھپتی ہے ظاہر جب محبت ہو چکی

ہم بھی رسوا ہو چکے ان کی بھی شہرت ہو چکی

دیکھ کر آئینہ آپی آپ وہ کہنے لگے!

شکل یہ پریوں کی یہ حوروں کی صورت ہو چکی

غیر کے آگے تو کی ہو گی برائی کس قدر

میرے منہ پر بارہا میری شکایت ہو چکی

مر گئے ہم مر گئے اس ظلم کی کچھ حد بھی ہے

بیوفائی ہو چکی اے بے مروت ہو چکی

کیا ہمارا جرم ٹھہرا کیا سنا عذر گناہ

وائے حسرت ایک ہی دن میں قیامت ہو چکی

کیوں ہوئے غمگین نہ تھا کچھ مرثیہ ذکر رقیب

آؤ مل جاؤ گلے بس اب ندامت ہو چکی

کثرت ناز و ادا نے صبر کی فرصت نہ دی

دوسری برپا ہوئی جب اک قیامت ہو چکی

رنج بھی اک طرح کا ہو تو رہے کچھ دل لگی

وہ مصیبت پھر نہ آئے جو مصیبت ہو چکی

کیا مزا ہے ان کو اپنی شوخی تحریر کا

جھک پڑے غیروں پہ جب مجھ پر عنایت ہو چکی

ہم بدل جائیں گے کیا؟ قسمت بدل جائے گی کیا

جب نہ دنیا میں ہوئی عقبیٰ میں راحت ہو چکی

تیرے جلوے سے نہ رہ جائے کلیجا تھام کر

حشر تک انسان کی یہ تاب و طاقت ہو چکی

عہد سے ضد سے قسم سے قول سے تکرار سے

دل دیا ان کو مگر جب خوب حجت ہو چکی

ہم سے دیوانوں سے کترا کر چلے ناصح نہ کیوں

جانتا ہے وہ کہ ایسوں کو نصیحت ہو چکی

اے دل مشتاق کافی ہے سہارا اس قدر

کیا نہ ہو گا وصل جب صاحب سلامت ہو چکی

اس کی محفل میں رسائی بھی ہوئی تو کیا ہوا

ہم گئے اس وقت جب برخاست صحبت ہو چکی

اس زمیں میں شعر کہنے کا مزا پاؤ گے داغ

اب تو جو ہوتی تھی اے حضرت سلامت ہو چکی

☆☆☆

گو دل آزار ہو اچھوں کا خیال اچھا ہے

سو بلاؤں سے پھر ارمان وصال اچھا ہے

یہ تری چشم فسوں گر میں کمال اچھا ہے

ایک کا حال برا ایک کا حال اچھا ہے

تاک کر دل کو وہ فرماتے ہیں مال اچھا ہے

یہ خدا کی قسم انداز سوال اچھا ہے

روسیاہی خط عارض کی مٹی پیری میں!

کیا قیامت ہے کہ کافر کا مآل اچھا ہے

فکر ہے داور محشر نہ توجہ سے سنے

غیر کا نامہ اعمال کا حال اچھا ہے

مول لے لیتے ہیں خود رنج شب وصل میں ہم

کثرت عیش میں تھوڑا سا ملال اچھا ہے

تنگ ہمت ہے اگر دولت کونین ملے
جو نہ پورا ہو کسی سے وہ سوال اچھا ہے

چھان لی ہم نے جہان گزراں کی گزری
سارے بازار میں اک تو ہی تو وہ مال اچھا ہے

عوض نقل و گزک اس کو چبا لیتا ہوں
سوندھا سوندھا یہ مرا جام سفال اچھا ہے

وہ عیادت کو مری آتے ہیں لو اور سنو
آج ہی خوبی تقریر سے حال اچھا ہے

طائر قبلہ نما کو ہے حیات جاوید
زندگانی کا مزا بے پرو بال اچھا ہے

آنکھ صیاد کی لاکھوں میں پڑے گی اس پر
آشیاں جس پہ مراد ہو وہ نہال اچھا ہے

مرض عشق کی صحت کے اٹھائے الزام
ہم مرے جاتے ہیں جس روز سے حال اچھا ہے

آ گئی غیر کے مطلب میں کہاں سے خوبی
وہ مرے دل میں ہے جو حرف سوال اچھا ہے

اور تو کیا تری تصویر بھی تجھ سے یہ کہے
واقعی مجھ سے حسن جمال اچھا ہے

بددعا لگ گئی کیا تیرے مریض غم کی
چارہ گر مرتے ہیں بیمار کا حال اچھا ہے

گریہ شب سے جو تاثیر کی امید بندھی
ہنس کے تقدیر پکاری کہ خیال اچھا ہے

آپ کی جس میں ہو مرضی وہ مصیبت بہتر
آپ کی جس میں خوشی ہو وہ ملال اچھا ہے

جو نگاہوں میں ادا ہو وہ جواب اولیٰ ہے
جو اشاروں میں ہو پورا وہ سوال اچھا ہے

داغ تم اور پڑھو شعر ابھی چپ نہ رہو
کہ یہاں مجمع ارباب کمال اچھا ہے

☆☆☆

غیر کے نام سے پیغام وصال اچھا ہے
چھیڑ کا جس میں مزا ہو وہ سوال اچھا ہے

کبھی کہتا ہوں محبت کا مال اچھا ہے
کبھی کہتا ہوں جواب ہے یہی حال اچھا ہے

یہ بھی کہتے ہو کہ بے چین کیا کس نے تجھے
یہ بھی کہتے ہو مرا حسن و جمال اچھا ہے

دل تو ہم دیں گے مگر پیشتر اتنا کہہ دو
ہجر اچھا ہے تمہارا کہ وصال اچھا ہے

یہ تو بہتر ہے کہ دنیا میں ہو عقبیٰ کا خیال
کچھ تو عقبیٰ میں‌بھی دنیا کا مال اچھا ہے

یہی دولت کا مزہ ہے کہ اڑیں گل چھرے
ہاتھ آتے ہی جو اڑ جائے وہ مال اچھا ہے

صلح دشمن سے بھی کر لیں گے تری خاطر سے
جس طرح سے ہو غرض رفع ملال اچھا ہے

اک دکاں میں ابھی رکھ آئے ہیں ہم اپنا دل

دور سے سب کو بتاتے ہیں وہ مال اچھا ہے

کیا وہ غارت گر دیں حشر سے اڑ جائے گا

ہر مسلماں کا سنتے ہیں مال اچھا ہے

روز بد سے نہیں تا عمر محبت میں نجات

موت جس سال میں آئے وہی سال اچھا ہے

اپنی تعریف سے چڑھتے ہو اگر جانے دو

چشم بدور ہمارا ہی جمال اچھا ہے

لوگ کہتے ہیں بھلائی کا زمانہ نہ رہا

یہ بھی کہہ دیں کہ برائی کا مال اچھا ہے

رقم شوق کی تاثیر سے اڑنا بہتر

طائر نامہ رسا بے پرو بال اچھا ہے

ایسے بیمار کی افسوس دوا ہو کیونکر!

ابھی دم بھر میں برا ہے ابھی حال اچھا ہے

دیکھنے والوں کی حالت نہیں دیکھی جاتی

جو نہ دیکھے وہی مشتاق جمال اچھا ہے

یا دکھا دو مجھے تم پاؤں کا ناخن اپنا

یا یہ کہہ دو مرے ناخن سے ہلال اچھا ہے

تم نہیں اور سہی دل کے طلب گار بہت

سو خریدار ہیں موجود جو مال اچھا ہے

دل میں تو خوش ہیں تسلی کو مری کہتے ہیں

آپ مرنے کے نہیں آپ کا حال اچھا ہے

باغ عالم میں کوئی خاک پھلے پھولے گا

برق گرتی ہے اسی پر جو نہال اچھا ہے

عرصہ حشر میں سب ہو گئے خواہاں اس کے

لوگ کہتے ہیں اشاروں سے یہ مال اچھا ہے

ہم سے پوچھے کوئی دنیا میں ہے کیا شے اچھی

رنج اچھا ہے غم اچھا ہے ملال اچھا ہے

آپ پچھتائیں نہیں جور سے توبہ نہ کریں

آپ گھبرائے نہیں داغ کا حال اچھا ہے

☆☆☆

یوں چلیے راہ شوق جیسے ہوا چلے

ہم بیٹھ بیٹھ کر جو چلے بھی تو کیا چلے

بیٹھے اداس اٹھے پریشاں خفا چلے

پوچھے تو کوئی آپ سے کیا آئے کیا چلے

آئیں گی ٹوٹ ٹوٹ کے قاصد پر آفتیں

غافل ادھر ادھر بھی ذرا دیکھتا چلے

ہم ساتھ ہو لیے تو کہا اس نے غیر سے

آتا ہی کون اس سے کہو یہ جدا چلے

بالیں سے میری آج وہ یہ کہہ کے اٹھ گئے

اس پر دوا چلے نہ کسی کی دعا چلے

موسیٰ کی طرح راہ میں پوچھے نہ راز دوست

خاموش خضر ساتھ ہمارے چلا چلے

افسانہ رقیب بھی لو بے اثر ہوا

بگڑے جو سچ کہے وہاں جھوٹ کیا چلے

رکھا دل و دماغ کو تو روک تھام کر
اس عمر بے وفا پہ مرا زور کیا چلے
بیٹھا ہے اعتکاف میں کیا داغ روزہ دار
اے کاش میکدے کو یہ مرد خدا چلے

☆☆☆

داغ اس بزم میں مہمان کہاں جاتا ہے
تیرا اللہ نگہبان کہاں جاتا ہے!
غیر کا شکوہ بھی ہوتا ہے تو کس لطف کے ساتھ
ان سے تعریف کا عنواں کہاں جاتا ہے
وہ بھی دن یاد ہے کہہ کہہ کر مناتے تھے مجھے
آ ادھر میں ترے قربان کہاں جاتا ہے
باغ فردوس میں حوروں نے بھی دل لوٹ لیا
جو ہے تقدیر کا نقصاں کہاں جاتا ہے
پاؤں سے میرے بیاباں کہاں چھٹتا ہے
ہاتھ سے میرے گریباں کہاں جاتا ہے
غیر جاتا تھا وہاں میں نے یہ کہہ کر روکا
تجھ سے کچھ جان نہ پہچاں کہاں جاتا ہے
در فردوس سے ممکن ہے کہ درباں ٹل جائے
ا سکے دروازے کا درباں کہاں جاتا ہے
ہجر کے دن کی مصیبت تو گزر جائے گی
وصل کی رات کا احساں کہاں جاتا ہے
روٹھ کر بزم سے اٹھا تو نہ روکا مجھ کو

نہ کہا اس نے کہا مان کہاں جاتا ہے

بند کرتے ہو جو ہاتھوں سے تم آنکھیں میری

کیا کہوں کہ میرا دھیان کہاں جاتا ہے

بزم سے آنکھ چرا کر جو چلا میں تو کہا

ٹھہرو او چور بد اوسان کہاں جاتا ہے

آرزو وصل کی ہوتی ہے سوا بعد وصال

جان جاتی ہے یہ ارمان کہاں جاتا ہے

داغ تم نے تو بڑی دھوم سے کی تیاری

آج یہ عید کا سامان کہاں جاتا ہے

☆☆☆

کچھ وہ سرگر سخن نام خدا ہونے لگے

اب خدا چاہے تو مطلب بھی ادا ہونے لگے

وہ نگہ زاہد کے دل سے آشنا ہونے لگے

سیر تو جب ہے کہ دونوں میں ذرا ہونے لگے

غیر کے مذکور پر میرا بگڑنا تھا بجا

ٹھہرو ٹھہرو سنبھلو سنبھلو کیا سے کیا ہونے لگے

میں ہی چوکا میں نے ظاہر کر دیے انداز عشق

اس روش سے سینکڑوں ان پر فدا ہونے لگے

جب شب فرقت اٹھائے میں نے کچھ دست دعا

درد اٹھ کر ہاتھ شانوں سے جدا ہونے لگے

سخت گردش ، ناامیدی ہم سفر منزل بعید

عاقبت تھک تھیک کے نالے نارسا ہونے لگے

سلب کر کے یا الٰہی آسماں کا اختیار
جب کسی معشوق سے عہد وفا ہونے لگے

شکوہ نا آشنائی نے بڑھایا اور رشک
میری ضد سے وہ تو سب سے آشنا ہونے لگے

المدد اے ہم نشینو! ابتدائے عشق ہے
اب سنبھالو ہم گرفتار بلا ہونے لگے

شکوہ آزردگی سن کر کہا تو یہ کہا!
کیا غرض کیا واسطہ ہم کیوں خفا ہونے لگے

اب گلے موقوف بس بخم آگیا پیار آ گیا!
تھوڑے تھوڑے دل میں تم اے مہ لقا ہونے لگے

وہ قیامت کی گھڑی وہ موت کا ہے سامنا
جب کوئی معشوق سے مل کر جدا ہونے لگے

پردے پردے میں ہے بہتر ہم سے ان سے چھیڑ چھاڑ
کیا مزہ رہ جائے جس دم برملا ہونے لگے

ہائے اس کی فکر اس کی بے قراری اس کی یاس
خلق کے جب نامہ اعمال وا ہونے لگے

اضطراب شوق کا عالم کہوں کیا اس گھڑی
جب کسی کافر کے وا بند قبا ہونے لگے

مہمانوں کو بلاتے ہیں خوشی کے واسطے
تم تو آتے ہی بگڑ بیٹھے خفا ہونے لگے

غیر اچھا میں برا یوں ہی سہی بس چپ رہو
رفتہ رفتہ یہ نہ ہو حجت سوا ہونے لگے

داغ میں پرچا ہی لوں گا باتوں میں انہیں
شرط یہ ہے میرا ان کا سامنا ہونے لگے

☆☆☆

لے کے دل کہتے ہو کیوں دیں اسے جلنے کے لیے
مل گیا خوب بہانا یہ مچلنے کے لیے
باغ عالم میں ہیں سب پھولنے پھلنے کے لیے
ورنہ کیا داغ تری طرح سے جلنے کے لیے
انہیں فرصت بھی ملے گھر سے نکلنے کے لیے
دوپہر کو چاہیے پوشاک بدلنے کے لیے
تیرا غصہ ہو کہ ہو میری طبیعت ظالم
یہ بلائیں نہیں آئیں کبھی ٹلنے کے لیے
اپنی تصویر ہی وہ کاش مجھے بھجوا دیں!
مشغلہ چاہیے کوئی تو بہلنے کے لیے
چھیڑ کر تذکرہ غیر کیا تجھ سے
جو مزے ہم نے تری آنکھ بدلنے کے لیے
شوخی و شرم و ادائیں تری دو چھریاں ہیں
ایک چلنے کے لیے ایک نہ چلنے کے لیے
آتش رشک عدو خاک کرے گی ہم کو
لاگ کی آگ بری ہوتی ہے جلنے کے لیے
کون سی کی نہ دوا کون سی مانگی نہ دعا
ہم نے کیا کیا نہ کیا اپنے سنبھلنے کے لیے
ہے یہاں تک تو اسے رشک بہر تزئیں

حسن یوسف نہ ملے رنگ بدلنے کے لیے

ہاتا پائی بھی شب وصل تھی ضد بھی تھی انہیں

ہاتھ چلنے کے لیے پاؤں نہ چلنے کے لیے

ابر کیا سبز کرے مجھ شجر سوختہ کو

آب حیوان ہو مرے پھلنے پھولنے کے لیے

چارہ گر زندہ رہے گا تو کرے گا تدبیر

چاہیے عمر خضر میرے سنبھلنے کے لیے

وصل دشمن کی گھڑی تھی کہ ہوا اپنا وصال

ساعت اچھی نہ ملی جان نکلنے کے لیے

جنبش لب کہے دیتی ہے وہ اب ہنستے ہیں

موجزن چشمہ حیواں ہے ابلنے کے لیے

غم کی دیوار کھڑی ہو گئی دل کے اندر

میرے ارمان ترستے ہیں نکلنے کے لیے

میں کلیجے سے ملوں سر سے ملوں دل سے ملوں

اپنی تلوار مجھے دیجیے ملنے کے لیے

خاک ٹھہرے ترے کوچے میں کوئی اے قاتل

مستعد نقش کف پا بھی ہے جلنے کے لیے

کھائے جاتا ہے مجھے خنجر خونخوار ترا

یہ اگلنے کے لیے ہے کہ نگلنے کے لیے

تو مری لاش کو ٹھکرا کے چل اے مست شباب

ٹھوکریں کھاتے ہیں انسان سنبھلنے کے لیے

بزم اغیار میں تم چھپ کے نہ بیٹھو اے داغ

چاند چھپنے کے لیے ہے کہ نکلنے کے لیے

☆☆☆

طور کے پہلو میں اک بت خانہ ایسا چاہیے
شور اٹھے جلوہ جانا نہ ایسا چاہیے
عشق میں اے ہمت مردانہ ایسا چاہیے
یہ کہے اپنا ہو یا بیگانہ ایسا چاہیے
دوست کوئی عاقل و فرازانہ ایسا چاہیے
جو کہے اس ستم بیجا نہ ایسا چاہیے
دیکھنا کس لطف سے کہتا ہوں اپنی واردات
داور محشر سنے افسانہ ایسا چاہیے
دل ربا کہلائے دل آزار ایسا چاہے
آشنا کہیے جسے بیگانہ ایسا چاہیے
ایک قطرہ بھی اے ساقی مے کم ظرف کو
انتظام بادہ و پیانہ ایسا چاہیے
دل مرا اہل وطن سے ہے بہت کھٹکا ہوا
خار تک جس میں نہ ہو ویرانہ ایسا چاہیے
مول لے کر قیس کی تصویر وہ نادم ہوئے
میں نے جب چھیڑا تمھیں دیوانہ ایسا چاہیے
اس ادا سے قتل کر تجھ کو مرے سر کی قسم
سب کہیں انداز معشوقانہ ایسا چاہیے
تیر تیرا دل میں رہ رہ کر کھنچا کس کس طرح
جو کرے مل کر دغا بیگانہ ایسا چاہیے

دل لیا تو لے لیا جرم وفا پر آپ نے
دے سکوں جس کو نہ میں جرمانہ ایسا چاہیے

دل جلوں کے سوز دل کا ہوا اثر دونوں جگہ
گرم ہو کونین آتش خانہ ایسا چاہیے

بے وفائی تم کرو نا آشنائی تم کرو
تم کو ایسا چاہے حاشانہ ایسا چاہیے

چشم پر خوں بیچتے ہیں ہم جو لے وہ بادہ نوش
اور کیسا چاہیے پیمانہ ایسا چاہیے

دیکھ کر چاہت مری کہتے ہیں سب اہل نظر
گل کو بلبل شمع کو پروانہ ایسا چاہیے

بھیس بدلے حضرت زاہد پئیں چوری چھپے
شہر میں پوشیدہ اک میخانہ ایسا چاہیے

دست مژگاں سے کروں کنگھی تمہاری زلف میں
ایسے موئے عنبریں میں شانہ ایسا چاہیے

یہ اگر نغموں سے ہو لبریز وہ نالوں سے گرم
عیش خانہ ہو کہ ماتم خانہ ایسا چاہیے

چاہنے والوں سے کم ہوتی نہیں چاہت کبھی
چاہیے تو چاہیے یہ کیا نہ ایسا چاہیے

گونج اٹھے گنبد گردوں وہ جائے زمیں
میکشوں کا نالہ مستانہ ایسا چاہیے

نامہ اعمال مجھ سے چھین کر محشر میں وہ
کہتے ہیں اپنے لیے افسانہ ایسا چاہیے

جبر پر ہو صبر الفت میں جفا پر ہو وفا
تجھ کو تو اے ہمت مردانہ ایسا چاہیے

ہجر سے اس شمع رو کے دل جلا فرقت میں بھی
جو اندھیرے میں جلے وہ پروانہ ایسا چاہیے

طور پر ہم بھی گئے تھے کچھ نظر آتا نہیں
تو یہ کہتے جلوہ جانا ایسا چاہیے

اس بہانے سے دکھا دیں دل کا نقشہ ہم انہیں
ہم کو اک ٹوٹا ہوا پیمانہ ایسا چاہیے

خوب جی بھر کر سنا پہلے تو قصہ داغ کا
پھر کہا دل تھام کر افسانہ ایسا چاہیے

☆☆☆

آج ان کے بھید اس صورت سے ظاہر ہو گئے
غیر کا مذکور آیا تھا کہ تر بھر ہو گئے

دیکھتے ہی شکل راز دل سے ماہر ہو گئے
پھر نہ وہ ٹالے ٹلے جس بات کے سر ہو گئے

چال ان کی دیکھنا گویا بڑے مظلوم ہیں
سب سے پہلے عرصہ محشر میں حاضر ہو گئے

وصل کی شب تھے سرائے دل میں کیا کیا ذوق و شوق
صبح کے ہوتے ہی رخصت سب مسافر ہو گئے

حضرت ناصح نے پی کر مے یہ اچھی چال کی
محتسب سے جا ملے رندوں کے مخبر ہو گئے

کیوں قسم کھاتے ہو اب ہم کو نہیں تم سے ملال

وہ کہے دیتی ہے چتون تم خفا پھر ہو گئے

ہم نے تو بچنے نہ دیکھے چاہنے والے ترے

رفتہ رفتہ جاں بحق سب اول آخر ہو گئے

شکوہ کرتا تو خدا جانے وہ کیا کرتے غضب

میں نے تعریف وہ الٹے مرے سر ہو گئے

داغ تم آئے تھے بزم عیش میں خوش خوش ابھی

کیا ہوا کس واسطے افسردہ خاطر ہو گئے

☆☆☆

جب مے لالہ فام ہوتی ہے

مجھ کو توبہ حرام ہوتی ہے

یہ بھی طرز حرام ہوتی ہے

ساری دنیا تمام ہوتی ہے

خوبرو وہ ہے جس کی خو اچھی

شمع صورت حرام ہوتی ہے

توڑتا ہے اسی کو وہ گل چیں

جو کلی دل کی خام ہوتی ہے

دل ہی دل تری رقیبوں سے

گفتگو لا کلام ہوتی ہے

صبح ہونے تو دو چلے جانا

شب کی نیت حرام ہوتی ہے

کیا خوشی ہے کہ میرے پھولوں میں

دعوت خاص و عام ہوتی ہے

حرف مطلب کہا نہیں جاتا
بات ان سے مدام ہوتی ہے

نہیں کھینچتی مجھی سے تیری شبیہہ
تجھ سے کب ہم کلام ہوتی ہے

یہ سنا ہے کہ برہمن سے بھی
شیخ کی رام رام ہوتی ہے

دم آ کر تو کچھ مری سن لو
آج حجت تمام ہوتی ہے

تیرا وعدہ ہے کس قیامت کا
رات دن صبح و شام ہوتی ہے

ہجر کا دن ڈھلے تو ہم جانیں
صبح کے بعد شام ہوتی ہے

غیر جتنی برائی کرتے ہیں
وہ ہمارے ہی نام ہوتی ہے

پہلے اے داغ کچھ نہ ہوش آیا
دل کی اب روک تھام ہوتی ہے

☆☆☆

شبنم سے شب ہجر کی ظلمت نہیں جاتی
سو شوب پڑیں تو بھی یہ رنگت نہیں جاتی

آئی ہوئی عاشق کی طبیعت نہیں جاتی
آتی تو ہے آ کر یہ قیامت نہیں جاتی

کھاتی ہے پس مرگ ترے ہجر کے خنجر

دنیا سے کوئی روح سلامت نہیں جاتی

سر جاتا ہے سر سے ترا سودا نہیں جاتا

دل جاتا ہے دل سے تری الفت نہیں جاتی

اللہ سے محشر میں کہوں گا ترے آگے

مجبور ہوں اس کی محبت نہیں جاتی

اول تو انہیں شرم رہی منہ سے نہ بولے

جب شرم گئی وصل کی حجت نہیں جاتی

اے عمر رواں اس کو بھی ہمراہ لیے جا

تو جاتی ہے دل سے مری حسرت نہیں جاتی

زاہد یہ اگر پست ہے مسجد سے تو کیا ہے

کچھ اس سے تو میخانہ کی عظمت نہیں جاتی

ہرچند بلا ہے مگر اس میں بھی بے وفا ہے

گھر غیر کے میری شب فرقت نہیں جاتی

آئینہ ہے اب رہنے لگا آپ کے آگے

کہہ سکتے ہیں منہ دیکھنے کی الفت نہیں جاتی

فتنہ بھی ہے پامال تری راہ گزر میں

دو چار قدم اٹھ کے قیامت نہیں جاتی

مل جاتے ہیں خود خاک میں ہم فرق اتنا ہے

دل سے تو ہمارے بھی کدورت نہیں جاتی

جاتی ہے مری جان یہ میں کہہ نہیں سکتا

جب تک کہ اسے تم دو نہ اجازت نہیں جاتی

سو جاتے ہیں اٹھ اٹھ کے جگانے سے شب وصل

ان نیند بھری آنکھوں کی غفلت نہیں جاتی

اے داغ برا مان نہ تو اس کے کہے گا
معشوق کی گالی سے تو عزت نہیں جاتی

☆☆☆

جانے سے تو مہمان کی عزت نہیں جاتی
تو جاتی ہے یا اے شب فرقت نہیں جاتی

بیٹھے ہیں عجب شان سے وہ بزم عدو میں
ڈرتی ہے مرے ساتھ قیامت نہیں جاتی

دے گا نہ کوئی ٹھوکریں کھانے کی گواہی
ہمراہ مرے حشر میں تربت نہیں جاتی

رونے سے بھی ٹلتا ہے کہیں شوق نظارہ
آنکھیں بھی گئیں تو بھی تو حسرت نہیں جاتی

دم بھر مرے قابو میں طبیعت نہیں آتی
اللہ کسی وقت یہ حالت نہیں جاتی

ہے وصل کے بعد ان کو گماں اور کسی کا
لو ایسی صفائی میں کدورت نہیں جاتی

وہ آ کے مری قبر پہ یہ لکھ گئے مصرعہ
کافر تجھے دنیا کی محبت نہیں جاتی

فرہاد کی مرقد سے یہ آتی ہیں صدائیں
برباد کسی شخص کی محنت نہیں جاتی

اٹھتے ہیں جو عالم میں وہ مٹ جاتے ہیں فتنے
کافر تری آنکھوں کی شرارت نہیں جاتی

کیوں دختر زر کو نہ رہے شیخ سے پرہیز

کعبے کو بھی یہ صاحب حرمت نہیں جاتی

کیا دیکھ لیا عہد سکندر میں الٰہی

آئینے کے منہ سے کبھی حیرت نہیں جاتی

شرما کے قسم کھا کے ابھی عہد کیا تھا

پھر ظلم کیا آپ کی عادت نہیں جاتی

کہتے ہیں مجھے دیکھ کے سب اہل محبت

اس طرح تو قابو سے طبیعت نہیں جاتی

غم سہتے ہیں پر لب پہ شکایت نہیں آتی

دکھ بھرتے ہیں پر تیری محبت نہیں جاتی

ہم چاہ کے پچھتائے ہیں اس پردہ نشیں کو

آنکھوں سے کسی وقت وہ صورت نہیں جاتی

وہ جور و جفا کر کے وفا کر نہیں سکتے

اس راہ سے اس راہ طبیعت نہیں جاتی

تعریف ستم سے بھی انہیں وہم بندھے ہیں

کیوں شکر کیا اس کی شکایت نہیں جاتی

اے داغ سلامت رہیں مہمان ہمارے

جو آتی ہے آفت کہ مصیبت نہیں جاتی

☆☆☆

اس کی چتون نظر میں پھرتی ہے

اک چھری سی جگر میں پھرتی ہے

آہ ہر دم سفر میں پھرتی ہے

یہ تلاش اثر میں پھرتی ہے

نالہ کرتا ہوں تو مری آواز

گونجتی ان کے گھر میں پھرتی ہے

نہ ملا بعد مرگ بھی آرام

روح اس رہ گزر میں پھرتی ہے

وہ دم رقص گردشیں اس کی

ایک پیہر کی نظر میں پھرتی ہے

نہ ملے گا وہ جستجو سے کہیں

خلق کس دردِ سر میں پھرتی ہے

اس کے آگے زبان مشکل سے

دہن نامہ بر میں پھرتی ہے

آمد آمد ہے آج کس کی داغ

یہ سفیدی جو گھر میں پھرتی ہے

☆☆☆

تڑپتے ہیں انہیں غیروں کی چاہت ایسی ہوتی ہے

خدا کی شان ہے ایسوں کی حالت ایسی ہوتی ہے

جب آنکھوں سے لگاتا ہوں تو چپکے چپکے ہنس ہنس کے

تری تصویر بھی کہتی ہے صورت ایسی ہوتی ہے

کیا نظارہ بزم غیر میں اس حور طاعت کا

یہ کیا معلوم تھا دوزخ میں جنت ایسی ہوتی ہے

نہ نکلے عالم بالا تک ایسا چاند سا چہرہ

انہیں کافر بتوں میں ایک صورت ایسی ہوتی ہے

ابھی تو کھیل سمجھے ہو مگر اک دھ دکھائیں گے

قیامت اس کو کہتے ہیں قیامت ایسی ہوتی ہے

ہماری شکل تیرے غم میں پہچانی نہیں جاتی

بگڑ جاتی ہے صورت بھی مصیبت ایسی ہوتی ہے

کفن سے منہ مرا جب کھول کر دیکھا تو وہ بولے

ہمارے چاہنے والوں کی صورت ایسی ہوتی ہے

کہو تو ہم نہ کہتے تھے نہ دیکھو آئینہ دیکھو

بنا دیتی ہے دم پر اچھی صورت ایسی ہوتی ہے

ترا دل سنگدل پگھلے تو اس کو یقین آئے

کہ اس کی شان ایسی اس کی قدرت ایسی ہوتی ہے

بھری محفل میں غیروں سے اشارے یوں مرے آگے

مروت آنکھ کی اے بے مروت ایسی ہوتی ہے

وہ دیتے ہیں تسلی اور پھر تسکیں نہیں ہوتی

کبھی بے چین یہ کافر طبیعت ایسی ہوتی ہے

وہ مجھ کو دیکھتے ہی دور سے منہ پھیر لیتے ہیں

جو ہوتی ہے تو اب صاحب سلامت ایسی ہوتی ہے

غضب میں جان ہے برسوں کے شکوے بھول جاتا ہوں

کبھی دو چار دن ان کی عنایت ایسی ہوتی ہے

ذرا سی بات پر اے داغ تم ان سے بگڑتے ہو

اسی کا نام الفت ہے محبت ایسی ہوتی ہے

☆☆☆

آپ کا اعتبار کون کرے

روز کا انتظار کون کرے

ذکر و مہر و وفا تو ہم کرتے

پھر تمھیں شرمسار کون کرے

ہو جو اس چشم مست سے بیخود

پھر اسے ہوشیار کون کرے

تم تو ہو جان اک زمانے کی

جان غم پر نثار کون کرے

آفت روزگاہ جب تم ہو

شکوہ روزگار کون کرے

اپنی تسبیح رہنے دے زاہد

دانہ دانہ شمار کون کرے

ہجر میں زہر کھا کے مر جاؤں

موت کا انتظار کون کرے

آنکھ ہے ترک زلف ہے صیاد

دیکھیں دل کا شکار کون کرے

وعدہ کرتے نہیں یہ کہتے ہیں

تجھ کو امیدوار کون کرے

داغ کی شکل دیکھ کو بولے

ایسی صورت کو پیار کون کرے

☆☆☆

رنج کی جب گفتگو ہونے لگی

آپ سے تم تم سے تو ہونے لگی

چاہئے پیغام بر دونوں طرف
لطف کیا جب دوبدو ہونے لگی

میری رسوائی کی نوبت آ گئی
ان کی شہرت کوبکو ہونے لگی

ہے تری تصویر کتنی بے حجاب
ہر کسی کے روبرو ہونے لگی

غیر کے ہوتے بھلا اے شامِ وصل
کیوں ہمارے روبرو ہونے لگی

ناامیدی بڑھ گئی ہے اس قدر
آرزو کی آرزو ہونے لگی

اب کے مل کے دیکھیے کیا رنگ ہو
پھر ہماری جستجو ہونے لگی

داغ اترائے ہوئے پھرتے ہیں آج
شاید ان کی آبرو ہونے لگی

☆☆☆

ناروا کہیے ناسزا کہیے
کہیے کہیے مجھے برا کہیے

تجھ کو بد عہد و بیوفا کہیے
ایسے جھوٹے کو اور کیا کہیے

درد دل کا نہ کہیے یا کہیے
جب وہ پوچھے مزاج کیا کہیے

پھر نہ رکیے جو مدعا کہیے

ایک کے بعد دوسرا کہیے
آپ اب میرا منہ نہ کھلوائیں
یہ نہ کہیے کہ مدعا کہیے
وہ مجھے قتل کر کے کہتے ہیں
مانتا ہی نہ تھا یہ کیا کہیے
دل میں رکھنے کی بات ہے غم عشق
اس کو ہرگز نہ برملا کہیے
تجھ کو اچھا کہا ہے کس کس نے
کہنے والوں کو اور کیا کہیے
وہ بھی سن لیں گے یہ کبھی نہ کبھی
حال دل سب سے جابجا کہیے
مجھ کو کہیے برا نہ غیر کے ساتھ
جو ہو کہنا جدا جدا کہیے
انتہا عشق کی خدا جانے
دم آخر کو ابتدا کہیے
میرے مطلب سے کیا غرض مطلب
آپ اپنا تو مدعا کہیے
ایسی کشتی کا ڈوبنا اچھا
کہ جو دشمن کو ناخدا کہیے
صبر فرقت میں آ ہی جاتا ہے
پر اسے دیر آشنا کہیے
آ گئی آپ کو مسیحائی

مرنے والوں کو مرحبا کہیے
آپ کا خیر خواہ میرے سوا
ہے کوئی اور دوسرا کہیے
ہاتھ رکھ کر وہ اپنے کانوں پر
مجھ سے کہتے ہیں ماجرا کہیے
ہوش اڑ جاتے رہے رقیبوں کے
داغ کو اور باوفا کہیے

☆☆☆

شکوہ نہیں کسی کی ملاقات کا مجھے
تم جانتے ہو وہم ہے جس بات کا مجھے
جانا کہ بوئے غیر یہ پہچان جائے گا
باسی نہ اس نے ہار دیا رات کا مجھے
کوئی نہیں تو دل ہی سے باتیں ہیں رات بھر
اللہ رے شوق حرف و حکایات کا مجھے
وہ دن سے اپنے گھر گئے آئی شب فراق
کھٹکا لگا ہوا تھا اسی بات کا مجھے
مل کر تمام بھید کہوں گا رقیب سے
آتا ہے خوب توڑ تری گھات کا مجھے
ڈرنا کسی کا اور وہ بجلی کا کوندنا!
موسم بہت پسند ہے برسات کا مجھے
تدبیر سے تو موت نہ آئی شب فراق
ہے انتظار مرگ مفاجات کا مجھے

وہ دن گئے کہ زہر بھی آب حیات تھا
ہے اب تو زہر پان ترے ہات کا مجھے
آخر وہاں رقیب نے نقشہ جما لیا
اے داغ خوف تھا اسی بدذات کا مجھے

☆☆☆

مری ان کی بھری محفل میں ہو گی
زباں پر آئے گی جو دل میں ہو گی
یہ ہو گا کیا ہمارا کام ہو گا
نہ ہو گی کیا ادا قاتل میں ہو گی
یہی قاصد پتا ہے اس کے گھر کا
ہوا کچھ اور اس منزل میں ہو گی
جو تیرا جذب دل کامل ہے اے قیس
تو پھر لیلیٰ کہاں محمل میں ہو گی
نہ کرتے دل لگی کیا جانتے تھے
ہماری جان اس مشکل میں ہو گی
سوال وصل پر وہ چھین لیں گے
جو نقدی کیسہ سائل میں ہو گی
چرائے گا اسی سے آنکھ قاتل
ذرا سی جان جس بسمل میں ہو گی
عدم کو جانے والو سنتے جاؤ
یہ آسائش نہ اس منزل میں ہو گی
اگر عقبیٰ میں دنیا یاد آئے

تو مشکل اور اک مشکل میں ہو گی

نہیں شوخی سے خالی شرم اس کی

قیامت پردہ حائل میں ہو گی

وہاں چٹکی میں جب وہ تیر لیں گے

یہاں اک گدگدی سی دل میں ہو گی

نہ آئے داغ تو اچھا ہے ورنہ

بڑی ہل چل تری محفل میں ہو گی

☆☆☆

گرہ جو پڑ گئی رنجش میں وہ مشکل سے نکلے گی

نہ ان کے دل سے نکلے گی نہ میرے دل سے نکلے گی

مرے زخموں کو تو سب دیکھتے ہیں یہ بھی سن لیں گے

دعائے مغفرت جس دم لب قاتل سے نکلے گی

مجھے دیکھیں تہہ خنجر تو ہٹ جائیں تماشائی

بلا ہے وہ جو حسرت سینہ بسمل سے نکلے گی

ادا تیری فغاں میری بھلا کب چین دیتی ہے

جگر تھامے ہوئے خلقت تری محفل سے نکلے گی

مجھے آتا ہے تم پر رحم میرا منہ نہ کھلواؤ

کلیجہ توڑ لے گی وہ دعا جو دل سے نکلے گی

کسی بدخو سے ہم کہنے لگے تھے مدعا اپنا

یہ کیا معلوم تھا آواز بھی مشکل سے نکلے گی

تغافل چاہیے اے قیس تجھ کو ایسے موقع پر

ابھی جھنجھلا کے لیلیٰ پردہ محمل سے نکلے گی

نہ کرنا قتل ہم کو ورنہ حسرت داغ بن بن کر
تمہارے دل میں بیٹھے گی ہمارے دل سے نکلے گی

نہیں دشوار کچھ اپنے مکان سے لا مکان جانا
وہیں پہنچائے گی جو راہ جس منزل سے نکلے گی

مری کشتی اگر چھوٹے گی دریائے محبت میں
تو سب سے پہلے بسم اللہ لب ساحل سے نکلے گی

بڑی سختی سے میری جان نکلی ہے کئی دن میں
یکایک لاش کیونکر کوچہ قاتل سے نکلے گی

چھپایا منہ اگر ہم سے تو کیا ہم مر نہ جائیں گے
نگہ بجلی کی صورت پردہ حائل سے نکلے گی

تراشتے ہیں قیامت کے غضب کے رات دن فقرے
نئی جب بات نکلے گی تری محفل سے نکلے گی

وہی دوزخ نہ مانگے جس میں یہ بت ہوں گے اے واعظ
وہاں جنت ہی جنت کیوں لب سائل سے نکلے گی

رموز عاشقی کو عاشقو تم داغ سے پوچھو
کہ باریکی میں باریکی اسی کامل سے نکلے گی

☆☆☆

فغاں کو لاگ ٹھہری آسماں سے
اٹھا جاتا ہے پردہ درمیاں سے

تری رنجش کھلی طرز بیاں سے
نہ تھی دل میں تو کیوں نکلی زباں سے

نرالی ہے ادا سارے جہاں سے

کوئی پیدا کرے تجھ سا کہاں سے
گرے ہوتے الجھ کر آستاں سے
چلے آتے ہو گھبرائے کہاں سے
عدو کی التجا کرنی پڑی ہے
مرادیں مانگتا ہوں آسماں سے
مرے تنکوں میں ہے کیا خار حسرت
الگ گرتی ہے بجلی آشیاں سے
نتیجہ ان کی باتوں کا یہ نکالا
کہ اپنی مدح تھی اپنی زباں سے
لگا رہتا ہے کھٹکا دونوں جانب
مزا ہے دوستی کا بدگماں سے
وہ مجھ کو دیکھ کر بولے الٰہی
بچانا اس بلائے ناگہاں سے
نہ کہیے دوست کو دشمن نہ کہیے
پرائے اپنے ہوتے ہیں زماں سے
تمہارے در پہ ہم کیونکر نہ آتے
کہ تھی صاحب سلامت پاسباں سے
شکایت راہ الفت کی سنے کون
الگ چلتا ہوں بچ کر کارواں سے
ڈرے گا شور محشر سے وہ کیا خاک
تسلی جس کو ہو میری فغاں سے
وہ خط لکھیں گے مجھے جھوٹا ہے قاصد

خدا جانے اٹھا لایا کہاں سے
شب غم ہر بلا کا منتظر ہوں
نگاہیں لڑ رہی ہیں آسماں سے
زہے جادو ہوا اس کا وہی حال
جسے جو کہہ دیا تو نے زباں سے
یہ ہے کیا بات سنتے ہیں وہ اکثر
ہمارا حا دشمن کی زبان سے
تم اپنی راہ گزر سے بچتے رہنا
اٹھے گا فتنہ محشر یہاں سے
تمہاری دشم فتاں نے بھی شاگرد
بنا ڈالے ہزاروں آسماں سے
رقیب آیا ہے چھپ کر تیرے در پر
مگر الجھا ہوا ہے پاسباں سے
جہاں آباد ہر منزل ہے اے داغ
قدم باہر نکالا جب مکاں سے

☆☆☆

ہمارے دم نکلنے میں بھی اک عالم نکلتا ہے
کہ وہ مشتاق ہیں دیکھیں تو کیونکر دم نکلتا ہے
کمی کیا پڑ گئی ہے چاہنے والوں کی اے قاتل
کہ اب تلوار کم کھنچتی ہے خنجر کم نکلتا ہے
گلا کیسا کہاں کا رنج کس کا جاں بلب ہونا
جب اس سے پیار سے پوچھا تمہارا دم نکلتا ہے

نہ تجھ سا آج تک دیکھا نہ تجھ سا حشر تک دیکھیں

ان آنکھوں سے بہت نکلا بہت عالم نکلتا ہے

کوئی کیا چل سکے گا اس خرام ناز سے بڑھ کر

قیامت کا تمہاری ٹھوکروں میں دم نکلتا ہے

گداز غم سے میری ہڈیاں گھلتی ہیں گھل جائیں

ترا ارمان تو اے دیدہ پرنم نکلتا ہے

تمہیں میرے مسیحا ہو تمہیں میری تمنا ہو

تمہیں پر جان جاتی ہے تمہیں پر دم نکلتا ہے

نقاب روئے روشن سے رخ پر نور کا جلوہ

جو چھن چھن کر نکلتا ہے تو یہ کیا کم نکلتا ہے

الٰہی خیر کرنا آج کوی داغ کے گھر سے

نہ بے شیون نکلتا ہے نہ بے ماتم نکلتا ہے

☆☆☆

زمانہ بہت بدگماں ہو رہا ہے

کسی شخص کا امتحاں ہو رہا ہے

سریلی صدائیں ہیں اس شوخ کی سی

الٰہی یہ جلسہ کہاں ہو رہا ہے

بہت حسرت آتی ہے مجھ کو یہ سن کر

کسی پر کوئی مہرباں ہو رہا ہے

ترے ظلم پنہاں ابھی کون جانے

فقط آسماں آسماں ہو رہا ہے

ان آنکھوں نے اس دل کا کیا بھید کھولا

کہ مضطر مرا رازداں ہو رہا ہے

سنوں کیا خبر جشن عشرت کا قاصد

جہاں ہو رہا ہے وہاں ہو رہا ہے

وہ حالت طبیعت جو برسوں چھپایا

ہر اک شخص سے اب یہاں ہو رہا ہے

کوئی اڑ کے آیا کوئی چھپ کے آیا

پشیماں تر پاسباں ہو رہا ہے

کہیں وہ گھڑی آپ شبنم میں سوئے

جو رخ پہ عرق درفشاں ہو رہا ہے

یہ بے ہوشیاں داغ یہ خواب غفلت

خبر بھی ہے جو کچھ وہاں ہو رہا ہے

☆☆☆

آج گھبرا کر وہ بولے جب سنے نالے مرے

جان کے پیچھے پڑے ہیں چاہنے والے مرے

محفل دشمن سے میری پیشوائی کے لیے

جھوم کر آنا وہ تیرا ہائے متوالے مرے

خار صحرائے جنوں نے تیز کی کیا کیا زباں

پھوٹے منہ بھی کچھ نہ بولے پاؤں کے چھالے مرے

گیسوؤں پر ہاتھ رکھ کر ناز سے یہ کہتے ہیں وہ

سامری کو بھی تو ڈس جائیں گے یہ دو کالے مرے

حضرت ناصح تمہاری کیا بری ترکیب ہے

تم کوئی سانچے میں ڈھل سکتے ہو بے ڈھالے مرے

جائے گا یہ رقیبوں کے لیے چاروں طرف
میرے قاتل نے کیے ہیں چار پر کالے مرے

عشق کو وحشت کی کرے گا کون ایسی پرورش
ان کو چھوڑوں کس طرح یہ پڑ گئے پالے مرے

وہ عیادت کو نہ آئے داغ تو کچھ غم نہیں
اور دنیا میں بہت ہیں چاہنے والے مرے

☆☆☆

کس وجہ سے لب پر مرے فریاد نہ آتی
وہ چوٹ نہیں کھائی تھی جو یاد نہ آتی!

جنت میں جو حوروں کو مری یاد نہ آتی
ہچکی بھی تہ خنجر بیداد نہ آتی

اے شعبدہ گر تجھ کو ہزاروں ستم آتے
اک طرز دل آزاری و بیداد نہ آتی

گو جان گئی عشق میں پر نام تو پایا
کہنے میں بھی کیا محنت فرہاد نہ آتی

اس وحشت دل نے مجھے دیوانہ بنایا
ورنہ کبھی تم تک مری فریاد نہ آتی

گر باغ میں وہ خانہ برانداز نہ آتا
گھبرائی ہوئی نکہت برباد نہ آتی!

قسمت سے ملا مرگ محبت کا بہانہ
کیا موت تجھے اے دل ناشاد نہ آتی

اک عمر سے ہوں نغمہ سرا کنج قفس میں

اب بھی مجھے دلداری صیاد نہ آتی
مرتا مگر اس حال سے فرقت میں نہ مرتا
آتی مگر اس طرح تری یاد نہ آتی
ہے فیض الٰہی میں کمی کون سی اے داغ
کیوں جوش پہ یہ طبع خدا داد نہ آتی

☆☆☆

ہائے وہ دن کہ میسر تھی ہمیں رات نئی
روز معشوق نیا روز ملاقات نئی
بات کرتی نہیں لے لیتی ہے چٹکی دل میں
یہ تو ہے آپ کی تصویر میں اک بات نئی
دل طلب کرتے ہو مہمان بلا کر ہم کو
یہ تواضع بھی نئی ہے یہ مدارات نئی
عشق بھی کفر ہوا حضرت واعظ خاموش
آپ نے یہ تو کہی قبلہ حاجات نئی
ہوں گے حوران بہشتی کے پرانے انداز
آپ کی بات نئی گات نئی گھات نئی
سر مرا کاٹ کے اے نامہ رسا لیتا جا
گرچہ بے کار سہی پر ہے یہ سوغات نئی
رنگ مئے دیکھ کے ہم صاف بتا دیتے ہیں
یہ پرانی ہے یہ ہے پیر خرابات نئی
غیر نے کی جو برائی تو بھلائی ٹھہری
یہ ملی ہے عمل بد کی مکافات نئی

داگ سا بھی کوئی شاعر ہے ذرا سچ کہنا
جس کے ہر شعر میں ترکیب نئی بات نئی

☆☆☆

پند واعظ سنتے سنتے کان اپنے بھر گئے
کیا عبادت کو ہمیں ہیں سب فرشتے مر گئے
پھوٹ کر روئے جو چھالے ہو گئے جنگل ہرے
چشم دریا بار جب برسی تو جل تھل بھر گئے
دیکھ سکتا کیا ہمارا حال وہ نازک مزاج
آئینے میں ااپ اپنی شکل دیکھ کے ہم ڈر گئے
تو ہے کیا معشوق جو ہم التجا تیری کریں
تو گیا تو ہم بھی تج سے اے دل مضطر گئے
منہ اندھیرے مجھ کو غافل دیکھ کر شوخی سے وہ
چپکے سے اٹھ کر چل دیے پہلو میں تکیہ دھر گئے
حال میرا پوچھ کر کیا کیا جلے دل میں رقیب
جب کہا شوخی سے اس نے ان کے دشمن مر گئے
آدمی ایسا کہاں پورا فرشتہ ہو تو ہو
شیخ صاحب یہ نہیں معلوم تم کس پر گئے
فاتحہ پڑھنے سے بھی کوئی قبر پر آتا نہیں
مر گیا میں کیا کہ سب میری طرف سے مر گئے
داغ کے تو نام سے نفرت تھی اس بے مہر کو
پر نہیں معلوم یہ حضرت وہاں کیوں کر گئے

☆☆☆

یہ ٹپکتا ہے تیری چتون سے
کہ اشارے ہوئے ہیں دشمن سے

آنکھیں پھوٹیں جو کچھ بھی دیکھا ہو
ابھی آتا ہوں دشت ایمن سے

چوس کر وہ لب مسی آلود!
آج میں ہم زباں ہوں سوسن سے

ہوں وہ بے تاب کیا عجب پس مرگ
نکلے سیماب میرے مدفن سے

خاک مجبوریاں محبت کی
حال کہنا پڑا ہے دشمن سے

آسماں کس طرح سنے فریاد
کان پھوٹے ہیں میرے شیون سے

دل ناداں سے میں نہایت تنگ
اور تم اپنی چشم پرفن سے

ساعت وصل کے لیے اے داغ
پوچھتے رہتے ہیں برہمن سے

☆☆☆

ملتے ہی بیباک تھی وہ آنکھ شرمائی ہوئی
پھر گئی پچھتا کے پلکوں تک حیا آئی ہوئی

ہر ادا مستانہ سر سے پاؤں تک چھائی ہوئی
اف تری کافر جوانی جوش پر آئی ہوئی

ہائے دنیا تو کہاں وہ عیب پوشی اب کہاں

عرصہ محشر میں رسوای سی رسوائی ہوئی
مجلس اہل عزا میں وہ مجھے روتے خہ خوش

دوگھڑی کو یہ بھی ان کی محفل آرائی ہوئی
آسماں نے خاک کی چٹکی ہر اک فتنے کو دی

میری تربت ہے یہ کن قدموں کی ٹھکرائی ہوئی
مجھ کو یہ دعویٰ کوئی تیرے سوا دل میں نہیں

اس کا یہ الزام اچھی قید تنہائی ہوئی
ٹوک کر رستے میں پیار آ ہی گیا اس شوخ پر

وہ نظر حیرت زدہ وہ آنکھ شرمائی ہوئی
تازہ غم کھایا کیے ہم وہ ہیں پاکیزہ مزاج

اور تم کھاتے رہے جھوٹی قسم کھائی ہوئی
بھولے بن کر ان کے منہ سے سن لیا حال رقیب

عمر بھر میں ایک ہی تو ہم نے دانائی ہوئی
ان کی مٹھی میں جو دل تڑپا دبا کر یہ کہا

چھوٹتی ہے کوئی ایسی چیز ہاتھ آئی ہوئی
بوسہ لے کر جان ڈالی غیر کی تصویر میں

یہ نیا اعجاز یہ اچھی مسیحائی ہوئی
دیکھ کر قاتل کی آمد داغ دل میں شاد شاد

اور غم خواروں کے منہ پر مردنی چھائی ہوئی

☆☆☆

کس دل بیتاب کی یارب تماشائی ہوئی
وہ نگاہ شوخ کچھ پرتی ہے گھبرائی ہوئی

اڑ گئی گم ہو گئی جاتی رہی آئی ہوئی

بے وفا تیری وفا میری شکیبائی ہوئی

لیں قیامت نے بلائیں اس سراپا ناز کی

صدقے رعناء ہوئی قرباں زیبائی ہوئی

بتکدے میں سجدہ کرنا کفر اے واعظ نہیں

گر یہیں مقبول اپنی جبہہ فرسائی ہوئی

چوٹ کھائی عشق کی دل نے جگر تڑپا کیا

دوسرے پر آئے کیونکر ایک کی آئی ہوئی

موت سے ہے روح ترساں موت میرے حال سے

یہ بھی گھبرائی ہوئی اور وہ بھی گھبرائی ہوئی

توبہ گر زاہد کروں میں توبہ ایسے وقت میں

یہ بہار آئی ہوئی ایسی گھٹا چھائی ہوئی

یہ ملا ذکر قیامت پر قیامت کا جواب

کیا اٹھے گی وہ ہماری ٹھوکریں کھائی ہوئی

آ گیا جب کوئی کر لیں چار باتیں اس سے بھی

ورنہ پھر سر پیٹنا جس وقت تنہائی ہوئی

یہ ٹپکتا ہے تری زلف سیہ کے رنگ سے

آج کل میں اک نہ اک سر یہ سودائی ہوئی

ہے عجب اندھیر کوئی داغ کا پرساں نہیں

صبح محشر بھی الٰہی شام تنہائی ہوئی!

☆☆☆

میری قسمت کی طرح رہتی ہے بل کھائی ہوئی

زلف پر بھی کیا ہے سختی کی گرہ آئی ہوئی
جب ترے در سے پھرا خلقت تماشائی ہوئی

پیچھے پیچھے داغ آگے آگے رسوائی ہوئی
کاتب اعمال سے ضد تھی دم تحریر شوق

انگلیاں گھس گھس گئیں وہ خامہ فرسائی ہوئی
دوست دشمن کو بنایا ہے ترے انداز نے

سب کو پہچانا اگر تجھ سے شناسائی ہوئی
اے ہجوم ناامیدی رکھ لے شرم آرزو

گوشہ دل میں الگ بیٹھی ہے شرمائی ہوئی
جان کر پہچان کر انجان جب کوئی بنے

پھر نہ ہونے کے برابر وہ شناسائی ہوئی
کیا قسم کھا کر ہوا ہے منفعل پیغام بر

تاڑ لی اس نکتہ چیں نے بات سمجھائی ہوئی
ضعف نے ایسا بٹھایا اس کی بزم ناز میں

میں نے یہ جانا مجھے حاصل شکیبائی ہوئی
کس بلا میں مبتلا رہتی ہے دن بھر شام غم

دوڑ کر آتی ہے مرے گھر جو گھبرائی ہوئی
بھولی صورت پر تری تصویر میں یہ بانکپن

لب پہ ظاہر ہے تبسم دل میں اترائی ہوئی
چل دیا اے داغ کیا منہ پھیر کے وہ مہ جبیں

پھر گئی تقدیر تیری سامنے آئی ہوئی

☆☆☆

مثنوی

فریاد داغ

(۸۳۸) اشعار کی مثنوی جو داغ نے کہی ۱۸۸۳ء میں چھپی۔ یہ معلوم کر کے لوگوں کو حیرت ہوئی کہ یہ مثنوی داغ نے دو دن میں کہی ہے چنانچہ جلوہ داغ میں احسن سے لکھوایا ہے۔

''زود گوئی کا ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ فریاد داغ جیسی بے مثال مثنوی صرف دو دن کی معمولی فکر کا نتیجہ ہے''۔

داغ نے یقیناً دو دن میں مثنوی کہی ہو گی کیونکہ وہ بہت زود گو تھے حیدر آباد میں باتیں کرتے کرتے وہ دو دو تین تین غزلیں لکھوا دیا کرتے تھے ان کے لیے دن بھر میں چار سو شعر کہہ لینا وہ بھی مثنوی کی بحر میں کوئی مشکل نہ تھا۔

''مثنوی فریاد داغ شعری اعتبار سے جتنی نفیس اور دلپذیر ہے. معاشقہ کے لحاظ سے اتنی ہی دل گداز اور روح افزا ہے۔ داغ نے الفاظی معاشقے کیے تھے تخیلی عاشقی کی تھی مگر حقیقت میں حجاب سے پہلے انہوں نے کسی سے محبت نہ کی تھی پہلے پہل حجاب سے جو دل لگایا تو ہجر و رقابت سے سابقہ پڑا صدمہ ہجر کو داغ نے برداشت کر لیا مگر صدمہ رقیب نہ اٹھا سکے اور اس شک و رقابت نے انہیں بہت جلایا یہی وجہ تھی کہ جو وہ رامپور میں رہنے تک حجاب کو رامپور میں بلانے میں کامیاب نہ ہو سکے اور حجاب بھی رامپور جانے کی ہمت نہ کر سکی' رامپور کی بربادی کے بعد پریشانی اور سراسیمگی نے یہ سودا ہی سر سے نکال دیا اور داغ میدان عمل میں اتر آئے' جب وہ مطمئن ہو گئے اور حیدر آباد میں مستقل سکونت اختیار کر لی تو پھر دل میں گدگدی پیدا ہوئی اور حجاب سے سلسلہ خط و کتابت شروع کیا۔

رامپور سے جانے کے بعد ہی حجاب ایک شخص کی پابند ہو گئی تھی جب رامپور کا تختہ الٹا اور داغ سراسیمہ ہو گئے تو حجاب نے کسی شخص سے عقید کر لیا' پھر داغ نے بلانا

شروع کیاتو اس نے طلاق لے کر حیدرآباد کارخ کرلیا اور ایام عدت حیدرآباد ہی میں گزار کر داغ سے نکاح کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ حجاب کہ جن لوگوں نے دیکھا وہ بتاتے ہیں کہ حجاب بڑی ہی غصیلی اور طرار عورت تھی یہی وجہ تھی کہ جو داغ سے نباہ نہ ہو سکی۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح داغ نے بیان کیا ہے انہیں ایک رفیق کی ضرورت تھی اس لیے انہوں نے حجاب کو بلوایا تھا مگر وہ بجائے رفاقت کے حکمرانی کرنے لگی اور چاہتی تھی کہ داغ اس کے اشاروں پر ناچیں۔ مگر حجاب کی روانگی سے وہ بغیر متاثر ہوئے نہ رہ سکے اور متاثر بھی اتنے ہوئے کہ ان کی صحت ہی برباد ہوگئی اور دل بجھ گیا' گانا سنا تقریباً چھوڑ دیا 'عطر کا شوق بھی کم ہو گیا تھا اور کھانا بھی چھوٹ رہا تھا۔ دوستوں اور شاگردوں سے کہا کرتے تھے کہ اب مجھے کسی بات کا لطف نہیں آتا۔

بہت کم لوگ ایسے ہیں جنہوں نے مثنوی کو شروع سے آخر تک پڑھا ہو' نقادوں میں شاید رام بابو سکسینہ ہیں۔ جنہوں نے فریاد داغ کا مطالعہ کیا ہے۔ چنانچہ ان کا بیان ہے:

''مثنوی فریاد داغ میں اپنے عشق کا حال جو کلکتے کی ایک مشہور رنڈی منی بائی حجاب کے ساتھ ان کو تھا اور رام پور کا بے نظیر کا میلہ دیکھنے کی غرض سے آئی تھی ایک شاعرانہ رنگ میں بیان کیا ہے اس مثنوی کے بہت سے اشعار اعلیٰ درجہ کے ہیں اور سادگی اور روانی و عمدگی ان کی قابل داد ہے علی الخصوص عاشق کا معشوق کی تصویر سے تخاطب نہایت دلکش انداز میں بیان کیا گیا ہے مگر بعض جگہ تعیش اور خراب جذبات کی تصویریں متانت اور تہذیب سے گھری ہوئی ہیں''۔

سر عبدالقادر (لاہور) نے ایک انگریز ماہنامے ''نیو اوریئنٹ'' میں داغ پر ایک تفصیلی مضمون لکھا تھا اس میں سر عبدالقادر نے فریاد داغ پر بڑی عمدگی سے روشنی ڈالی۔

''فریادِ داغ ایک مسلسل نظم یا مثنوی ہے جس میں داغ نے خود اپنی زندگی کا ایک واقعہ نظم بند کیا ہے یہ واقعہ اس زمانے سے تعلق رکھتا ہے جب داغ ایک مغنیہ (طوائف) پر عاشق ہو جاتے ہیں جو صرف معمولی موسیقی ہی کی ماہر نہیں ہوتی بلکہ تعلیم یافتہ اور ادبی مذاق رکھنے والی بھی ہوتی ہے اور حجاب تخلص کرتی ہے اس مثنوی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ

دونوں طرف تھی آگ برابر لگی ہوئی

اس میں کوئی بات عجیب وغریب اور غیر فطری نہیں ہے' ایک جلسہ رقص وسرود میں داغ اور حجاب ایک دوسرے سے بے حجاب ہو جاتے ہیں۔ اور داغ اپنے دل پر اس کی مفارقت کا ایک دائمی نقش پاتے ہیں۔ اس کی راگنی داغ نے فریاد کی لے میں الاپی ہے اور یہ راگ اس قدر صاف اور واضح طور پر الاپتے ہیں کہ کوئی شخص بھی سمجھنے میں غلطی نہیں کر سکتا' وہ صاف طور پر اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ حجاب نے ان پر واضح کر دیا تھا کہ ان کی سیہ فامی کے باوجود ان کی شاعری کی مداح اور شیدا ہے چونہ داغ نہ تو خوش رو تھے اور نہ نوجوان اس لیے کوئی نازنین ان کو محبت کی نظر سے کیوں دیکھتی ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ حجاب ان کی ظاہری شکل وشباہت پر نہیں بلکہ ان کی شاعری کا نام آور اور دولت پر مٹی ہو گی مگر ان دونوں کی یکجائی بہت جلد ختم ہو گئی' کہا جاتا ہے کہ حجاب سن رسیدہ ہو جانے کے باوجود داغ سے ملنے کے لیے آئی جبکہ داغ ستر برس کے ہو چکے تھے' اس قصے کو اس نظر سے دیکھتے ہوئے میں نہیں سمجھتا کہ یہ کوئی ایسی بات ہے جس پر سوانح نگار کو شرمندہ ہونا پڑے مثنوی جو اس قصے کو ظاہر کرتی ہے بڑی پر لطف ہے داغ اس کو اس سادگی سے بیان کرتے ہیں کہ دل لوٹ جاتا ہے ہر شعر حشر جذبات اور واردات قلبی کا نچوڑ ہے وہ اشعار جن میں داغ محبت کا اظہار کرتے ہیں اس قدر پر لطف ہیں کہ ان کے خلوص زور اور صداقت کے لحاظ سے بمشکل ان کے کسی ہمعصر کو یہ بات حاصل ہو سکتی ہے میں نہیں سمجھتا کہ اس مختصر مضمون میں ''فریاد'' کی

شاعرانہ خوبیوں کی تشریح پوری طرح کر سکتا ہوں۔ ان لوگوں کو جنہوں نے اس مثنوی کو ابھی تک نہیں پڑھا ہے میں مشورہ دیتا ہوں کہ وہ ضرور پڑھیں اور اس کے محاسن کے متعلق خود اپنی رائے قائم کریں۔ میری رائے میں اس مثنوی کا ادبی مقام بہت بلند ہے اگر چہ داغ نے چار ضخیم دیوان چھوڑے ہیں مگر صرف یہ مثنوی ہی ان کے بقائے دوام کے لیے کافی ہے‘‘۔

☆☆☆

حمد ہے عشق آفریں کے لیے
نعت ہے ختم المرسلیں کے لیے
اسلام اے چہار یار کبار
اسلام اے ائمہ اطہار
مدح نواب نامدار کروں
جان قربان دل نثار کروں
حاجی و زائر و خدا آگاہ
شاہ درویش خوئے ظل اللہ
وہ رئیس دلاور اختر ہند
وہ مخاطب مشیر قیصر ہند
قیصر ہند سے مشیر خطاب
اور فرزند و دلپذیر خطاب
اس سخی کا ہے کام دینے کا
اس کے دینے سے نام دینے کا
کیا خزانہ بھرا پرا پایا
دل خزانے سے بھی بڑا پایا

سو مزے ایک بات میں دیکھے
سو ہنر ایک ذات میں دیکھے

مسند آرائے رام پور رہیں
تا قیامت مرے حضور رہیں

ہے عجب شہر مصطفیٰ آباد
اس کو رکھنا مرے خدا آباد

سب اسے رام پور کہتے ہیں
ہم تو آرام پور کہتے ہیں

خیر نواب کی مناتے ہیں
جس کا کھاتے ہیں اس کا گاتے ہیں

☆☆☆

عشق کی تعریف

خوبیاں عشق کی بیان کروں
کچھ طبیعت کا امتحان کروں

سب نے کی ہیں برائیں اس کی
میں نے لکھی بھلائیاں اس کی

دل بنا ہے اسی مزے کے لیے
میں نے یہ لطف جان دے کے لیے

عشق تاب و توان عاشق ہے
شان عاشق نشان عاشق ہے

عشق ہی آرزوئے عاشق ہے
آرزو آبروئے عاشق ہے

عشق نعمت ہے آدمی کے لیے
عشق جنت ہے آدمی کے لیے
دل اسی سے جوان رہتا ہے
مرمٹوں کا نشان رہتا ہے
عشق کا داغ غیرت گل ہے
دور فریاد رشک سنبل ہے
عشق کیا کیا بہار دیتا ہے
یہ دلوں کو ابھار دیتا ہے
بزدلوں کو دلیر کرتا ہے
یہ دلیروں کو شیر کرتا ہے
عشق سے کس کا زور چلتا ہے
اس سے ستم کا دم نکلتا ہے
خاک سے عشق پاک کرتا ہے
زندہ وہ ہے جو اس پہ مرتا ہے
شیوہ خاص ہے یہ عام نہیں
جو نکلے ہیں ان کا کام نہیں
اس سے گمنام نام پاتے ہیں
اس سے ناکام کام پاتے ہیں
یوں ہو مشہور قیس سا قلاش
یوں ہو مشہور ایک سنگ تراش
عشق کے نام پر نثار ہوں میں
اس کے انجام پر نثار ہوں میں

عشق کا درد راحت جاں ہے
عشق کا زہر آب حیواں ہے
یہ ہے ٹکسال نقد جاں کے لیے
یہ کسوٹی ہے امتحاں کے لیے
اس سے دل کا چراغ روشن ہے
آنکھ روشن دماغ روشن ہے
عشق سے رہتی ہے طبیعت گرم
شعلہ رویوں کے ساتھ صحبت گرم
عشق کے کھیل ہم نے کھیلے ہیں
سو پریزاد ہم اکیلے ہیں
عشق کے لطف ہم نے پائے ہیں
کیا کہیں کیا مزے اڑائے ہیں
سو دوائیں ہیں اک کسک اس کی
سو ادائیں ہیں اک لٹک اس کی
یہ ہے معشوق نوجوانوں کا
یہ ہے محبوب راز دانوں کا
عشق سے آدمیت آتی ہے
آدمی کو مروت آتی ہے
عشق سب بل نکال دیتا ہے
عشق سانچے میں ڈھال دیتا ہے
ہے معلم ہزار مجنوں کا
سبق آموز ہے فلاطوں کا

عشق کا لطف زندگانی ہے
زندگی کا مزا جوانی ہے
عشق عاشق کو بخشواتا ہے
عشق جنت میں لے کے جاتا ہے
عشق ایمان ہے خدا رکھے
یہ مری جان ہے خدا رکھے
عشق باطن ہو عشق ظاہر ہو
اس سے توبہ کرے تو کافر ہو
نالہ عشق نغمہ نے ہے
اثر عشق نشہ مے ہے
اس سے دل کو سرور ہوتا ہے
اس سے نشے میں چور ہوتا ہے

☆☆☆

ساقی نامہ

ساقیا میں اگر دعا مانگوں!
تو بجز مے کے اور کیا مانگوں؟
یہ دعا اور کامیاب نہ ہو؟
یہ دعا اور مستجاب نہ ہو؟
یہ دعائیں قبول ہو جائیں!
پارسائی کے پھول ہو جائیں!
منہ سے نالے اگر نکالوں میں!
خم گردوں کو چھید ڈالوں میں

ورد مے سطح خاک یکسر ہو!
کرہ نار آتش تر ہو!
موجزن ہو وہ بادہ گلگوں
بطہ مے کی طرح پھرے گردوں
خم گردوں سے آئے چھن کے شراب
ساقی مے ہو چادر مہتاب
خم مے آسمان ہو جائے
میکدہ ہر مکان ہو جائے
نمک شور قند کا ہو جواب
سرکہ پہ ہو یقین بادہ ناب
کاسہ مے حباب ہو جائے
آب قلزم شراب ہو جائے
در انور بسان ساغر ہو!
ہالہ مہ دہان ساغر ہو!
ساغر بادہ اختر تاباں!
بیل انگور کی ہو کہکشاں
گل میں ہو رنگ ساغر مل کا
شور قلقل ہو نالہ بلبل کا
گریہ شمع بھی ہو مستانہ
گرے مستوں کی طرح پروانہ
محتسب شوق سے ہو مے آشام
لب قاضی پہ والشر بوہو مدام

رات دن شغل مے پرستی ہو
ساری دنیا ہو اور مستی ہو
مردم دیدہ تک شرابی ہو
آنکھ پیدا ہو تو گلابی ہو
خوف کیسا کہاں کی بے ادبی
انتہا کی ہے مجھ کو تشنہ لبی
کس کو اندیشہ گنہگاری
اور ہی شے ہے رحمت باری
مے گلفام کے مزے لوٹیں
ساغر و جام کے مزے لوٹیں
اس پری کی ہے حور کی صورت
ہے یہی ناز، نور کی صورت
وہ ہیں مست شراب کی باتیں
کھول دے سو حجاب کی باتیں

☆☆☆

عشق کی ابتداء

دوستو! حال غم کہوں نہ کہوں
ماجرائے ستم کہوں نہ کہوں
مختصر واردات کہتا ہوں
سو کی میں ایک بات کہتا ہوں
مدتوں میں نے خون دل کھایا
دل لگانے کا خوب پھل کھایا

ان بتوں کو نہ مانتا تھا میں
ان کو پتھر کا جانتا تھا میں
دل ستایا ہوا ہزاروں کا
داغ کھایا ہوا ہزاروں کا
خوب تکلیف عشق پائے ہوئے
بے وفاؤں سے رنج اٹھائے ہوئے
نہ بٹھاؤں پری کو صحبت میں
حور ہو تو نہ جاؤں جنت میں
عشق کے دام سے رہائی تھی
پارسائی ہی پارسائی تھی
چپکے چپکے نہ شب کو روتے تھے
چین سے اپنی نیند سوتے تھے
طبع بشاش تھی ملال نہ تھا
کسی محبوب کا خیال نہ تھا
اب کسی سے نہ دل لگائیں گے ہم
عہد پر عہد تھا قسم پہ قسم
دل لگی سے رہا بدل انکار
لاکھ توبہ ہزار استغفار
ان بتوں سے مجھے بچائے خدا
حاصل دیں نہ حاصل دنیا
ان بتوں کو مری بلا چاہے
نہ میں چاہوں اگر خدا چاہے

توبہ کر لی پیام سے میں نے
ہاتھ اٹھایا سلام سے میں نے

اس پیام و سلام سے نفرت
تھی محبت کے نام سے نفرت

گو طبیعت تو گدگداتی تھی
پر کسی سے نہ میل کھاتی تھی

آگ لگ جائے اس محبت کو
چھیڑ کی دیر تھی طبیعت کو

عشق مدت سے تھا جو ناپیدا
اس نے پھر ولولہ کیا پیدا

بجھ گیا تھا چراغ رسوائی
پھر ہوا تازہ داغ رسوائی

موت کی شکل پھر نظر آئی
چوٹ مدت کی پھر ابھر آئی

پھر ہوئیں دل میں حسرتیں آباد
نالے دینے لگے مبارکباد

پھر ہوا شوق جبہ سائی کا
پھر جما رنگ آشنائی کا

صبر یاروں کا یار تھا نہ رہا
جبر پر اختیار تھا نہ رہا

آتش غم سے داغ بجھتا تھا
کون اس دل جلے کی سنتا تھا

نہیں چھٹتی ہے لاگ الفت کی
نہیں بجھتی ہے آگ الفت کی
دل کو یہ لاگ چاک کرتی ہے
دل کو یہ آگ خاک کرتی ہے
آہ سے بھی شرر برستے ہیں
نفس سرد کو ترستے ہیں
کیا ٹھکانا ہے آتش غم کا
سینہ اک طبقہ ہے جہنم کا
سوز پنہاں سے جان جلتی ہے
اف کیے سے زبان جلتی ہے
خانہ دل میں داغ روشن ہے
رات دن یہ چراغ روشن ہے
ہے قیامت کا سوز داغ جگر
نار دوزخ ہے جس کی خاکستر
لب پہ ہر دم جلے بھنے نالے
پڑ گئے ہیں زبان پر چھالے
جل گیا جب کسی سے بولے ہم
پھوڑتے ہیں جلے پھپھولے ہم
حسرت آتی ہے اپنی حالت پر
پڑیں پتھر بہتوں کی چاہت پر
اب وہ دکھ درد روز بھرتا ہوں
اس زمانے کو یاد کرتا ہوں

☆☆☆

پہلا آمنا سامنا

آ گیا بے نظیر کا میلہ
دل پابند وضع کھل کھیلا
آفت جان ناتواں دیکھی
یک بیک مرگ ناگہاں دیکھی
جلوہ دیکھا جو حور طلعت کا
سامنا ہو گیا قیامت کا
دیکھ کر اس پری شمائل کو
رہ گیا تھام تھام کر دل کو
دل کو میں ڈھونڈتا رہا نہ ملا
آنکھ ملتے ہی پھر پتا نہ ملا
رنگ چہرہ سے اڑ گیا کوسوں
دل سے مجھ سے جدا کوسوں
آبرو کا لحاظ و پاس کسے
ہوش میں آؤں یہ حواس کسے
یار و غم خوار مونس و ہمدم
کہہ رہے تھے تجھے خدا کی قسم
داغ! تو ماجرا بیان تو کر
تجھ کو کیا ہو گیا بیان تو کرا!
کیوں ہے ایسا اداس خیر تو ہے؟
کیوں اڑے ہیں حواس خیر تو ہے؟

سوچو اپنا برا بھلا دیکھو!

دیکھو نواب میرزا! دیکھو

شمع سال جسم زار گھلتا تھا

پر کسی پہ نہ بھید کھلتا تھا

جستجو میں بڑے بڑے عیار

نہ ہوا کوئی واقف اسرار

ہم نشیں و ندیم مضطر تھے

سب طبیب و حکیم مضطر تھے

رنج سا رنج تھا حسینوں کو

داغ سا دغ مہ جبینوں کو

منہ پر اک کے اشک بہتے تھے

ہاتھ ملتے تھے اور کہتے تھے

اس طرح کا فہیم و فرزانہ

اے تری شان! یوں ہو دیوانہ!

اس کا قابو سے دل نکل جائے

ہے غضب اس پہ چال چل جائے

یہ ہر ایک فن سے خوب واقف تھا

دوست دشمن سے خوب واقف تھا

ہم سمجھتے تھے ہوشیار اسے

عشق میں آزمودہ کار اسے

یہ وفادار یہ خجستہ شعار

صادق القول صادق الاقرار

کس نی بیہوش کر دیا اس کو
کس نے خاموش کر دیا اس کو

کہیں آئی ہوئی طبیعت ہے
چوٹ کھائی ہوئی طبیعت ہے

اک نظر دیکھ بھال کر کوئی
لے گیا دل نکال کر کوئی

حال کیسا بدل گیا اس کا
کیا کلیجہ نکل گیا اس کا

صلح کل ہے یہ آدمیت میں
خیر سے شر نہیں طبیعت میں

خوش بیاں خوش زباں کہاں ایسا؟
فخر ہندوستاں کہاں ایسا؟

کس دغا باز نے اسے مارا؟
کس فسوں ساز نے اسے مارا؟

کس قیامت نے پائمال کیا؟
سحر بنگالہ نے حلال کیا؟

وہ پری چہرہ کیا قیامت ہے
داغ سے شخص کی یہ حالت ہے

اس بلا سے نکالنا اس کو
یا الٰہی! سنبھالنا اس کو !

☆☆☆

معشوقہ کی تعریف

مجھ کو اس حال پر نظر ہی نہ تھی
دین و دنیا کی کچھ خبر ہی نہ تھی

عشق نے تازہ روپ بدلا تھا
میں کبھی میلے میں اک تماشا تھا

میلے والوں میں دھوم تھی میری
خوش جمالوں میں دھوم تھی میری

ہوش آیا تو میں نے کیا دیکھا؟
اک پری چہرہ خوش ادا دیکھا!

رخ سے ظاہر تھا نور کا عالم
اور اس پر غرور کا عالم

جٹی جٹی بھوؤں کی وہ تحریر
کیوں نہ دل اس لکیر پر ہو فقیر

چشم خوں ریز وہ فساد انگیز
جس کا شاگرد فتنہ چنگیز

گردن اس کی ہے وہ صراحی دار
ہو صراحی بھی دیکھ کر سرشار

ایسے پتھر وہ دونوں قبہ نور
شیشہ دل ہو جن سے چکنا چور

گات بانکی بدن سڈول تمام
فتنہ قد فتنہ چشم فتنہ حرام

نگہ مست ہوشیاری سے

لڑنے والی چھری کٹاری سے

لب پاں خوردہ پر مسی کی دھڑی

دل بیمار پر تھی رات کڑی

جوش پر بادہ جوانی ہے

یہ چاہ ذقن کا پانی ہے

سج دھج آفت غضب تراش خراش

کسی اچھے کی دل ہی دل میں تلاش

وہ اکڑتی ہوئی نظر آیا

وہ لچکتی ہوئی نظر آیا

شوخیاں ہیں حجاب میں کیسی

لن ترانی جواب میں کیسی

اف رے عہد شباب کی مستی

بے پئے ہے شراب کی مستی

ہائے تیرا کلام مستانہ

ہائے تیرا خرام مستانہ

گرتے گرتے کبھی سنبھل جانا

ادھر آنا ادھر نکل جانا

کبھی منہ پر نقاب کاکل ہے

کبھی منہ پھیر کر تغافل ہے

کبھی سایے سے اپنے ڈر جانا

کبھی کچھ بانکپن بھی کر جانا

آئینے سے نگاہیں لڑتی ہیں

خود بخود چتونیں بگڑتی ہیں
کبھی کچھ تیوری میں بل دینا
کبھی آنکھیں دکھا کے چل دینا
آئینے سے نظر چرا جانا
آپ اپنے سے شرم کھا جانا
اپنے سائے سے پوچھنا تو کون؟
ہے مرے ساتھ تو دوسرا کون؟
بھولے پن میں ہزار گھاتیں ہیں
اک خموشی میں لاکھ باتیں ہیں
ہے نرالی ادا زمانے سے
روٹھنا اور بھی منانے سے
اک قیامت کی چال چل جانا
دل چھلاوے کی طرح چھل جانا
ہر کسی کو نظروں میں تول لیتے ہیں
مشتری کو وہ مول لیتے ہیں
حسن کی آن بان ہائے غضب
بے نیازی کی شان ہائے غضب
ناز جلوے دکھائے جاتا ہے
حسن چہرے پہ چھائے جاتا ہے
رقص طاؤس باغ سے اچھا
شعر کا لطف داغ سے اچھا
جس طرف اٹھ گئی وہ شوخ نگاہ

شور اٹھا کہ بس خدا کی پناہ

ادھر اظہار درد رنج و فراق

اور ادھر گفتگو تراق پراق

کہہ دیا دل کا حال باتوں میں

نہ رہا کچھ خیال باتوں میں

نرم باتیں کبھی نزاکت سے

گرم فقرے کبھی شرارت سے

مفت دل لے کے نقد جاں لینا

باتوں باتوں میں امتحاں لینا

دل صفائی سے آشنا ہی نہیں

بدگمانی کی انتہا ہی نہیں

جانب در جو بھول کر دیکھا

اس کو تھا وہم کیوں ادھر دیکھا

کیا ہو ایسے سے وصل کی تدبیر

جو نہ دے میرے خواب کی تعبیر

سادگی میں بناوٹیں کیا کیا

اکھڑی اکھڑی لگاوٹیں کیا کیا

شعبدے لاکھ لاکھ آفت کے

فقرے چلتے ہوئے قیامت کے

کچھ اشاروں سے مدعا کہنا

منہ ہی منہ میں برا بھلا کہنا

بھولی بھولی وہ پیار کی باتیں

شوخیاں اختیار کی باتیں
کبھی چبھتی ہوئی سنا دینا
سن کے تعریف مسکرا دینا
سخن ناصواب کہہ دینا
مجھ کو خانہ خراب کہہ دینا
کبھی دھمکی یہ دی کہ سمجھیں گے
کبھی گردن ہلی کہ سمجھیں گے
مفت الزام میرے سر دھرنا
بے خطا بے قصور لے مرنا
وعدہ کرتے ہی مسکرا دینا
چٹکیوں میں مجھے اڑا دینا
سینکڑوں بات بات میں گھاتیں
میٹھی چھریاں وہ رس بھری باتیں
پتلے ہونٹوں میں کچھ تبسم بھی
مجھ کو کہنا کہ قہر ہو تم بھی
ہائے وہ قدر دانیاں اس کی
ہائے وہ مہربانیاں اس کی
ایک اک دم میں سو مدارتیں
لطف کے دن وہ عیش کی راتیں
ہر کسی سے اک التفات کی بات
لطف کا لطف اور بات کی بات
سو اگر ہیں کسی سے کام نہیں

پر کوئی شا کی کلام نہیں
وضع کے ہو خلاف کیا مقدور
ایک سے لاکھ تک نہیں منظور
لوگ جو انجمن میں آتے تھے
پھلے پھولے چمن میں آتے تھے
سن کے اس خوش کلام کی تقریر
سب کو حیرت تھی صورت تصویر
دیکھ کر اس کے روئے انور کو
آئے بیٹھے اٹھے گئے گھر کو
کبھی شعر و سخن کا چرچا تھا
کبھی اپنے وطن کا چرچا تھا
رات کٹتی ہنسی خوشی کیا کیا
ہوتی رہتی کھلی دلی کیا کیا
جاں نوازی پہ اس کو ناز بھی تھا
بے نیازی میں کچھ نیاز بھی تھا
خانہ دوست عیش خانہ تھا
ہائے کیا دن تھے کیا زمانہ تھا
ستم و جور کا گلا کیجیے
لطف قاتل بنے تو کیا کیجیے
شکوہ ہوتا ہے خود پسندوں سے
کیا شکایت نیا زمندوں سے
کون کہتا ہے ناز نے مارا

مجھ کو اس کے نیاز نے مارا
دیکھ کر یہ ادائیں آنکھوں سے
کیوں نہ لوں بلائیں آنکھوں سے
آسماں صدقے ہونے والوں میں
فتنہ حشر پائمالوں میں
یہ انداز قہر کرتے ہیں
آدمی کیا؟ فرشتے مرتے ہیں
ایسے پھندے سے دل ہو کیا آزاد
یاد آیا ہے مطلع استاد
خوب روکا شکایتوں سے مجھے
اس نے مارا عنایتوں سے مجھے
وہ بھلے جو جفائیں کرتے ہیں
وہ برے جو وفائیں کرتے ہیں
دل پھنسا ہے وفا کے پھندے میں
آ گیا کس بلا کے پھندے میں
عیش یہ آسماں نہ دیکھ سکا
چار دن شادماں نہ دیکھ سکا
گردش روزگار اور ہوئی
شکل لیل و نہار اور ہوئی

☆☆☆

معشوقہ کی روانگی

آ گئی ہجر کی گھڑی سر پر

یہ بلا جھیلنی پڑی سر پر
اس کے لب پر پیام رخصت کا
میرے دل میں مقام حسرت کا
قصد ٹھہرا وطن کے جانے کا
رنگ بدلا نیا زمانے کا
حسرت آلود وہ نگاہیں تھیں
شرر آمیز میری آہیں تھیں
بات دل کی نہ لب تک آتی تھی
فکر میں آئی عقل جاتی تھی
مثل کاکل مجھے پریشانی
شکل تصویر اس کو حیرانی
سن اے رخصت کا نام روتے تھے
سب وہاں خاص و عام روتے تھے
ٹھہرے عہد وفا جو آپس میں
کھائیں باہم ہزارہا قسمیں
رسم الفت کے ہو گئے اقرار
خط کتابت کے ہو گئے اقرار
شکر مہر و وفا کیا میں نے
بخشوایا کہا سنا میں نے
گویا بندہ وفا کا بندہ ہے
آدمی پھر خطا کا بندہ ہے
اس نے مجھ سے کہا یقین مانو!

اک سرمو نہ فرق تم جانو!
جی نہیں چاہتا ہے جانے کو
پر چلے ہیں قلق اٹھانے کو
ہم کو کچھ آرزوئے مال نہیں
اس کا واللہ کچھ خیال نہیں
زر سے معمور ہے ہمارا شہر!
کونسا دوسرا ہے ایسا شہر!
ہے حکومت کی شان کلکتہ
سلطنت کا نشان کلکتہ
انتخاب زمانہ کلکتہ
فخر ہندوستان کلکتہ
ہم تو بھوکے ہیں آدمیت کے
آدمیت کے ساتھ الفت کے
ایسے دیسوں سے جی نہیں ملتا
داغ سا آدمی نہیں ملتا
میری تسکین اسی کیے ہی بنی
یہ تسلی مجھے دیے ہی بنی
آتے جاتے ہیں سب خدائی میں
مر نہ جانا مری جدائی میں
جان سی چیز یوں نہیں کھوتے!
اس قدر پھوٹ کر نہیں روتے
جب کہ رنج و ملال ہوتا ہے

سچ ہے ایسا ہی حال ہوتا ہے
زندگی شرط ہے تو آئیں گے
لطف صحبت کے پھر اٹھائیں گے
دل سے نزدیک ہم ہیں دور نہیں
اس قدر دور رامپور نہیں
یاد رکھنا ہمیں یہ یاد رہے
اسی صورت سے اتحاد رہے
مصرح میر پڑھ کے فرمایا
"پھر ملیں گے اگر خدا لایا"
وہ تو پہلو سے آہ بھر کے اٹھے
اور ہم بے قرار مر کے اٹھے
جب وہ اک ایک سے چلے مل کر
خوب روئے مرے گلے مل کر
ادھر اس مہمان کی رخصت
تھی ادھر میری جان کی رخصت
ساتھ اس کے مری نگاہ گئی
جب نگہ تھک گئی تو آہ گئی
روح کہتی تھی مجھ کو دو رخصت
دل پکارا کہ میں بھی لو رخصت!
دل جگر دونوں تھرتھراتے تھے
پاؤں چلنے میں لڑکھڑاتے تھے
ضعف سے چل نہ سکا چار قدم

اک قدم راہ تھی ہزار قدم

اشک آنکھوں میں اور لب پہ دم

جان جانے کو مستعد ہر دم

صبر ٹھہرائے کب ٹھہرتا ہے

سب سے پہلے سلام کرتا ہے

رات گزری مجھے دعا کرتے

تھک گیا منہ خدا خدا کرتے

کس قدر مضطرب مرا دل تھا

دل نہ تھا صید نیم بسمل تھا

☆☆☆

جدائی

اے فلک داد خواہ ہوں تجھ سے

طالب رشک و ماہ ہوں تجھ سے

یہ ستم دیکھ اور مجھ کو دیکھ

یہ الم دیکھ اور مجھ کو دیکھ

وہ نکیلی ادائیں دھیان میں ہیں

وہ سریلی صدائیں کان میں ہیں

گر نہیں وصل یار جانی کا

لطف کیا ایسی زندگانی کا

ہجر باعث ہے خستہ جانی کا

ہجر دشمن ہے زندگانی کا

ہجر سے زخم خانستاں بہتر

ہجر سے مرگ ناگہاں بہتر

ہجر دنیا سے لے کے جاتا ہے

عاقبت خاک میں ملاتا ہے

دم پہ بنتی ہے ہجر کے غم سے

اس کو پوچھو جناب آدم سے

تیرگی ہے جو یہ شب غم میں

ہے سیہ پوش میرے ماتم میں

ہوئے سر کھول کر شب ہجراں

اشک شبنم سے صبح تک گریاں

اس سیاہی میں کیا سحر ہو نمود

گھر گیا دود آتش نمرود

دیکھ کے آہ آتشیں کے شرر

دانت پیسا کیے بہت اختر

داستاں گو ہے نالہ شب گیر

خوب سوتی ہے چین سے تقدیر

کیوں فلک انتہائے جور بھی کچھ

ظلم باقی رہا ہے اور بھی کچھ

یوں کسی کو ہلاک کرتے ہیں

یوں جلاتے ہیں خاک کرتے ہیں

ہمہ تن یاس کر دیا تو نے

ستیاناس کر دیا تو نے

دل ستانے سے درگزر ہی نہیں

آہ مظلوم سے حذر ہی نہیں
ہو گئے خاک من چلے لاکھوں
مر گئے کاٹ کر گلے لاکھوں
میں ہی کیا ہوں تری جفا کے لیے
رحم کر رحم خدا کے لیے
کسی کروٹ سے کل نہیں آتی
نہیں آتی اجل نہیں آتی
ضعف سے دونوں مل گئے پہلو
چین بستر سے چھل گئے پہلو
چشم نمناک ہے تو دل غمناک
سینہ صد پارہ و جگر صد چاک
تپ دوری نچوڑتی ہے مجھے
دم بدم روح چھوڑتی ہے مجھے
ضعف سے قلب تھرتھراتا ہے
درد بھی اٹھ کے بیٹھ جاتا ہے
چشم پرخوں سے ندیاں جاری
ریش ناخن سے تن پہ گلکاری
چبھتی ہے کوئی شے کلیجے میں
ہوک سی اٹھتی ہے کلیجے میں
دل کی حالت بری ہے سینے میں
سانس چلتی چھری ہے سینے میں
لگ گئی کس کی بددعا مجھ کو؟

میرے اللہ کیا ہوا مجھ کو؟
دل سے پہروں کلام کرتا ہوں
زندگی کو سلام کرتا ہوں
غم جان کاہ مہماں دل کا
اشک غماز راز داں دل کا
جب فلک پر نگاہ جاتی ہے
عرش اعلیٰ تک آہ جاتی ہے
پہنچی ہے آسماں تک فریاد
نہ گئی اس کے کان تک فریاد
درد دل سائبان ہے گویا
دوسرا آسمان ہے گویا
رات دن مجمع پریشانی
خانہ آباد خانہ ویرانی
دل میں ہر آن کاہش دوری
لب پہ ہر وقت ہائے مہجوری
دل ہے بیتاب تو جگر بے چین
ہے مصیبت میں گھر کا گھر بے چین
دل میں ہر وقت ایک تازہ ملال
انقلاب زمانہ شامل حال
نامرادی مراد پاتی ہے
تلخ کامی مزے چکھاتی ہے
نامور ہے وہ میری گمنامی

پر اثر ہے وہ میری ناکامی

یہ جو لکھے قلم زباں نہ رہے
لوح محفوظ تک نشاں نہ رہے

بے کسی میری غمگساروں میں
ناامیدی امیدواروں میں

لطف ملتا ہے جان کھونے سے
شاد ہوں رات دن کے رونے سے

چشم تر پر ہے گوشہ داماں کا
چاک بننے لگا گریباں کا

لحد تنگ کنج تنہائی
جیتے جی منہ پر مردنی چھائی

چارہ گر سے دوا نہیں ہوتی
بس ہوتی شفا نہیں ہوتی

درد دل کا علاج مشکل ہے
بچ گئے کل تو آج مشکل ہے

کل جو امید تھی وہ آج نہیں
مرض موت کا علاج نہیں

جان جاتی ہے دل کے آنے سے
موت آتی ہے اس بہانے سے

گرد بیٹھے طبیب روتے ہیں
مجھ کو میرے نصیب روتے ہیں

نبضیں چھوٹی ہوئی طبیبوں کی

پیش چلتی نہیں غریبوں کی
ہر کوئی اپنی اپنی کہتا ہے
رائے میں اختلاف رہتا ہے
جو اطبائے وحشت دل میں
ان کو کپڑے چھوڑانے مشکل ہیں
جو عیادت کو میری آتا ہے
دیکھ کر دور ہی سے جاتا ہے
میری باتوں سے وہم آتے ہیں
سننے والوں کے ہوش اڑ جاتے ہیں
بات کی بات میں پلٹ نہ پڑے
یہ سڑی ہے کہیں لپٹ نہ پڑے
مژدہ وصل کب سناتے ہیں
لوگ یٰسین پڑھنے آتے ہیں
دشمن نام و ننگ کون کہ میں!
اپنے جینے سے تنگ کون کہ میں!
دشمن اضطراب کون کہ میں!
مبتلائے عذاب کون کہ میں!
تیر غم کا نشانہ کون کہ میں!
پائمال زمانہ کون کہ میں!
عاشق بے وقار کون کہ میں!
سب میں بے اعتبار کون کہ میں!
مضطر و ناشکیب کون؟ کہ میں!

صید دام فریب کون کہ میں!
چشم براہ یار کون کہ میں!
ہمہ تن انتظار کون کہ میں!
تیغ حسرت اتر گئی دل میں
بے قراری ٹھہر گئی دل میں
اشک اُمڈے برس گئیں آنکھیں
دیکھنے کو ترس گئیں آنکھیں
شوق کہتا ہے ہ میرے ساتھ آؤ
ضعف کہتا ہے بیٹھ بھی جاؤ
چین ملتا نہیں کہیں مجھ کو
آسماں ہو گئی زمیں مجھ کو
موت آئے یقین نہیں آتا
نفس واپسیں نہیں آتا
اب کہاں وہ صفائیاں منہ پر
چھٹ رہی ہیں ہوائیاں منہ پر
رنج کھاتا ہوں اشک پیتا ہوں
یہی کھا پی کے جیتا ہوں
جتنے ارمان ہیں میرے دل میں
سب وہ پیکان ہیں مرے دل میں
کھیل کوئی نہ عمر بھر کھیلے
ہم جو کھیلتے تو جاں پر کھیلے
چھوٹ کے روئے پاؤں کے چھالے

بہہ گئے جن س ندیاں نالے

گر ہوں روکش یہ دیدہ نم

پانی پانی ہو گریہ آدم

رنج کھانے کا کام ہے مجھ کو

دانہ پانی حرام ہے مجھ کو

فکر افشائے راز سے خاموش

کبھی کچھ ہوش میں کبھی بے ہوش

الفراق الفراق ورد زباں

الاماں الاماں یہ شور فغاں

جو فرشتے ہیں آسمانوں پر

ہاتھ رکھے جاتے ہیں کانوں پر

غم دوری سے جان بیکل ہے

آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل ہے

☆☆☆

کوئی مہماں جو میرے گھر آیا

میں نے جانا پیامبر آیا

لیں بلائیں ہزار ہا میں نے

دیں دعائیں ہزار ہا میں نے

اس کو باتوں میں کھولتا تھا میں

خط کمر میں ٹٹولتا تھا میں

کبھی پیٹتا تھا دھو دھو کر

کبھی ہنستا تھا خوب رو رو کر

کبھی قدموں پہ اس کے گرتا تھا
کبھی میں اس کے گرد پھرتا تھا
خبر یار پوچھتا تھا میں
حال اغیار پوچھتا تھا میں
رنگ کیا ہے امیدواروں کا
ڈھنگ کیا ہے صلاح کاروں کا
کون سے شخص پر عنایت ہے
رات دن کس سے گرم صحبت ہے
سنتے ہیں داستان غم کہ نہیں
یاد آتے ہیں ان کو ہم کہ نہیں
کس سے ہر وقت ہم کلامی ہے؟
کون سرکار کا سلامی ہے؟
بزم آرائیوں کا شوق بھی ہے؟
اب وہ شعر و سخن کا ذوق بھی ہے؟
ہیں طبیعت میں ولولے کیا کیا؟
رات دن کے ہیں مشغلے کیا کیا؟
مہماں سن کے یہ مری تقریر
تھا تحیر میں صورت تصویر
اس کو حیرت یہ ماجرا کیا ہے؟
میزباں کو جنوں ہے سواد ہے!
میری حالت پہ اس کو سکتا تھا
شکل آئینہ منہ کو تکتا تھا

نظر آئی جو اس کی حیرانی
سخت مجھ کو ہوئی پشیمانی
کون مہمان ہو کے آئے گا
یوں تلاشی جو دے جائے گا
ہوش آیا تو شرمسار ہوا
پھر وہی جوش انتظار ہوا

☆☆☆

عاشق کی تصویر سے معشوق کی مخاطبت!

یہ سنا ہے کہ وہ پری پیکر
یاد کرتا ہے مجھ کو یوں اکثر
میری تصویر رکھ کے پیش نظر
کو سنا چھیڑنا یہ کہہ کہہ کر
اس ڈھٹائی سے تو ادھر دیکھے
آنکھیں پھوٹیں ہمیں اگر دیکھے
کس طرح گھورتا ہے بلے شریر!
جی میں آتا ہے پھونک دوں تصویر!
تو یہی رات دن رلاؤں تجھے
دیکھنے کا مزا چکھاؤں تجھے
ایسی صورت پہ یہ دماغ تیرا
خوب رکھا ہے نام داغ ترا
حسن ہوتا ہے حاصل تصویر
روسیہ تو ہے قابل تصویر

شکل منحوس کیوں نظر آئے؟
مول لے کر بھی ہم تو پچھتائے!
ایسی تصویر کس کو بھاتی ہے
پر بلا سے ہنسی تو آتی ہے
تجھ سے رونق نہیں ہے گھر کے لیے
رکھ لیا ہے نظر گزر کے لیے!
نہ ہو کچھ اس سے رونق تعمیر
اور دھبہ لگائے یہ تصویر!
تو ہے رنج و ملال میں کس کے
چپ لگی ہے خیال میں کس کے
کیوں ہے خاموش لب تو کھول ذرا!
وہ بڑے بول اب تو بول ذرا
لن ترانی کہاں گئی تیری
خوش بیانی کہاں گئی تیری
آرزوئے وصال کہہ تو سہی؟
کیا ہوا تیرا حال کہہ تو سہی؟
جھوٹ سچ ہم کو آزمانا ہے
عشق ہے یا فقط بہانا ہے
تیرے منہ میں زبان ہے کہ نہیں
تجھ میں کمبخت جان ہے کہ نہیں؟
کونسا تھا وہ آئینہ رخسار
تجھ کو سکتے کا دے گیا آزار

آئینہ تیرے منہ پہ رہتا ہے
اس سے کیا اپنا حال کہتا ہے؟
دام دے کر تجھے خریدا ہے!
تجھ پہ ہر طرح اپنا دعویٰ ہے
ہاں زلیخا مجھے نہ ٹھہرانا!
بن کے یوسف کہیں نہ اترانا!
بال باندھا مرا غلام ہے تو
اسی باعث سے نیک نام ہے تو
طائر رنگ اڑ کے چل نہ سکے
تیری حسرت کبھی نکل نہ سکے
بھاگ کر بے وفا نہ ہو جانا
محض نا آشنا نہ ہو جانا
نہ کہیں گے صورت اچھی ہے
ہاں مگر طبیعت اچھی ہے
تیری تصویر کا بہانا ہے
تیرا خاکہ بہت اڑانا ہے
پہلے تو اس کو چاک چاک کر دوں
اور پھر میں جلا کے خاک کر دوں
کیا یہ تصویر لاجواب نہیں
سو سنے ایک کا جواب نہیں
ان کی تصویر پہ نظم ہر دم
مجھ کو تقدیر پہ نظر ہر دم

☆☆☆

معشوقہ کی آمد

صورت نامہ و پیام رہی
خط کتابت کی دھوم دھام رہی
ان کو لکھا بطور استمزاج
سارے میلوں سے ہے یہ بڑھ کر آج
دیکھو تم بے نظیر کے جلسے!
ہر برس ہو شریک اول سے!
تم نے بھی رنگ اس کے دیکھے ہیں
تم نے بھی ڈھنگ اس کے دیکھے ہیں
کچھ رہو رام پور میں آ کر
لطف اٹھاؤ حضور میں آ کر
پر یہ ہے شرط آ کے میلے میں
پھنس نہ جاتا کسی جھمیلے میں!
آئی مجھ کو جواب میں تحریر
اپنے آنے کے باب میں تحریر
ایسے میلے میں کیوں نہ آئیں
کہ جہاں تم سا شخص پائیں
کوئی جلسہ دکھانے والا ہو
کوئی ہم کو بلانے والا ہو
بے بلائے جو آئے کیا آئے
منہ اٹھائے جو آئے کیا آئے

کیا نہیں ہم کو شوق خوب کہی
کیا نہیں ہم کو ذوق خوب کہی
باغ کی ہم بہار لوٹیں گے
داغ کی ہم بہار لوٹیں گے
سب یہ کہتے ہیں سیر بہتر ہے
ہم بھی سمجھے تو خیر بہتر ہے
فائدہ کیا ہے ہم کو حیلے سے
آئیں گے پر اسی وسیلے سے
تم در اندازیوں کو کیا جانو!
تم فسوں سازیوں کو کیا جانو!
فتنہ پردازیاں بھی ہوتی ہیں
رخنہ اندازیاں بھی ہوتی ہیں
تم کو اس کی خبر بھی ہے کہ نہیں
نیک و بد پر نظر بھی ہے کہ نہیں
جن سے تم نے التجائیں کرتے ہو
ہر طرح کی وفائیں کرتے ہو
تم سمجھتے ہو وہ خلاف نہیں
وہ ذرا تم سے دل میں صاف نہیں
کہیں بد ظن بھی دوست ہوتے ہیں
کہیں دشمن بھی دوست ہوتے ہیں
باز آئے ہم ایسے آنے سے
کہ بند ہیں مورچے زمانے سے

خط پہ خط بے سبب نہیں آتے
جب تو آتے پر اب نہیں آتے
رسم و راہ پیام سے گزرے
اس پیام و سلام سے گزرے
ایک صاحب جنھوں نے روکا تھا
ان کو مدنظر تماشا تھا
کوئی دن داغ کو جلائیں ہم
اس جلانے کا لطف پائیں ہم
گر رقابت کا واسطہ ہوتا
تو خدا جانے کیا سے کیا ہوتا
بے سبب جن کو یہ عداوت ہو
واسطہ ہو تو کیا قیامت ہو
مجھ کو صبر و قرار مشکل تھا
طبع پر اختیار مشکل تھا
ہے عجب شے امیدواری بھی
لطف دیتی ہے بے قراری بھی
خبر دل رہا نہیں آتی
اس طرف ہوا نہیں آتی
مژدہ جاں فزا نہیں سنتے
ہم خوشی کی صدا نہیں سنتے
گوش زو ایک نوید تھی ہر روز
وہ گئے دن کہ عید تھی ہر روز

دل دکھانے کا کام ہے تجھ کو
اے محبت سلام ہے تجھ کو
مصلحت جان کر گلا چھوڑا
جذب دل پر معاملہ چھوڑا
کف افسوس کس طرح نہ ملے
آدمی کیا کرے جو بس نہ چلے
میں نے سوچا یہ امر اولی ہے
وہ بلائیں جنھوں نے روکا ہے
ان کی کس کس طرح اطاعت کی
پھر انہوں نے بھی یہ عنایت کی
صاف دل سے مراسلہ بھیجا
کہ بنارس انہیں بلا بھیجا
آئے جس وقت وہ بنارس میں
میں نے جانا کہ آ گئے بس میں
میری تقدیر ان کو لے آئی
میری تدبیر ان کو لے آئی
جا کے عہد شباب کا آنا!
تھا دوبارہ حجاب کا آنا!
کیا مرے دلستاں کا آنا ہے
یہ تو روح رواں کا آنا ہے
نکہت گل ادھر پلٹ آئی
عمر رفتہ مگر پلٹ آئی

تھا یہ اس رشک حور کا آنا
چشم اعمیٰ میں نور کا آنا
تھا یہ اس گل عزار کا آنا
یا نسیم بہار کا آنا
پھر وہی ساعت سعید آئی
کہ برس دن کے بعد عید آئی
لعل نکلا ہے یا بدخشاں سے
ماہ کنعاں چلا ہے کنعاں سے
بزم میں شمع انجمن آئی
یا بہار گل چمن آئی
میرے غمخوار جا کے لائے انہیں
نہ بنی کچھ بغیر آئے انہیں
میں نے پایا جو اپنے دلبر کو
آب حیواں ملا سکندر کو
ایسی دولت نصیب ہو کس کو
گنج قاروں ملا ہے مفلس کو
میرے یوسف کی دھوم پیہم ہے
مصر سے رام پور کیا کم ہے
آئے لیکن ہزار ناز کے ساتھ
ملے مجھ سے تو احتراز کے ساتھ
وہم بھی بے قیاس تھا ان کو
پاس والوں کا پاس تھا ان کو

لے لی چپکے سے دل میں چٹکی بھی
پڑھ تشفی بھی پھر تسلی بھی
پہلے کچھ بات کی تو رک رک کر
پھر کہا میرے کان میں جھک کر
کیا نہیں حسرت وصال ہمیں
وضع داری کا ہے خیال ہمیں
ہم جو آئے یہ دل ہمارا تھا
ورنہ کیا آپ کا اجارا تھا
جب لیا نام وضع کا اس نے
پی گیا سن کے جو کہا اس نے
کھل گئے کان جب سنی ایسی
گھل گئی جان جب سنی ایسی
بجھ گیا دل انار سا چھٹ کر
رہ گیا سینہ میں دھواں گھٹ کر
خوف اغیار پر ہنسی آئی
ان کے انکار پر ہنسی آئی
میں نے کی عرض یہ بجا یہ درست
آپ نے جو کہا کہا یہ درست
بات مطلب کی میں کہوں توبہ!
اپنے مہماں کو رنج دوں توبہ!
اپنے سر کیوں دھروں بات پرائی
کیوں بگاڑوں بنی بنائی بات

کام مجھ کو تو ہے اطاعت سے
کیا غرض شکوہ و شکایت سے
ابھی کیا جانو! وضعداروں کو
دیکھ لو گے وفا شعاروں کو!
وضع نبھتی ہے وضعداروں سے
یا اطاعت کے خواست گاروں سے
وہ کہیں پاس وضع کرتے ہیں
جو یہ جانیں یہ ہم پہ مرتے ہیں
طور سب غیر کر کے دیکھو
چار دن بعد سیر دیکھو گے
میرے کہنے کی داد دو گے تم
نام اس کا کبھی نہ لو گے تم
صبر میں نے کیا برس دن تک
کیا قیامت ہے اور دس دن تک
دل کو جو تیری یاد دیتا ہے
صبر کی وہ بھی داد دیتا ہے
اک جہاں اپنا دیکھا بھالا ہے
جانتا ہوں جو ہونے والا ہے

☆☆☆

واپسی

چار دن میں یہ اتفاق کی بات
ان سے ہوئی ایسی نفاق کی بات

پیش آئی جو امتحاں میں نہ تھی
وہ پڑی مشکل جو گماں میں نہ تھی

نازنینوں سے نرمیاں بہتر
نہیں ہوتیں ہیں گرمیاں بہتر

نہ کسی کو برا کہے نہ سنے
عمر بھر جو الف سے بے نہ سنے

کوئی جھڑکی نہ کوئی گالی تھی
اک شکایت مزے سے خالی تھی

دل شکایت سے ٹوٹ جاتا ہے
جی محبت سے چھوٹ جاتا ہے

اس شکایت نے یہ قباحت کی
کہ بڑھیں رنجشیں قیامت کی

نشہ زور و زر کی سرمستی
اور پھر کس قدر زبردستی

اس کو ضد آئے یہ خدا نہ کرے
وہ مچل جائے یہ خدا نہ کرے

منہ سے جس بات پر نہیں نکلی
دل سے پھر عمر بھر نہیں نکلی

آدمی کچھ عرض سے دیتا ہے
جب اٹھائے طمع تو پھر کیا ہے

بات کا زخم کوئی بھرتا ہے
آبرو دار اس سے مرتا ہے

یہ گرہ دل سے جب نکلتی ہے
جان جاتی ہے جب نکلتی ہے

لوگ چالیں ہزار چلتے ہیں
توبہ توبہ یہ بل نکلتے ہیں

کوئی ایسوں کی دال گلتی ہے
پیش کب ہر کسی کی چلتی ہے

جب ادا ہی نہ ہو سکے جی سے
فائدہ کیا قضائے عمری سے

شاد رہنے سے شاد رہتا ہے
ورنہ پھر نامراد رہتا ہے

کوئی نازک مزاج دبتے ہیں؟
صاحب احتیاج دبتے ہیں

اپنے حق میں یہ زہر گھول لیا
طعنے دے دے کے رنج مول لیا

ایسی بگڑی کہ آج تک نہ بنی
ایسی چھٹی کہ آج تک نہ بنی

کسی جانب سے تھا ملال انہیں
کسی جانب سے انفعال انہیں

پھر تو ٹوٹ کر ادھر آئے
دام سے چھوٹ کر ادھر آئے

یہ کہا اب وہ دل کہاں اپنا
تھا غلط سربسر گماں اپنا

پاس ان کا کیا! ہمیں چوکے!
کیوں کیا؟ کیا کیا؟ ہمیں چوکے
کیا زمانے نے رنگ بدلا ہے
ابتدا کیا تھی انتہا کہا ہے
آگے کیا ایسے ذکر چھیڑوں میں
گڑے مردے عبث اکھیڑوں میں
گزری اوقات عیش و عشرت سے
دو مہینے تک اک صورت سے
دوست اپنا وہ مجھ کو جان گئے
میرے کہنے کو وہ دل میں مان گئے
پھر یہ سمجھے کہ اپنا گھر ہے بھلا
عقل مندوں کی داغ دور بلا
بولے میری بلا قفس میں رہے
آدمی کیوں پرائے بس میں رہے
قید خانہ ہے رام پور مجھے
جلد رخصت کریں حضور مجھے
ایک انداز سے ہوئے رخصت
بڑے اعزاز سے ہوئے رخصت
کیا کہوں میں کہ کس چلن سے رہے
رہے جب تک وہ بانکپن سے رہے
پھر وہ سمجھے یہ مر ہی جائے گا
ڈوب جائے گا زہر کھائے گا

آؤ اس کی تسلیاں کر دیں
جی میں جو کچھ ہے وہ بیاں کر دیں
مجھ سے کہنے لگے سنو صاحب!
اس قدر مضطرب نہ ہو صاحب
صبر کا پھل ضرور پاؤ گے
اس کی راحت بہت اٹھاؤ گے
اب تو اپنے وطن کو جائیں گے
آؤ گے بھی؟ اگر بلائیں گے
بات کا موقع و محل دیکھو
کیا زمانہ ہے آج کل دیکھو
وہ جو دم دوستی کا بھرتے ہیں
تم سے درپردہ رشک کرتے ہیں
ڈر ہے دشمن کی دوست داری سے
کام لازم ہے ہوشیاری سے
دم دلاسے وہ مجھ کو دے کے گئے
مجھ سے آنے کا عہد لے کے گئے
چلتے چلتے کہا خدا حافظ
اب تمہارا مرا خدا حافظ
صبح کو وہ ادھر سوار ہوئے
ہم اجل کے امیدوار ہوئے
زندگی بھر یہ کب ہوا صدمہ
پہلے کیا تھا جو اب ہوا صدمہ

گو سراسر ملال تھا وہ ہجر
اس کے آگے وصال تھا وہ ہجر

☆☆☆

بلاوا

سنیے خوب مری نصیبوں کی!
کہ بن آئی وہاں رقیبوں کی
اپنے بیگانے گھیرتے ہیں اسے
میرے رستے سے پھیرتے ہیں اسے
ہوئے دس بیس رخنہ گر پیدا
کیے سو فتنے لاکھ شر پیدا
بنے اس کے مشیر وہ انساں
آئے جن کے فریب میں شیطاں
یہ لگایا بلاوٴ تو اس کو
تم کبھی آزماوٴ تو اس کو
دیکھیں کیسے ہیں چاہنے والے
رسم الفت نباہنے والے
کتنے پانی میں ہیں ذرا دیکھو
وہ نہ آئیں گے تم بلا دیکھو
چاہتے ہیں تو اڑ کے آئیں گے
ورنہ ہر طرح ہچکچائیں گے
تم کو بھولا جو دیکھ پایا ہے
کہہ دیا ٹوٹ کر دل آیا ہے

تم نے دیکھا ہے کیا زمانے کا
داغ ہے چالیا زمانے کا

سحر آمیز اسکی باتیں ہیں
درد آمیز اس کی باتیں ہیں

یہ ہے کیا بات سوچیے اس کو
منہ لگایا ہے آپ نے کس کو

ایسے معشوق کب نصیب اسے
مل گئے ایک تم عجیب اسے

ایسی تقدیر ہے کہاں اس کی
تم کرو پاسداریاں اس کی

کبھی کیجیے تو امتحان وفا
راست ہے؛ یا غلط گمان وفا

ہو برا ان لگانے والوں کا
جھوٹی سچی لگانے والوں کا

کب شرارت سے باز آتے ہیں
آگ پانی میں یہ لگاتے ہیں

کہنا سننا ہے کینہ خواہوں کا
جم گیا رنگ روسیاہوں کا

کچھ کدورت سی آ گئی اس کو
اور بھی کچھ سا گئی اس کو

جب سنی ہر شریر کی تقریر
ہو کے خاموش صورت تصویر

دل میں سوچا یہ وہ بت ناکام
دور بیٹھے ہوں کس لیے بدنام
بھیج کر خط بلایئے ان کو
واقعی آزمایئے ان کو
نامہ میری طلب میں آ ہی گیا
جس سے میں اک غضب میں آ ہی گیا

☆☆☆

تم کو بھولا ہوا جو دیکھ پایا ہے
کہہ دیا ٹوٹ کر دل آیا ہے
تم نے دیکھا ہے کیا زمانے کا
داغ ہے چالیا زمانے کا
سحر آمیز سی باتیں ہیں
درد آمیز اس کی باتیں ہیں
یہ ہے کیا بات سوچیے اس کو
منہ لگایا ہے آپ نے کس کو
ایسے معشوق کب نصیب اسے
مل گئے ایک تم عجیب اسے
ایسی تقدیر ہے کہاں اس کی
تم کرو پاس داریاں اس کی
کہہ کیجیے تو امتحان وفا
راست ہے؛ یا غلط گمان وفا
ہو برا ان لگانے والوں کا

جھوٹی سچی لگانے والوں کا
کب شرارت سے باز آتے ہیں
آگ پانی میں یہ لگاتے ہیں
کہنا سُننا ہے کینہ خواہوں کا
جم گیا رنگ روسیاہوں کا
کچھ کدورت سی آ گئی اس کو
اور بھی کچھ سما گئی اس کو
جب سنی ہر شریر کی تقریر
ہو کے خاموش صورت تصویر
دل میں سوچا یہ وہ بت ناکام
دور بیٹھے ہوں کس لیے بدنام
بھیج کر خط بلائیے ان کو
واقعی آزمائیے ان کو
نامہ میری طلب میں آ ہی گیا
جس سے میں اک غضب میں آ ہی گیا

☆☆☆

معشوق کا خط

مجھ کو لکھا کہ اے مرے بیتاب
دن کو بے چین رات کو بے خواب
اے پریشان ومضطر و ناشاد
تیرے دل میں رہی ہماری یاد
اے سزاوار جور بے تقصیر

اے طلب گار لذت تعزیر
تازگی بخش نام ذوق و نصیر
رشک ' سودا' و درد و مومن و میر
اے سخن گوئے عیسوی اعجاز
اے سخن سنج سامری انداز
تو گرفتار بند زلف رہے
دل اسیر کمند زلف رہے
درد الفت سے لب پہ شیون ہو
میری کاکل ہو تیری گردن ہو
ناوک ناز کا شکار رہے
تیغ ابرو سے دل فگار رہے
لب معجز بیاں سے دم نکلے
تیرے دل سے نہ میرا غم نکلے
ہو مبارک یہ پیارا پیارا عشق
راس آئے تجھے ہمارا عشق
ہم نئی بات روز سنتے ہیں
تازہ اک واردات سنتے ہیں
کوئی کہتا ہے بے قرار تمھیں
کوئی کہتا ہے اشکبار تمھیں
کوئی کہتا ہے چپ لگی ہے انہیں
سخت دشوار زندگی ہے انہیں
کھاتے ہیں پیتے ہیں نہ سوتے ہیں

مفت رو رو کے جان کھوتے ہیں
کوئی کہتا ہے نالے کرتے ہیں
کوئی کہتا ہے تم پہ مرتے ہیں
بھر گئے کان حال سن سن کر
ذکر رنج و ملال سن سن کر
سن کے یہ حال ہر زبان سے ہم!
لائیں پتھر کا دل کہاں سے ہم
یاد ہے قول اس زمانے کا
تم نے وعدہ کیا تھا آنے کا
کس سے مل کر خوشی میں پھول گئے
تم یکایک جو ہم کو بھول گئے
بڑے خوش خلق و نیک ہو تم تو!
دلی والوں میں ایک ہو تم تو!
ہم یہاں تم وہاں تو لطف نہیں
ہو یہ دوری جہاں تو لطف نہیں
لوگ کہتے ہیں وہ تڑپتے ہیں
ایسے ہوتے ہیں جو تڑپتے ہیں
چین سے اپنے گھر میں رہتے ہو
بزم والا گھر میں رہتے ہو
رسم الفت نباہتے ہو اگر
جان کی خیر چاہتے ہو اگر
اٹھ کے سیدھے ادھر چلے آؤ

کوئی روکے مگر چلے آؤ!
ریل میں اتنی دور آنا کیا
کار سرکار کا بہانا کیا
ہم بلائیں نہ آئیں آپ چہ خوش
اور اُپر رہے ملاپ چہ خوش
یہ جگہ سیر گاہ عالم ہے
آج اس پر نگاہ عالم ہے
مہماں تم ہو میزباں ہوں میں
عیش و عشرت کے لطف باہم ہوں
جب کسی نے طلب کیا آئے
آئے پچھتا کے پھر تو کیا آئے
دلبروں سے دغا نہیں کرتے
ایسے اہل وفا نہیں کرتے
گر کسی اور راہ سے ہو گا
عذر بدتر گناہ سے ہو گا
نامہ دلنواز جب آیا
میں نے سوچا یہ کیا غضب آیا
دل تو کہتا تھا سر کے بل چلیے
جس طرح ہو سکے نکل چلیے
شکل چلنے کی آہ کچھ نہ بنی
وضع تھی سر راہ کچھ نہ بنی
کار سرکار نے جو آ گھیرا

قدم قدم اٹھ اٹھ کے رہ گیا میرا
ملتی ہے کام سے کہیں فرصت
مجھ کو مرنے کی بھی نہیں فرصت
رات دن رنج میں گزرتی ہے
اک شش و پنج میں گزرتی ہے
عذر کیجیے یہ بات مشکل ہے
جایے تو نجات مشکل ہے
نکتے نکتے پہ ہے خیال اسے
ہو نہ جائے کہیں ملال اسے
آفت روزگار ایک طرف
اس کے دل کا غبار ایک طرف
منزل دوست و در اتنی ہے
ریل بھی تک کے چیخ اٹھتی ہے
شکل کیسی پڑے خدا معلوم
کیا ہو انجام کار کیا معلوم
سوچتا تھا جواب کیا لکھوں
قہر ٹوٹے جو مدعا لکھوں
فکر مضمون میں غرق تھا پہروں
ہاں میں خامہ رہ گیا پہروں
قصد جانے کا دل میں ٹھان لیا
مجھ کو جانا پڑا یہ جان لیا
نامہ آخر جواب میں لکھا

کچھ کا کچھ اضطراب میں لکھا

☆☆☆

جواب

یا خدا! وہ فرشتہ بھجوا دے

کہ مرا نامہ اس کو پہنچا دے

کاش میرا ہی کاتب اعمال

اس کو جا کر سنائے حال ملال!

کوئی جائے جو گرد باد ادھر

جاؤں میں اس کے ساتھ اڑ اڑ کر

اے فغاں اپنے زور میں لے چل

پہنچوں مکتوب سے شوق اول

اے مہ و مہر گردش ایام!

تمہیں پہنچا دو چلتے پھرتے پیام

ہے کدھر قاصد سلیمانی

کہیے اس سے مری پریشانی

اے ہوا! بازوں میں تو بھر کے

کھول دے پر مرے کبوتر کے!

لے چل اے چرخ تو بھی نامہ یار

کہ نہ جائیں یہ گردشیں بیکار

ابر تر! اشک تر کو تو لے جا!

برق سوز جگر کو تو لے جا!

یوں ہمارا سلام پہنچانا!

یوں ہمارا پیام پہنچانا!

اے مری جان! جان سے بہتر

جان ہے کیا؟ جہاں سے بہتر

اے مہ آسمان زیبائی!

جان خوبی جہاں زیبائی!

اے بت لاجواب میں صدقے!

اے سراپا حجاب میں صدقے!

شوخ رو، شوخ چشم، شوخ کلام

خوش ادا، خوش خرام، خوش اندام

مجھ کو تیرے رخ نکو کی قسم!

اپنے ارمان و آرزو کی قسم!

تیرے اقرار و مبدم کی قسم!

عہد کی قول کی قسم کی قسم!

اپنے آزار و رنج و غم کی قسم!

داغ کے درد کی الم کی قسم!

تیرے قدموں کی تیرے سر کی قسم!

اپنے دل کی قسم جگر کی قسم!

مصحف روئے پر ضیا کی قسم!

جھوٹ کہتا نہیں خدا کی قسم

تو ہے اے مہ جمال پیش نظر!

ہے ترا ہی خیال پیش نظر!

سامنے دوسرا نہیں آتا!

آئینہ دیکھنا نہیں آتا!

بھول کر تجھ کو میری یاد آئی!

دل ناشاد کی مراد آئی!

نہیں کہتا ہوں میں خوشامد سے

تیرے احسان بڑھ گئے حد سے!

یہی اک دن تری قسم ہو گا

کہ مرا سر ترا قدم ہو گا!

تجھ سے انصاف چاہتا ہوں میں

چشم الطاف چاہتا ہوں میں

آفتیں جتنی ہیں خدائی میں

میں نے جھیلیں تری جدائی میں

زندگانی سے یاس ہے مجھ کو

تیرے ملنے کی آس ہے مجھ کو

گو زمانہ ہو چاہنے والا

نہیں مجھ سا بناہنے والا

تم بلاؤ نہ آؤں کیا ممکن

ہے سراسر یہ بات ناممکن

میری عزت کو تم بھی جانتی ہو!

میری غیرت کو تم بھی جانتی ہو!

سب سے ہے تیری آرزو بڑھ کر

آرزو سے ہے آبرو بڑھ کر!

رشک اٹھا کر مجھے نہ مرنا ہو

زہر کھا کے مجھے نہ مرنا ہو
یہ نگاہیں کہیں نہ پھر جائیں
ہم نظر سے تری نہ گر جائیں!
بات کب ناگوار اٹھتی ہے
داغ سے کس کی عار اٹھتی ہے
داغ دکھاؤں خدا وہ دن نہ کرے
رشک دکھاؤں خدا وہ دن نہ کرے
خون دل عاقبت نہ ہو جائے
سفر آخرت نہ ہو جائے
آدمی آبرو نہ کھو کے رہے
کیا رہے گی حقیر ہو کے رہے
داغ در عدن سے بہتر ہے
یہ مسافر وطن سے بہتر ہے
میں اٹھاؤں وہ اس سفر کے مزے
بھول جاؤں تمام گھر کے مزے
اہل تمیز مانتے ہیں مجھے
جاننے والے جانتے ہیں مجھے
رونق آرائے بزم میں ہی تو ہوں
زینت افزائے بزم میں ہی تو ہوں
یہ سر احسان سے نہیں واقف
یہ دل ارمان سے نہیں واقف
سر جھکا ہے وہیں خدا آگاہ

اس جبیں پہ ہے خاک بیت اللہ

اسی ابرو کے وہ اشارے ہیں

جس پہ قربان ماہ پارے ہیں

ان نگاہوں کو کوئی کیا جانے

میری آنکھوں سے دیکھنا جانے

وہ طبیعت کہ جس میں خوئے وفا

یہ وہ بینی جو سونگھے بوئے وفا

لب سے ہر دم یہ کام لیتا ہوں!

کہ تمہارا ہی نام لیتا ہوں

کبھی سرگرم التجا نہ ہوئے

حرف مطلب سے آشنا نہ ہوئے

مفت کی قیل و قال کیا جانیں

لب ہمارے سوال کیا جانیں

لب کھلے تو تری دعا کے لیے

کب کھلے حرف دعا کے لیے

اس زبان سے کلام کو رونق

اس بیان سے پیام کو رونق

اس زبان میں بیان کی شوخی

اس بیان میں جہان کی شوخی

کبھی اس کان سے بدی نہ سنی

بات اچھی سنی بری نہ سنی

یہ وہ گردن نہ جو خمیدہ رہے

اپنے بیگانے سے کشیدہ رہے
بار احسان غیر زائل ہو
دست معشوق ہی حمائل ہو
آئینہ گرد میرے سینے سے
کہ یہ سینہ ہے پاک کینے سے
مخزن علم داغ کا دل ہے
معدن حلم داغ کا دل ہے
انتخاب زمانہ ہے یہ جگر
پر تمہارا نشانہ ہے یہ جگر
ہاتھ پیدا ہوئے عطا کے لیے
پاؤں ہیں منزل وفا کے لیے
ہے یہ دربار شاہ کا صدقہ
اسی عالم پناہ کا صدقہ
اسی سرکار سے ہوئی تعلیم
اسی دربار سے ہوئی تعلیم
نیک و بد سب جتا دیا تم کو
حال اپنا بتا دیا تم کو
میں نہ لکھتا کبھی مگر لکھا
قدر داں تم کو جان کر لکھا
یہ دعا ہے کہ برقرار رہو
میرے حق میں وفا شعار رہو
تم کو اللہ شادمان رکھے

عمر بھر مجھ پہ مہربان رکھے
داغ کی یاد میں حجاب رہے
ساتھ شوخی کے اضطراب رہے
خط روانہ ادھر شتاب کیا
اس طرف میں نے پاتراب کیا
یا خدا میری منزل آسان ہو!
منزل آسان ہو مشکل آسان ہو

☆☆☆

کلکتہ کو جانا

مل گئی جب حضور سے رخصت
میں ہوا رام پور سے رخصت
کہہ کے اٹھا اخیر یا قسمت
راہ رو میں تو رہنما قسمت
جا کر اپنے وطن میں جی نہ لگا
اس بنائے کہن میں جی نہ لگا
چل کے دلی سے لکھنو پہنچا
ہمہ تن شوق و آرزو پہنچا
بہت اجڑے ہوئے مکاں دیکھے
مٹنے والوں کے کچھ نشاں دیکھے
کچھ جو ارمان تھا نکال لیا
شہر کو خوب دیکھ بھال لیا
خوب انجم نے مہمانی کی

اور بھی سب نے مہربانی کی

راہ میں کان پور ' الہ آباد

میں نے دیکھے مگر نہ حسب مراد

اتنے میں آ گیا عظیم آباد

تھا مجھے اس کا شوق حد سے زیاد

پیشوائی کے واسطے احباب

آئے تھے شوق دید میں بیتاب

بہت اشخاص یک بیک آئے

اپنی اپنی سواریاں لائے

کوئی مجھ کو لیے ہی جاتا تھا

کوئی ناحق حق اپنا جتاتا تھا

کوئی کہتا تھا میرے گھر چلیے

آیئے اس طرف ادھر چلیے

ہوئی لوگوں کی چپقلش کیا کیا

رہی آپس میں کشمکش کیا کیا

مجھ کو یہ فکر تھی کہ بھیڑ چھٹے

میرزا مشاغل آئے جب وہ ہٹے

یہ وہ ہیں نام خلق ہے جن سے

آدمیت مراد ہے ان سے

متقی پارسا بہت دیکھے

خوش بیاں خوش ادا بہت دیکھے

خوش گلو بھی کئی سنے میں نے

خوبرو بھی کئی چنے میں نے
مجھ کو فرصت ملی نہ یاروں سے
روز ملتا تھا میں ہزاروں سے
ایسی خلق کہیں نہیں دیکھی
یہ مروت کہیں نہیں دیکھی
کیسی مہمان نوازیاں دیکھیں
کس قدر جاں نوازیاں دیکھیں
ان کے اخلاق یاد ہیں مجھ کو
ان کے اشفاق یاد ہیں مجھ کو
دیں وہ مہماں کو جس قدر چاہیں
بخشدیں گھر کا گھر اگر چاہیں
میر باقر کے گھر قیام ہوا
خوب دعوت کا اہتمام ہوا
آٹھ دن دیکھی سیر پٹنے کی
یہ ہوئی وجہ جی اٹھنے کی
کیا قیامت تھی شہر کی گرمی
کاش گنگا میں ڈوبتی گرمی
آگ کی طرح آب میں گرمی
مثل اخگر حباب میں گرمی
طبع گرمی سے کیوں نہ عاری ہو
جائے نوری وہاں تو ناری ہو
بے جلے کوئی استخواں نہ رہے

عنصر آب کا نشاں نہ رہے

رنگ جل جل کے ہو رہے کاجل

جل گئے لیے چلے جو گنگا جل

شعلہ زن ہو تنور طوفان بھی

کانپتا ہے یہاں زمستان بھی

رنگ آخر طپش سے زرد ہوئی

گرمیِ طبع داغ سرد ہوئی

سوئے کلکتہ میں روانہ ہوا

دور تک ساتھ اک زمانہ ہوا

شوق بے اختیار لے ہی گیا

یہ دل بے قرار لے ہی گیا

آئی ایسی ہوائے کلکتہ

دل پکارا کہ ہائے کلکتہ ہی

ریل پر دوستان نیک خصال

آئے اکثر برائے استقبال

شہر میں دھوم تھی کہ داغ آیا

داغ آیا تو باغ باغ آیا

دیکھ کر شہر کھل گئیں آنکھیں

ماہ رویوں پہ ڈھل گئیں آنکھیں

سر بازار وہ مکان بلند

جس کو کہیے اک آسمان بلند

چرخ کو رتبہ اس مکاں سے کہاں

دور بھاگا ہے یہ کہاں سے کہاں
شرم و غیرت سے چھپ گئی جنت
ورنہ یہ قصر دیکھتی جنت
ہم جو بالائے بام رہتے تھے
لوگ عالی مقام کہتے تھے
سامنے ناخدا کی مسجد تھی
ناخدا کیا؟ خدا کی مسجد تھی!
مظہر نور ہے یہی مسجد
بیت معمور ہے یہی مسجد
اثر سرمہ اس کی خاک کرے
جلوہ اس کا نظر کو پاک کرے
اس کا جلوہ سرور آنکھوں کا
اس کا دیدار نور آنکھوں کا
بخت بیدار و یار ہے دمساز
اے شب وصل تیری عمر دراز
صبح سے شام تک جمال کے لطف
شام سے صبح تک وصال کے لطف
غم کی راتیں نہ تھے ملال کے دن
کیا پھرے تھے شب وصال کے دن
وصل کی شب میں جلوے تھے دن کے
سرمہ تھے خلق میں موذن کے
عیش و عشرت کی بات بات اچھی

رات سے دن تو دن سے رات اچھی
محفل عیش کا بندھا وہ سماں
دیکھے پھر پھر کے جس کو عمر رواں
دوستوں سے بھری بھری محفل
چشم بد دور وہ پری محفل
بزم آرا تھے سب عدو کے سوا
کوئی اکلا نہ آرزو کے سوا
میری محفل میں دخل غیر کہاں؟
غیر ہو جس جگہ تو خیر کہاں؟
عیش سا عیش تھا نصیبوں میں
کھل بلی پڑ گئی رقیبوں میں
ساری دنیا میں کیا کسی سے غرض
اپنے معشوق کی خوشی سے غرض
رات بھر تھا خوشی سے وہ عالم
اشک شادی تھا قطرہ شبنم
مسکراتے تھے لب جو دلبر کے
کھلے جاتے تھے پھول بستر کے
پھول بھی ناگوار تھے اس کو
ہار پھولوں کے بار تھے اس کو
ہر گھڑی نوک جھوک ہوتی تھی
دمبدم روک ٹوک ہوتی تھی
گرچہ دیکھے ہزار صورت دار

مگر ایسا کہاں طبیعت دار
قاتل دید ہر کسی کی خوشی
اور اس پر ہمرے جی کی خوشی
خودبخود دل کھلا ہی جاتا تھا
قہقہہ لب پہ آ ہی جاتا تھا
کالی کالی گھٹائیں آتی تھیں!
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آتی تھیں
آتش حسن یار کی گرمی!
بزم میں اک بہار کی گرمی
گرچہ اکثر ہوا جنوبی تھی
پر وہ عطر حنا میں ڈوبی تھی!
چاندنی کے تمام شب جلسے
دلکشا سقف پر عجب جلوے
یاد ہے اس رشک گل کی سیر
چودھویں رات کو وہ پل کی سیر
ایسی صحبت میں کیوں نہ دل پرچے
دل لگی کے تھے سینکڑوں چرچے
رات عیش و نشاط میں گزری
صبح تک اختلاط میں گزری
مدعی لاکھ ڈر دکھاتے ہیں
وہ جو کہتے ہیں کر دکھاتے ہیں
داغ سے رسم التفات نہ جائے

سر بھی جائے تو جائے بات نہ جائے

لوگ سب خوش قماش خوش ترکیب

اہل تمیز و صاحب تہذیب

ہم سے سرگرم اتحاد رہے

عبد رازق شاد شاد رہے

دوست باوضع ہے کہاں پیدا

داغ اس وضع دار کا شیدا

میری رخصت کے دن تمام ہوئے

عیش و عشرت کے دن تمام ہوئے

جلد حاضر ہو یہ پیام آیا

اور سر پر مہ صیام آیا

پھر تو میں ایک دم ٹھہر نہ سکا

دل کی صورت قدم ٹھہر نہ سکا

اس طرح کس طرح سے رہ جاتے

ہوئے باون برس نمک کھاتے

دل خدا نے دیا غیور بہت

تھا یہ پاس نمک سے دور بہت

گر نمک خوار خلہ گر نکلے

تو نمک پھوٹ کر نکلے

یہ شرافت کا مقتضا ہی نہیں

کہ شریفوں سے یہ ہوا ہی نہیں

کب میسر ہو روزگار ایسا

اور آقائے نامدار ایسا
کچھ تمنا نہیں رہی مجھ کو
کون سی شے کی ہے کمی مجھ کو
میری رخصت سے ان کو حیرت تھی
کہ یہ رخصت نہ تھی قیامت تھی
فکر تشویش رنج تھا غم تھا
عوض نغمہ شور ماتم تھا
اشک آنکھوں میں ڈبڈبائے ہوئے
پاس بیٹھے تو منہ بنائے ہوئے
وہ جو گھبرائے میری اف اف سے
تو یہ کہنے لگے تاسف سے
چند وابستہ ہیں ہمارے ساتھ
ورنہ ہو لیتے ہم تمہارے ساتھ
ہم عزیزوں کو چھوڑ دیں کیونکر
سلسلہ ان سے توڑ دیں کیوں کر؟
تم بھی تنہا نہیں ستم یہ ہے
چھوٹتا ہے یہ ساتھ غم یہ ہے
جو میرے پاس ہے تمہارا ہے
تم کو لیکن یہ کب گوارا ہے
میں نے کی اختیار خاموشی
مجھ سے کب ہو نمک فراموشی
دل سے اپنے یہ گفتگو باہم

کیا رہے آئے کیا چلے کیا ہم
میں کہاں گریہ شبانہ کہاں
سر کہاں سنگ آستانہ کہاں
آبرو کا خیال آتا ہے
عرق انفعال آتا ہے
اپنے دلبر کو چھوڑ کر جائیں
ایسے جانے سے کاش مر جائیں
وہ وفادار برملا ٹھہرے
ہمیں قسمت سے بے وفا ٹھہرے
مضطرب ہو کے ہم ٹھہر نہ سکے
ایسے مجبور تھے کہ مر نہ سکے
اہل صحبت کو داغ دے کے چلے
اپنے دل کا جنازہ لے کے چلے
کیا کہیں جس طرح سے ہم آئے
ہمہ تن حسرت والم آئے
میرے ہمراہ میر قطب الدین
اشک ریزاں بحالت غمگیں
میری غمخواریوں سے کام انہیں
میری دلداریوں سے کام انہیں
وہ مرے دل کو اس طرح لائے
کوئی گھائل کو جس طرح لائے
کچھ نہ تھی مجھ کو جسم و جاں کی خبر

نہ زمیں کی نہ آسماں کی خبر

ریل نے دو ہ دن میں پہنچایا

رمضان ایک دن کے بعد آیا

دست بستہ حضور میں پہنچا

بزم عیش و سرور میں پہنچا

مجھ سے دلشاد اک زمانہ ہوا

مورد لطف خسروانہ ہوا

مرض غم سے کب افاقہ تھا

دن کو روزہ تو شب کو فاقہ تھا

سحری ایک زمانہ کھاتا تھا

رمضاں مجھ کو کھائے جاتا تھا

صدمہ ہجر و کاہش غم سے

عید بدتر ہوئی محرم سے

شادیانہ کا شور پیہم ہے

میں سمجھتا ہوں میرا ماتم ہے

یاس ہو تو امید پھر کیسی

دل نہ خوش ہو تو عید پھر کیسی

ہو کے خوش ہیں کبھی گلے نہ ملا

کف افسوس بے ملے نہ ملا

عشق میں ایک فکر ناداری

لاکھ بیماریوں کی بیماری

داغ کیوں جبر سے گلے ملتا

کاش یہ قبر سے گلے ملتا
ایسی صحبت ہو دل کو کیا مرغوب
ہجر محبوب و وصل نامرغوب
سرو ساماں کہاں مقدر میں
خاک اڑانے کو بھی نہیں گھر میں
کھانے پینے سے مجھ کو نفرت ہے
عید کو روزہ کیا مصیبت ہے؟
ہائے جب زہر بھی نہ پائیں ہم
کیا کلیجہ بروں کا کھائیں ہم
خون دل بھی کمی سی کرتا ہے
دیدہ تر ہنسی سی کرتا ہے
لوگ سامان عیش کرتے ہیں
داغ ارمان عیش کرتے ہیں
شب فرقت جو آہ کرتا ہوں
تو خدا کو گواہ کرتا ہوں
آہ فریاد کون سنتا ہے
داد بیداد کون سنتا ہے
درد دل ہم نشیں نہیں سنتا
کوئی سنتا نہیں، نہیں سنتا
کون یہ حال زار دیکھ سکے
کون یہ انتظار دیکھ سکے
دوستوں کے کلیجے پھٹتے ہیں

دشمنوں کے بھی دل الٹتے ہیں
گر کرے بھی اثر فغاں میری
خاک ہوں جل کے ہڈیاں میری
میں یہ مژدہ سنوں وہ آئی موت
کاش آئے مجھے پہ آئی موت
بد دعا دیتے ہیں بشر مجھ کو
کھا گئے کوس کوس کر مجھ کو
تھے جو پروانہ سوز الفت سے
اب وہ جلتے ہیں میری صورت سے
پند گو اپنی بکتے ہیں
زخم دل پر نمک چھڑکتے ہیں
طعنے دے دے کر لوگ ہنستے ہیں
روز تیروں کے مینہ برستے ہیں
ہو رہی ہیں ملامتیں کیا کیا
ٹوٹتی ہیں قیامتیں کیا کیا
طنز کرتے ہیں یہ لطیف و ظریف
کہیے کیا ہے اب مزاج شریف
لو! ذرا سا ہوا جو دل میلا
پیشتر مرگ سے ہے واویلا
ہم تو دیکھیں وہ خوب رو ہے کہاں
ہم سنیں تو وہ خوش گلو ہے کہاں
تم نے دیکھا ہے تم نے برتا ہے

وہ تو مہر و وفا کا پتلا ہے
ایسی ہوتی ہے چاہ کیا کہنا
حضرت داغ واہ کیا کہنا
مہر و الفت اسی کو کہتے ہیں
کیا مروت اسی کو کہتے ہیں
ہے وہی آن بان میں پورا
اترے جو امتحان میں پورا
جان جاتی ہے جن کے آنے سے
کھنچ گئے اور بھی بلانے سے
دلربا وہ جو اپنے پاس رہے
نہ کہ ملنے کی اس سے یاس رہے
طرفہ یہ رسم و راہ نبھتی ہے
آپ کی بے پناہ نبھتی ہے
بے وفا سے یقین الفت ہے!
آپ کا دم بہت غنیمت ہے!
دل میں کچھ شرمگیں ہوا کہ نہیں
اب بھی تجھ کو یقیں ہوا کہ نہیں!
کچھ خطوں کی عبارتیں دیکھیں
شوخ فقرے شرارتیں دیکھیں
خوب انعام تم کو ملتے ہیں
الٹے الزام تم کو ملتے ہیں
غیر کا جب وسیلہ ہوتا ہے

عذر انکار حیلہ ہوتا ہے
غیرت مہر و ماہ وہ رہی تو ہیں
آپ کے خیر خواہ وہ رہی تو ہیں
ہم جو بولیں ہماری کیا طاقت
بھید کھولیں ہماری کیا طاقت
صحبت انجمن چھٹے کیوں کر
ان سے اپنا وطن چھٹے کیوں کر
یوں ہی تڑپائیں گے رلائیں گے
مر بھی جاؤ گے تو نہ آئیں گے
وعدہ کیسا اگر کلام کریں
ہم تو جھک کر تمہیں سلام کریں
یہ تو مانا وہ وضع دار بھی ہیں
یہ تو مانا وفا شعار بھی ہیں
یہ بجا ہے ستم نہیں کرتے
جھوٹے قول و قسم نہیں کرتے
تم بڑے چین سے رہے سچ ہے
تم سا ہشیار جو کہے سچ ہے
دھوم ہے جا بجا زمانے میں
نام روشن کیا زمانے میں
یوں ہی ہوتے ہیں چار سو رسوا
در بدر اور کو بکو رسوا
بیشتر جو نہیں کیا وہ کیا

عمر بھی جو نہیں کیا وہ کیا
نہ سہی وصل غیر یوں ہی سہی
کیوں بگڑتے ہو خیر یوں ہی سہی

سارے معشوق دیکھے بھالے ہیں
وہی دنیا سے اک نرالے ہیں
بے وفا جھوٹ باوفا کہیے
پاک دامن ہیں پارسا کہیے
بے وفائی انہیں نہیں آتی
کج ادائی انہیں نہیں آتی
بھولے بھالے ہیں گھات کیا جانیں
ابھی وہ اور بات کیا جانیں
آپ کا رنج و غم انہیں ہ تو ہے
پاس قول و قسم انہیں ہی تو ہے
خوبصورت نہیں کوئی ان سا
پاک طینت نہیں کوئی ان سا
آپ دھونی لگائے بیٹھے ہیں
ان پر ایمان لائے بیٹھے ہیں
اپنے محبوب کا خیال رہے
سال دو سال تو یہ حال رہے
نہیں چچتا کوئی حسیں تم کو
آفریں ہے صد آفریں تم کو
کیوں کسی بت پہ ہاتھ صاف کرو

تم تو مسجد میں اعتکاف کرو
ترک کرنا نہ مہر و الفت کو
بخشوائیں گے وہ قیامت کو
دل پہ ہر وقت جبر کرتے ہیں
مرد ایسا ہی صبر کرتے ہیں
چپکے چپکے ہر اک کی سنتا ہوں
اپنے مطلب کی بات چنتا ہوں
کوئی تدبیر بن نہیں آتی
کوئی تقریر بن نہیں آتی
کان ہر شخص کے بیان کی طرف
نگہ یاس آسماں کی طرف
اے فلک کس بلا میں ڈال دیا
مجھ کو جنت سے کیوں نکال دیا
اے فلک تجھ پہ بس نہیں میرا
کوئی فریاد رس نہیں میرا
دل کو آزار ہو گیا کیسا
بخت بیدار ہو گیا کیسا
کاہش غم سے روح گھٹتی ہے
آنکھوں آنکھوں میں رات کٹتی ہے
دل میں ہر وقت یاس رہتی ہے
کیا طبیعت اداس رہتی ہے
ہم جئیں گے یہ آس ہے اس کو

ہجر میں بھوک پیاس ہے کس کو؟
یہ سزائیں ضرور بھی تو نہیں
بے خطا ہوں قصور بھی تو نہیں
ہائے جیتے ہیں ہم نہ مرتے ہیں
کس قیامت کے دن گزرتے ہیں
خانہ عیش لٹ گیا کیسا
مجھ سے معشوق چھپ گیا کیسا
رات دن جی رہے ہیں مر کر ہم
صحبت یار ہو گئی برہم
ہم پریشان گھر میں پھرتے ہیں
کہ وہ جلیے نظر میں پھرتے ہیں
کوئی دن رات کا مزا نہ رہا
رات کیا؟ بات کا مزا نہ رہا
کون ہے التفات کس سے کریں
ہم کنایہ کی بات کس سے کریں؟
دیدہ منتظر ہے چار طرف
دل رشک آشنا ہزار طرف
درد اٹھتا ہے دل میں رہ رہ کر
بیٹھ جاتا ہوں "ہائے دل" کہہ کر!
سوز پنہاں سے گرم گرم آہیں
ناتوانی سے نرم نرم آہیں
وہ طبیعت سنبھالنے والے

میری حسرت نکالنے والے

دلربا ہے تو باوفا بھی ہے

شوخ ہے صاحب حیا بھی ہے

گرچہ مل جائے مہرباں ایسا

نہ ملے گا مزاج داں ایسا

یا الٰہی! نجات غم سے ملے!

وہ سراپا حجاب ہم سے ملے!

ورنہ اس کا خیال بھی نہ رہے

اب ہے جیسا یہ حال بھی نہ رہے

☆☆☆

اختتام------------------حصہ اول